جیلانی بانو

(افسانے)

پرایا گھر

www.taemeernews.com

پرایا گھر

(افسانے)

جیلانی بانو

اردو مرکز۔ حیدرآباد

www.taemeernews.com

پرایا گھر

(افسانے)

جیلانی بانو

Download Link

https://www.taemeernews.com/2019/04/paraya-ghar-jeelani-bano-pdf.html

www.taemeernews.com

جملہ حقوق بحق اشہر فرحان محفوظ

بار اول	ایک ہزار
اشاعت	دسمبر ۱۹۷۹ء
سرورق	ایم۔ حسن
کتابت	محمد عبدالرزاق
طباعت	عمر پریس (پرنٹوپرنٹرس) محبوب گنج حیدرآباد
طباعت سرورق	ایڈوانس پرنٹرس۔ حیدرآباد
قیمت	بیس روپے
ناشر	اُردو مرکز ۱۷۸ 'اے' معظم پورہ۔ حیدرآباد
مصنف کا پتہ	۱۷۸۔ 'اے' معظم پورہ۔ حیدرآباد

نظامس اُردو ٹرسٹ' آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی اور
آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی کے مالی اشتراک سے
شائع ہوئی۔

www.taemeernews.com

انتساب

اپنے پڑھنے والوں کے نام

www.taemeernews.com

ترتیب

پرایا گھر	۷		
کلچرل اکیڈمی	۲۴		
بند دروازہ	۳۸	پنکھا	۱۲۹
اسکوٹر والا	۵۰	دوربین	۱۴۱
بہار کا آخری گلاب	۶۰	بھیڑیوں کے شہر	۱۵۰
بے معرفت ہاتھ	۷۲	چابی کھو گئی	۱۵۶
اے دل ہائے دل	۸۹	چلی گئی	۱۶۳
سنہرا ہرن	۹۸	سونا آنگن	۱۶۹
ایک دن کیا ہوا	۱۰۶	میں اور میرا خدا	۱۷۸
اسٹل لائف	۱۱۳	آبرو	۱۸۳
اجنبی چہرے	۱۲۰	تماشہ	۱۸۹
		مَیں	۱۹۴

www.taemeernews.com

پرایا گھر

تمام گھر ایک جیسے ہیں، کہیں میں کسی اور گھر میں نہ پہنچ جاؤں!

جب وہ مجھے ہاسپٹل سے گھر لے جا رہے تھے تو میں بار بار یہی سوچ رہا تھا۔

ہسپتال کے ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ کار کے حادثے میں مجھے شدید چوٹ آئی تھی۔ مگر وہ سب جھوٹے ہیں، اگر مجھے چوٹ لگی تھی تو اس کا احساس کیوں نہ ہوا۔

وہ سب مجھے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھتے تھے اور ہر وقت میرے بستر کے پاس پہرہ دیتے رہتے تھے جیسے میں اٹھ کر کہیں بھاگنے والا ہوں۔

آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔

وہ لوگ مجھے جانے کس پرائے گھر میں چھوڑ گئے جیسے ہی مجھے سب نے پکڑ کر بستر پر لٹایا۔ کوئی عورت زور زور سے چلّانے لگی۔

"ہائے یہ کیا ہو گیا۔ نہیں نہیں، یہ میرا حادثہ نہیں ہو سکتا۔ اسے کچھ نہیں ہوا"

اور پھر کسی بچے نے پوچھا

" امی یہ چادر اوڑھے کون لیٹا ہے، ابا کے پلنگ پر؟ "

اب تو اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ میں غلطی سے کسی اور کے گھر میں آ گیا ہوں۔

مجھے ہمیشہ سے اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ اگر میں بھول کر کسی اور کے گھر میں گھس جاؤں تو کیا ہوگا ---؟ کہیں گھر کے مرد نہ آ جائیں --؟ چلو بھاگو بھاگو --- مگر لوگ مجھے چاروں طرف سے پکڑے بیٹھے ہیں۔

" چپ رہو --- چپ رہو بھابی ---" دوسرے کمرے میں کوئی مرد سب کو چپ کراتا پھر رہا ہے

www.taemeernews.com

"تم لوگ اتنا شور مچاؤ گے تو وہ اور بھی پاگل ہو جائے گا — اب کسی طرح اسے بہلاؤ — تاکہ اس کا جی گھر میں لگے —"

بہلاؤ — بہلاؤ کیا معنی — ! یعنی میں اپنا گھر چھوڑ کے اس گھر میں رہ پڑوں۔ آخر یہ سب کون بزدل ہے جو اپنی بیوی کو خود نہیں پال سکتا: اور مجھے زبردستی اپنے پلنگ پر سلا رہا ہے — ہونہ ہو یہ سب لٹیرے ہیں، مجھے لوٹنا چاہتے ہیں — میری کنجیاں کہاں گئیں — ! میری کنجیاں دے دو — اُوہ — جانے کس احمق کا گھر ہے کہ روشنی کا کمرہ میں نام ہی نہیں ہے۔

آج ابھی تک سورج کیوں نہیں نکلا۔ کہیں اسے بھی کسی اور گھر میں قید نہ کر دیا ہو۔ یا شاید اب رات ہو — مگر رات آئی کدھر سے — ؟ رات ہوتی تو چاند تارے چھت پر نکلتے — چندا ماموں دور کے — چندا ماموں تا آؤ آؤ — کون آیا ہے — ؟ کیا سورج صاحب آ گئے ! ہاں سورج کو اب آ جانا چاہیئے — اگر کسی دن صبح ہو جائے اور سورج نہ نکلے تو کیا غضب ہو —

پھر میں نہ تو شیو کر سکوں گا نہ چائے پی سکوں گا۔ بھلا اس اندھیرے میں کوئی شیو کر سکتا ہے ! کہیں اپنی گردن ہی نہ کاٹ لوں۔ ہسپتال کا ڈاکٹر کہتا تھا کہ اب اپنے ہاتھ سے شیو مت کرنا — کیوں — کیا وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کار کے حادثے میں میرے ہاتھ بھی کٹ گئے ہیں !

اب شیو کا سامان بھی کیسے ملے گا ! میری تو کنجیاں ہی کھو گئی ہیں۔ میری ہر چیز غائب ہے — ڈاکو میری ساری دولت لے بھاگے ہیں۔ اس گھر میں تو چوروں کی بستی آباد ہے — وہ سب مجھے کیسے تعجب سے دیکھتے ہیں — آپس میں کانا پھوسی کرتے ہیں — اور وہ کھانا لے کر آنے والا فضلو تو مجھے دیکھ کر زور زور سے ہنستا ہے۔ بدتمیز۔ جاہل گنوار —

شاید وہ سب بے چارے کسی حادثے میں پاگل ہو گئے ہیں — مثلاً کہیں کار میں جا رہے ہوں گے کہ اچانک — اُوہ — میرے سر میں کیسا شدید درد ہو رہا ہے۔ یقیناً کسی نے میرے سر پر پتھر مارا ہے۔ جی چاہتا ہے میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دوں۔ سب کو مار مار کے بھرکس نکال دوں۔

مگر اس وقت تو اتنے نرم بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ اور پھر اس آدمی سے بھی ڈر لگ رہا ہے جو دروازے کے اوپر ایک چھوٹی سی کھڑکی میں بیٹھا ہر وقت جھانکتا رہتا ہے۔ میری

www.taemeernews.com

طرف بڑی طنز بھری نظروں سے دیکھتا ہے ۔ جیسے کہہ رہا ہو ــ کیوں کیسے پکڑے گئے ۔ ؟

"جاؤ ــ یہاں سے چلے جاؤ ــ مجھے چھوڑ دو"۔ میرے چیخنے کی آواز سن کر ایک موٹی سی تھل تھل عورت اندر آتی ہے ۔ اس عورت کا نام نمّو ہے ۔

(مجھے جانے کیسے یہ بات معلوم ہو گئی ہے ؟) وہ یہ ڈھونگ رچائے ہوئے ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں ــ یہ بھی خوب رہی ــ اتنی قابلِ نفرت، بدشکل اور بھدی عورت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ــ میں اس سے صاف صاف بات کر چکا ہوں کہ فی الحال تو میں تمہیں جوتے سے بھی چھونے کا ارادہ نہیں رکھتا ۔ اس کے باوجود وہ کئی کئی بار کمرے میں آکر مجھے ڈانٹتی ہے ۔ چپ چاپ لیٹے رہنے کا حکم دیتی ہے ۔ اس بات سے مجھے کچھ شبہ ہوتا ہے کہ وہ یقیناً اگلے جنم میں کسی نہ کسی مجھ جیسے مظلوم انسان کی بیوی ضرور رہی ہوگی ۔

اس وقت بھی وہ اندر آکر پوچھتی ہے ۔

"کون آیا ہے ۔ آپ کسے ڈانٹ رہے ہیں ؟"

"یہ آدمی ! آخر یہ چوبیس گھنٹے مجھے کیوں گھورے جاتا ہے ــ" میں ہاتھ اٹھا کر کھڑکی میں بیٹھے اس آدمی کو ٹھینگا دکھاتا ہوں ۔

"یا اللہ ــ میرے اوپر رحم کر"۔ نمّو اپنے ماتھے پر مار کے کہتی ہے ۔

"وہ بھی کوئی آدمی ہے جس سے آپ ڈر رہے ہیں ــ وہ تو آپ کا فوٹو ہے ۔ کیا آپ اپنے آپ کو بھی بھول گئے ۔ ؟"

نہیں ــ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی میں ہوں ۔ اگر وہ آدمی "میں" ہوں تو پھر "میں" کون ہوں ؟ ہم دونوں میں سے اصل میں کون ہے ! یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی ۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا کہ اصل "میں" کوئی اور ہے تو کیا ہوگا ؟ اب مجھے جلدی سے کہیں چھپ جانا چاہیئے ۔ میری رضائی کہاں گئی ــ اب چاہے مجھے کوئی کتنا ہی پکارے میں ہرگز جواب نہیں دوں گا ۔

دوسرے کمرے میں کوئی بار بار میرا نام لے کر کچھ کہہ رہا ہے ۔

"وہ پاگل نہیں ہوا ہے ــ تم لوگ اس کا علاج نہیں کرواتے ۔ کیوں کہ تم میں سے کوئی بھی

www.taemeernews.com

نہیں چاہتا کہ وہ پھر صحت مند ہو کر تمہاری گردن پر سوار ہو جائے ۔"

اتنی جائیداد ـــ بنک بیلنس ـــ سات سو روپے پنشن ـــ"

یہ آدمی یقیناً نمو کا شوہر ہے ممکن ہے اب پاگل ہو گیا ہو ۔ یا پھر وہ سب مل کر مجھے پاگل بنانے کی سازش کر رہے ہیں ۔ مجھے ذرا ٹکڑوں میں بانٹ کر اوپر لٹکا دیا گیا ہے ۔ یہ لوگ مجھے ہسپتال سے اغوا کر کے لائے ہیں ۔

کون ہے ـــ کون میری رضائی کھینچ رہا ہے ـــ میں یہاں نہیں ہوں ۔ میں تو اوپر کھڑکی سے جھانک رہا ہوں ۔

نمو پھر میرے پاس آئی ہے ۔ اس کے ہاتھ میں انگوروں سے بھری ایک پلیٹ ہے اور ساتھ میں چند تماشائی بھی ہیں جنہیں وہ میرا تماشہ دکھانے لائی ہے ۔

وہ بڑی محبت سے انگور میرے منہ میں رکھ کر کہتی ہے

"حامد ـــ ذرا ہوش میں آیئے ـــ دیکھئے آپ کی چچی اماں آئی ہیں ـــ نشاط اور اختر آئے ہیں کیا آپ انہیں بھی بھول گئے ـــ"

"کہیئے کیسے مزاج ہیں" ـــ ایک صاحب میرے قریب بیٹھ کر پوچھتے ہیں ۔

"اچھا اچھا سمجھ گیا" میں اس آدمی کو پہچان کر کہتا ہوں

"تم ہسپتال والے ہو' مجھے انجکشن دینے آئے ہو ـــ میں جلدی سے اٹھ کر اپنے بچاؤ کیلئے گلدان ہاتھ میں اٹھا لیتا ہوں ۔

چلے جاؤ ـــ یہاں سے چلے جاؤ' ورنہ سب کے مزاج بحال کر دوں گا ۔

پھر میں روتی ہوئی نمو کو بھی ایک لات جھاڑ کر کہتا ہوں ۔

"بس کرو ایکٹنگ ـــ میں مداری کا بندر نہیں ہوں تم جس کا تماشہ سب کو دکھاتی ہو ـــ کہو تو ابھی سب کے سامنے تمہارا بھی تماشہ شروع کر دوں ـــ"

اب تو اس گھر سے بھاگنا ہی پڑے گا ـــ واہ کیا مزہ آئے گا ۔ جب کسی دن یہ لوگ مجھے اس بستر پر نہ پائیں گے اور چلا چلا کے میری جائیداد اور پنشن کے لئے روئیں گے ۔

www.taemeernews.com

مگر اس دوسرے "میں" نے تو سارا معاملہ ہی چوپٹ کر دیا ہے۔ وہ کم بخت ہر وقت میری نگرانی کرتا رہتا ہے۔ میں آخر کیوں دو حصوں میں ٹوٹ گیا۔ ایسا ٹوٹا پھوٹا انسان کرے تو کیا کرے ـ ؟

اس دن میرے کمرے میں دو بچے بھیجے گئے۔

دس گیارہ برس کا ایک بے حد شکی اور محتاط قسم کا لڑکا پپو ـــ وہ بار بار دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں پتھر تو نہیں ہے۔ اور ایک بے حد خوبصورت منی سی بچی، چھوٹی سی گڑیا، جو چابی دینے سے چوں چوں بولتی ہے۔

"چوں چوں ـــ آؤ ابو"

لیکن میرے بلانے سے پہلے ہی وہ مجھ سے آ کر لپٹ گئی۔ اور پپو کے منع کرنے کے باوجود اپنے سنہرے بال میرے سینے پر پھیلا کے کہنے لگی۔

"ابا ابا ـــ آپ کو سر میں چوٹ کیسے لگی ـــ ابا ابا پپو آپ سے ڈرتا ہے۔ ابا ابا آپ ہمیں تو نہیں ماریں گے نا ـــ" پھر میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر آہستہ سے بولی،

"ہمیں ایک چھوٹا سا پلین لا دیجئے۔ اس میں بیٹھ کر اپن دور چلے جائیں گے"۔

خوب دور ـــ اُوں ـــ زوں ـــ زوں۔

اچانک ہم دونوں واقعی چھوٹے سے پلین میں بیٹھ کر اڑنے لگے۔

"ٹاٹا ـــ ٹاٹا ـــ"۔ چوں چوں ہاتھ ہلا کے نیچے رہ جانے والی ذلیل مخلوق سے کہتی ہے۔

"ٹاٹا ـــ ٹاٹا ـــ" میں بھی ہاتھ ہلا کے اس اجنبی گھر کے لوگوں سے کہتا ہوں۔

"ٹھہرئیے ـــ آپ کہاں جا رہے ہیں ؟"

آخر ان کم بختوں نے مجھے پکڑ ہی لیا۔

"اتنی تیزی سے مت بھاگئے۔ آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے" ـــ بنو پیچھے سے مجھے پکڑ لیتی ہے۔

"منی اُتر نیچے ـــ اب ان کے کاندھے پر سوار ہونے کی عادت چھوڑ دے ـــ تیرے ابا کی طبیعت اچھی نہیں ہے"۔

"چھوڑ دو ـــ ہمیں چھوڑ دو ـــ ہم پلین میں دلی جا رہے ہیں ـــ بہت دور جا رہے ہیں۔ ٹاٹا ٹاٹا۔"

www.taemeernews.com

لیکن ممی کو زبردستی اٹھنا پڑا۔ مجھے بھی مجبوراً اپنے کمرے میں آ کر لیٹنا پڑا۔

اب نمو میرے پاس بیٹھ کر بڑے ناز سے کہتی ہے۔

"خدا کا شکر ہے آپ اپنے بچوں کو نہیں بھولے"

پھر وہ چوں چوں کی طرح میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر میرے اور قریب آجاتی ہے۔

"سچی ___ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ اگر آپ اپنے بچوں کو بھول گئے تو ہمارا کیا ہوگا؟"

"کیوں تمہارا کیا بگڑ گیا ___" میں اس سے دور ہٹ کر بیٹھ جاتا ہوں۔

"لے واہ ___ میں کیا اب کمانے نکلتی ___ آپ کی پنشن آ رہی ہے تو گھر چل رہا ہے۔ اب اس تھوڑی سی جائداد کا سہارا ہی تو رہ گیا ہے۔ امتیاز کی ماں تو خوب عیش کر کے مر گئی۔ اب آپ نے مجھ سے بیاہ کیوں کیا تھا ___ میں ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر کہاں جاؤں؟"

یہ عورت یقیناً پاگل ہے۔ ابھی رونا شروع کیا تھا کہ ابھی جھٹ سے ہنسنے لگی اور ایک کاغذ میرے سامنے رکھ دیا۔

"لو اس پر دستخط کر دو"

"یہ کیا ہے ___!" میں غور سے دیکھتا ہوں کہ کہیں میری غلامی کی دستاویز تو نہیں ہے۔ شاید اس بات کا اقرار ہو کہ میں دو حصوں میں بٹ گیا ہوں۔ ایک تو اوپر کھڑکی میں سے جھانک رہا ہوں، اور ایک یہاں ان ظالموں کے چنگل میں پھنسا بیٹھا ہوں۔

"کیا دیکھ رہے ہیں، دستخط کر دیجئے نا!" نمو یوں بے قرار ہے جیسے انگاروں پہ کھڑی ہو۔ میں پھٹے غور سے کاغذ دیکھتا ہوں ___ ایک ہزار ___ ایک ہزار کے ہندسے ابھر ابھر کر مٹ رہے ہیں ___ اچھا تو یہ صرف پیسوں کی بات ہے!

میں جلدی سے دستخط کر دیتا ہوں۔

"امی ___ اگر ابا دستخط کرنا بھی بھول جاتے تو کیا ہوتا!" ہمارے قریب کھڑا ہوا پپو کہہ رہا ہے۔ پپو کے قریب فضلو ہے۔ فضلو کے قریب شمی ___ اور جانے کون کون ہمیں گھیرے کھڑے ہیں۔

www.taemeernews.com

"صاحب کلام پکڑنا بھول جاتے تو ساری دولت ہاتھ سے گئی تھی"۔

یہ بات سڑے سیتا پھل کے بیجوں جیسے دانتوں والے فضلو صاحب فرما رہے تھے۔

"تو چپ — چپ — چپ —" میں اچانک اسے ڈانٹنا شروع کر دیتا ہوں — "بڑا آیا دولت کا تماشہ دیکھنے والا — اور تو مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں ہنستا ہے بے! یہاں کوئی مداری کا تماشہ ہو رہا ہے یا میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہیں"۔

میری بات سن کر سب ہنس پڑتے ہیں۔ اور مجھے شک ہوتا ہے کہ واقعی میری صورت میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے یا پھر یہ بات ہر شخص کو معلوم ہو چکی ہے میں آدھا وہاں کھڑکی میں ہوں۔ سبھی تو سب مجھے اتنے غور سے دیکھتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کھڑکی میں بیٹھا ہوا میں بھی اپنے آپ کو بڑی حیران نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔ نہیں — اب یہ ادل جلول حرکتیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کل جب میں ایک بکھی کو مارنے سارے گھر میں لکڑی لئے پھر رہا تھا تو بہت سے بلب ٹوٹ گئے۔ شیشے کی الماری اوندھی ہو گئی اور نمو کہنے لگی، سب لوگ میرا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے شہر کے سنیما ہال بند ہو چکے ہیں جبھی تو لوگ تماشہ دیکھنے اس گھر میں آ جاتے ہیں۔ بلکہ تماشہ کرنے بھی — کل دوپہر یہاں ڈانسنگ ہال میں میٹنی شو چل رہا تھا۔ وہی خوب صورت سی لڑکی شمی ہیروئن تھی۔ اور ایک لمبا سا کالا نوجوان ہیرو تھا۔ وہ لوگ بڑے رومانی موڈ میں تھے — یہ چوری ہے — صریحاً چوری۔ میں نے سوچا کہ یہ منظر تو ہر ہندوستانی پکچر میں دیکھ چکا ہوں۔ بس اب گانا شروع ہوگا — تو میرا چاند — میں تیری چاندنی — اگر واقعی گانا شروع ہو گیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

"بند کرو — خدا کے لئے بند کرو یہ سین"۔

میں چلایا تو انہوں نے ڈر کے مارے سچ مچ اس سین کو ادھورا چھوڑ دیا۔

ہیرو تو قلانچیں بھرتا ہوا باہر بھاگا" اور ہیروئن آ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔

"ابا — ابا۔ مجھے معاف کر دیجئے" وہ رو رہی تھی، جھوٹ موٹ کے آنسو۔

"اور مجھے بھی معاف کیجئے" میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر بالکل کسی ہیروئن کے باپ کے انداز میں جواب دیا۔

www.taemeernews.com

"میں آپ کے ایسے فضول ڈرامے میں کوئی پارٹ نہیں کر سکتا۔"

اتنے میں کہیں سے چوں چوں آگئی۔

آج اس کی گود میں کاغذ کی بہت سی کترنیں تھیں۔

"جلدی لیجئے ابّا ـــ اتنے بہت سے روپے لائی ہوں۔" اس نے میری گود میں کاغذ ڈالے تو وہ سچ مچ کے نوٹ بن گئے۔

"اب اس نوٹ کا کیک لائیں گے ـــ اور اس نوٹ کا بیلون ـــ اور اس نوٹ کا ابّا کے لئے سگریٹ ـــ اور اس نوٹ کا ـــ۔۔" وہ ایک ایک نوٹ اٹھا کر بڑی گرہستنوں کے انداز میں گود میں رکھتی جاتی ہے۔

"اور اس نوٹ کے ابّا۔"

"ہٹ پاگل ـــ پپو کہتا ہے۔ "کہیں نوٹ سے ابّا خریدے جاتے ہیں؟"

"آں ہاں ـــ خریدے جا سکتے ہیں۔" چوں چوں بڑے وثوق کے ساتھ کہتی ہے۔

"کیوں ابّا! آپ نے ہم سب کو ایک نوٹ سے خریدا ہے نا ـ؟"

"ہاں اور کیا ـــ تم سب کو میں نے خریدا ہے۔ تم سب میرے غلام ہو۔ سب میرے حکم پہ یہاں کھڑے ہو جاؤ۔"

میں حکم دیتا ہوں۔ مگر کوئی نہیں سنتا۔

"پپو تو الو کا پٹھا ہے۔" منی کہتی ہے۔

"امی کہتی ہیں روپے ہوں تو ہر چیز خرید سکتے ہیں۔"

تو پھر میں کیوں نہ اس دوسرے "میں" کو خرید لوں۔ میں سوچتا ہوں ـــ اور منی سے سب روپے چھین کر اپنی گود میں چھپا لیتا ہوں۔

"جاؤ بھاگ جاؤ ـ یہ سب روپے میرے ہیں۔"

"نہیں میرے ہیں ـــ" منی رونے لگتی ہے۔ "میرے روپے ابّا نے لے لئے ۔ دے دیجئے۔"

"ان کاغذوں کا آپ کیا کریں گے، منی کو دے دیجئے نا!" اس کی آواز سن کر نیند اُڑ گئی۔

www.taemeernews.com

"میں ان روپوں سے ایک" بیں" خریدوں گا۔ تم چاہتی ہو میں ہمیشہ ادھیار رہوں۔ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا رہوں"۔

"اللہ خیر" نمو میری ڈانٹ سُن کر سہم جاتی ہے۔

"جاؤ بچو، تم باہر کھیلو۔ تمہارے ابا کو پھر دورہ پڑنے والا ہے"۔

وہ مجھے کمرے میں بند کر کے چلی جاتی ہے۔

آج اخبار میں خبر آئی ہے کہ رابرٹ کینیڈی کو کسی نے گولی مار کے ہلاک کر دیا۔

میں بھی اپنے سب دشمنوں کو فائر کر دینا چاہتا ہوں۔ لیکن میرا پستول تو کینیڈی کا قاتل ادھار لے گیا ہے۔ ورنہ میں اس دنیا میں اتنے وحشی اور نکمے لوگوں کو رہنے دیتا۔؟

خصوصاً نمو۔ فضلو اور امتیاز۔ ان تینوں کو تو ضرور شوٹ کر دینا چاہیئے۔ پھر دیکھنا اس دن سورج کیسا چمکیلا نکلے گا۔ لوگ کتنا ہنسیں گے۔

ٹھائیں۔ ٹھائیں۔ ٹھائیں۔ میں اپنے ہاتھوں کی بندوق بنا کر نشانہ بازی کی مشق شروع کر دیتا ہوں۔ لوگ میرے نشانے کی زد میں آ کر دھڑا دھڑ گر رہے ہیں۔ نمو، فضلو۔ اور ہاسپٹل کا وہ سور کی صورت ڈاکٹر جس نے مجھے زبردستی اس پرائے گھر میں بھجوایا۔ اور پنشن آفس کا وہ کلرک جو مجھے ہر مہینے دیکھ کر مسکراتا ہے۔ سب مر گئے۔ چلو اب خوب موج اڑاؤ۔ کباب کھاؤ۔

آج مجھے کتنی بھوک لگ رہی ہے۔ گذشتہ ایک برس سے میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ آج میں کباب کھاؤں گا۔ خوب مرچ، مسالے دار۔ چٹ پٹے۔ اور اگر کباب نہ ملے تو امتیاز کو بھون کر کھا جاؤں گا۔

کباب لاؤ۔ جلدی۔ کباب وانٹیڈ۔

مگر کبابوں کی بجائے پھر امتیاز آ گیا۔

یہ لڑکا بھی اسی گھر کا ایک فرد ہے۔ اور ان کی والدہ محترمہ بار بار یہ جتاتی رہتی ہیں کہ یہ ناخلف صاحبزادے بھی میری ہی اولاد ہیں۔ لاحول ولا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگلے جنم میں بھی ہم ایک دوسرے کے دشمن ہی تھے۔ کیوں کہ اب بھی امتیاز کی نظروں میں میرے لئے بڑی حقارت

www.taemeernews.com

اور حقارت بھری رہتی ہے۔ اور جب بھی میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو بے اختیار منہ سے نکل پڑتا ہے۔
"اچھا تمہیں سمجھوں گا بیٹا ۔۔"

پتہ نہیں یہ لڑکا کس کی دولت پر اکڑتا پھرتا ہے۔ سگریٹ کا دھواں میرے منہ پر چھوڑتا ہوا گزر جاتا ہے ۔۔ اور ہر وقت ماں بیٹے میں روپے پیسے کے لئے لڑائیاں ہوتی ہیں ۔۔ رات کو ایک دو بجے وہ نشے میں چور گھر لوٹتا ہے تو شاید یہ سمجھتا ہوگا کہ میں الکحل کی بدبو کو نہیں پہچان سکتا ۔ مجھے تو اس کی ماں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے آوارہ نکمے لڑکے کو میرا بیٹا بنانے کی جرات اس نے کیسے کی ۔

میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں' میں نے بھی دنیا دیکھی ہے ۔ میرا جی چاہتا ہے امتیاز کے منہ پر اتنے طمانچے ماروں کہ اسے اپنا سچ مچ کا باپ یاد آجائے' مگر اس کے بھٹے کٹے بدن سے ڈر لگتا ہے ۔ جانے کون بدنصیب باپ ہوگا جس کی قسمت میں ایسی اولاد لکھی تھی ۔

آج بھی اس نے آتے ہی مجھے حکم دیا ۔

" جلدی تیار ہو جائیے ۔ آج ، ر تاریخ ہے ۔ پنشن لانے میرے ساتھ چلنا ہے "

مجھے باہر جانے اور پنشن لانے سے بڑی خوشی ہوتی ہے ۔ اس دن ہم خوب بازاروں کی سیر کرتے ہیں ۔ جب میں اپنی پنشن کے اتنے بہت سے روپے اپنی جیب میں رکھنا چاہتا ہوں تو امتیاز مجھے ان پیسوں کی قلفی ملائی لا دیتا ہے ۔ اس کے بعد وہ مجھے گھر چھوڑ کے کہیں چلا جاتا ہے تو اس کی ماں خوب چیخ و پکار کرتی ہے ۔ اس لئے اکثر ، ر تاریخ کو مجھے لوگ ادھر سے ادھر گھسیٹتے پھرتے ہیں ۔ بہو کہتی ہے میں اس کا ہوں اس لئے وہ مجھے پنشن لانے اپنے ساتھ لے جائے گی ۔ امتیاز کہتا ہے مجھ پر صرف اسی کا حق ہے ۔ اس لئے اپنے ساتھ مجھے وہ لیکر جائے گا ۔ مگر آج میں امتیاز کو جلانے کے لئے اس کی بات ان سنی کر دیتا ہوں ۔

" میرے کباب کہاں ہیں ۔۔ جلدی لاؤ مجھے بھوک لگی ہے "

"آپ کپڑے تو بدل لیجئے ۔۔" وہ بڑی محبت سے کہتا ہے " آج آپ کی ساری پنشن کے آپ کو کباب کھلا دوں گا ۔۔"

www.taemeernews.com

آج امتیاز مجھ پر کتنا مہربان ہے۔ آج سے مجھے نہ تو وہ بار بار ٹوکتا ہے نہ دھکے دے دے کے کپڑے پہننے پر مجبور کرتا ہے۔

یا اللہ ــــ کباب کتنے مہنگے ہوگئے ہیں۔ سات سو روپے میں ایک پلیٹ کباب۔ اوہ! شاید آج میں کباب بھی نہیں کھاتا۔ امتیاز کے ساتھ بازار کی سیر بھی نہیں کروں گا۔ آخر میں کیوں جاؤں یہ ٹینشن لانے۔ ابھی اگر رضائی تان کر سو جاؤں تو کبھی آنکھ نہ کھلے۔ بس آج یہی فیصلہ کیا ہے۔ اب دولت ہے ــــ کپڑے بدل کر کہیں جانا تو ایک آفت ہے۔ سارا گھر اکٹھا ہو جاتا ہے۔ کوئی شیو کروا رہا ہے کوئی منہ دھلا رہا ہے۔ اس دن امتیاز خود استری کر کے مجھے کپڑے پہناتا ہے کہ لوگ مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گے!

لوگ ــ لوگ ــ جانے وہ کون لوگ ہیں جن سے اس گھر کے رہنے والے اتنا ڈرتے ہیں۔

کہیں سے مجھے وہ لوگ مل جائیں تو اس گھر کا سارا کچا چٹھا سنا ڈالوں۔ یہ تک بتا دوں کہ پرسوں نجو کی غیر موجودگی میں دوسری چابی منگا کر امتیاز نے الماری میں سے کئی زیور نکال لیے ہیں۔ اور بشریٰ عنقریب اس کالے بھجنگ نوجوان کے ساتھ گھر کی دولت سمیت فرار ہونے والی ہے۔ میں دن بھر پردے کے پیچھے سے جھانک جھانک کر سب دیکھتا رہتا ہوں۔ ایک دن بیپو دیگچی میں سے بوٹیاں چن چن کر کھا رہا تھا۔ میں نے اچانک اسے ڈرا دیا تو سب کو سخت حیرانی ہوئی کہ آخر میں ڈرائنگ ہال میں کیسے پہنچا اور کب سے وہاں چھپا کھڑا تھا۔

اور یہ فضلو تو اتنا چالاک ہے کہ کیا کہوں۔ میرے لیے کھانا لا کر تپائی پر رکھتا ہے اور خود ہی کھانے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد ایک دن میں نے دروازے سے کان لگا کر سنا، وہ نجو سے کہہ رہا تھا کہ صاحب کو کھانا کھلا دیا ہے۔

"نہیں نہیں، میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ جلدی سے کھانا دو۔"

میں نے کھانے کے کمرے میں جا کر کہا۔

"یہ ایک اور مصیبت ہے" نجو غصّے سے کہنے لگی۔ "ابھی فضلو نے کھانا کھلایا ہے اور پھر بھوک لگی ہے۔"

www.taemeernews.com

"زیادہ کھانے سے آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی نا۔۔۔ جائیے آرام کیجیے" شمی مجھے کمرے کی طرف دھکیلنے لگی۔

"نہیں مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ فضلو سے پوچھو میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔"

مگر فضلو جواب دینے کی بجائے ہنو کی طرف دیکھ کر ہنس رہا ہے۔

"مگر آپ یہاں کیوں آگئے۔ میز گندی کردیں گے۔ جائیے میں آپ کے کمرے میں کھانا ابھی بھجواتی ہوں۔" ہنو نے مجھے کمرے میں دھکیل کر باہر سے کنڈی لگا دی ہے۔

"میرے ابا کو مت مارو۔۔۔ مت مارو۔۔۔" چوں چوں باہر چلّا رہی ہے۔ رو رہی ہے۔

"چپ۔۔۔ چپ۔۔۔ بڑی آئی ابا کی بیٹی۔" ہنو چوں چوں کو بھی مار رہی ہے۔

"دروازہ کھولو۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔" میں نے زور زور سے کواڑوں پر اپنا سر مارنا شروع کر دیا تو دروازہ کھل گیا۔

کیا چوں چوں کو مار ڈالا۔۔۔ میں نے اپنے ماتھے پر سے بہتا ہوا خون پونچھ کر دیکھا تو وہ ایک کونے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف باہیں پھیلا کے دوڑتے ہیں۔

ہنو نے مجھے کمرے میں بٹھانے کی ایک اور ترکیب نکالی۔

وہ طرح طرح کے لوگوں کو میرے پاس لاتی ہے کہ میں ان سے باتیں کر کے اپنا جی بہلاؤں۔

پرسوں ایک پاگل صاحب تشریف لائے۔ نقلی داڑھی لگا کے آئے تھے۔ وہ بار بار ہوا میں اڑتی تو گھبرا کے یوں پکڑتے جیسے بعید کھلنے کا ڈر ہو۔۔۔ مجھے دیکھتے ہی یوں گلے لپٹ گئے جیسے برسوں پرانی دوستی ہو۔

"کہو یار کیسے ہو۔۔۔ طبیعت اب ٹھیک رہتی ہے؟" انھوں نے پوچھا۔

"ہاں تم اپنی سناؤ۔۔۔ یہ نقلی داڑھی بیچتے ہو۔۔۔؟"

وہ میری بات سن کر تیتے پیچھے کو ہٹے۔ لیکن میں انہیں پکڑ کے بٹھا لیتا ہوں۔ کیا ہرج ہے اگر کچھ وقت کسی پاگل کے ساتھ ضائع ہو جائے۔

اب وہ مجھ سے بہت دور ہٹ کر ایک اسٹول پر بیٹھ گئے۔

 www.taemeernews.com

"کئی بار ارادہ کیا کہ تمہیں دیکھ آؤں۔ مگر ڈر بھی لگتا تھا کہ جانے تم مجھے پہچانو گے یا نہیں"۔ وہ اپنی داڑھی سہلا کر بولے۔

ہاں اب تم بے چارے اپنی دماغی بیماری سے بدل جو گئے ہو"۔ میں نے جواب دیا۔

ہیں ہیں ہیں ۔۔۔ وہ جانے کیوں میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگتے ہیں۔ پاگل ہمیشہ دوسروں کو پاگل سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بزرگ بھی مجھ ہی کو پاگل سمجھ رہے ہیں۔

"یار مجھے تمہاری بیماری کا بہت دکھ ہے۔ کیا کریں اللہ کی مرضی"۔ وہ کہتے ہیں۔

"اور مجھے تمہاری اس نقلی داڑھی پر بے حد پیار آرہا ہے۔ ایک دن کے لئے ہمیں ادھار نہیں دو گے! ہم چور چور کے ساتھ ڈاکو ڈاکو والا کھیل کھیلیں گے"۔

لیکن وہ میری بات سن کر دروازے کی طرف جانے لگتے ہیں اور پھر رُک کر فرماتے ہیں ۔۔۔ "یار کچھ سمجھ داری کی باتیں بھی کرو ۔۔۔ سنا ہے بھائی نے تمہارا علاج معالجہ کچھ نہیں کروایا۔ کیا تم اپنی ساری پنشن بھی ان ہی لوگوں کے حوالے کر دیتے ہو یا کچھ اپنے لئے بھی رکھتے ہو"؟

پھر وہی پنشن کی بات! ایسا لگتا ہے جیسے میرا دوسرا "میں" بھی کہیں غائب ہو گیا ہے ۔۔۔ اور یہ میں جو ہوں، یہ ایک پنشن کا نام ہے۔ ہر شخص مجھے یوں دیکھتا ہے جیسے میں آدمی نہیں رہا پنشن بن گیا ہوں۔ جسے دیکھو اسی کا ذکر، اسی کی بات ۔۔۔ جی چاہتا ہے اس پنشن کو کسی طرح اپنے تن سے نوچ پھینکوں ۔۔۔ پتہ نہیں پھر میں اس گھر میں کسی کو نظر بھی آؤں گا یا نہیں!

مجھے کچھ یاد نہیں رہا کہ اس پاگل سے مجھے کب چھٹکارا ملا۔ نفضلو کہہ رہا تھا کہ جب میں نے زبردستی داڑھی چھیننے کی کوشش کی تو وہ ڈر کے مارے بھاگ گیا۔

بھلا ایسے سرپھرے پاگلوں کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا ہے!

ایسا ہی ایک اور بھوت میرے کمرے میں آیا تھا۔ حسب توقع وہی میری اور اپنی پرانی دوستی کا ڈھونگ رچایا اور پرانے قصے سنانے لگا جو بالکل جھوٹے تھے۔ پھر میری آنکھ بچا کر میرا بارکر پین اپنی جیب میں ڈال لیا اور میرے سب سگریٹ پھونک ڈالے۔ پھر جاتے وقت میرے سر پہ احسان کا ایک چھپّر رکھ گئے کہ آج کل نمو کا دل بہلانے میں وقت صرف کرتے ہیں تاکہ میری بیماری سے اس کا دل بالکل ہی

www.taemeernews.com

نہ ٹوٹ جائے پھر یہ بھی انکشاف فرمایا کہ ہسپتال سے اس اجنبی گھر میں لانے کے ذمہ دار بھی آپ ہی حضرت تھے ۔ اتنا سنتے ہی میں بے قابو ہو گیا ۔

" اچھا تو تم ہی ہو جس نے مجھے اس پرائے گھر کی دوزخ میں ڈال دیا ہے ۔ آخر مجھے ستانے میں تمہیں کیا مل گیا ہے ؟"

" ابھی نہیں ملا ۔ مگر کل مل جائے گا " وہ مکاری سے مسکرایا ۔

" یہ بات ہے تو میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں ۔ ابھی تمہارے چھکے چھڑواتا ہوں "

میں فوراً فون کا ڈائیل گھماتا ہوں ۔ ہیلو ہیلو ۔۔۔

" میرا چھوٹا فون دے دیجئے " چوں چوں جلدی سے آکر اپنا چھوٹا سا سرخ ٹیلی فون مجھ سے چھین لیتی ہے ۔ " لائیے میں کردوں ۔ آپ کس کو فون کریں گے ؟"

" پولیس اسٹیشن ۔۔۔ پولیس کو جلدی بلا دیجیے چوں چوں ورنہ مجرم فرار ہو جائیں گے " میں سخت پریشانی میں کہتا ہوں ۔

" ہیلو " چوں چوں بڑی سنجیدگی سے فون کان سے لگا کر زمین پر بیٹھ جاتی ہے ۔

" جلدی آئیے ۔ ابا کو سب ستا رہے ہیں ۔ کھانا نہیں دیتے "

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں اس کھیل سے اکتا جاتے ہیں ۔

" اب فون کا کھیل ختم ۔۔۔ چلئے چلئے اب چور پکڑیں گے " اور پھر ہم دونوں سچ مچ چور کو تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔

" ہشت ، آہستہ چلئے " چوں چوں منہ پر انگلی رکھ کر کہتی ہے ۔

اب ہم دونوں گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے پلنگوں کے نیچے گھس رہے ہیں ۔ اچانک میرا سر مسہری کے پائے سے ٹکراتا ہے اور آہٹ سن کر کوئی نیچے کو دبا تا ہے ۔

" چور چور " میں چور کی ٹانگ پکڑ کر چلانے لگتا ہوں " جلدی میرا پستول لاؤ ۔۔۔ چور پکڑ لیا ہے "

" چور پکڑ لیا ، چور پکڑ لیا " چوں چوں بھی زور زور سے تالیاں بجانے لگی ۔

 www.taemeernews.com

"نہیں چھوڑ دیجئے" "چھوڑ دیجئے۔ بچے آ جائیں گے" شوہرمت چلائیے"۔ ممو مسہری پر سے اٹھ کر کہہ رہی ہے۔ تب میں نے غور کیا کہ جس چور کو ہم نے پکڑا ہے یہ وہی آدمی ہے جو ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ ہماری آواز سن کر سارا گھر کمرے میں اکٹھا ہو گیا۔ شمی' فضلو' پچو' امتیاز۔ وہ سب بڑی حیرانی کے ساتھ کبھی مجھے دیکھتے ہیں کبھی اس آدمی کو ــــ پھر سر جھکا کے کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں۔

عجیب بزدل لوگ ہیں یہ ــــ میں دل میں سوچتا ہوں۔ چور کو سزا دینے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے ــــ ؟

ممو ساری رات اپنے کمرے میں بڑبڑاتی رہی ــــ

"نہیں' وہ پاگل نہیں ہے۔ سب ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اپنے آپ کو بھول گیا۔ گر میری نگرانی کرنا نہیں بھولتا"۔

ایک دن عجیب حادثہ ہوا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ رات ختم ہو گئی ہے۔ سب لوگ جاگ اٹھے۔

میرے کمرے میں بھی اجالا تو ہے مگر دھوپ کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ کہیں رات وہ چور سورج کو تو چرا کے نہیں لے گیا۔ مجھے بڑی تشویش ہونے لگی۔ پھر جب چوں چوں اپنا ٹیلی فون لے کر آئی تو میں نے اسے فوراً یہ وحشت ناک خبر سنائی۔

"رات چور سورج کو چرا کے لے گیا"۔

کہاں لے گیا ــــ ؟" چوں چوں بھی سخت فکر مند ہو گئی۔ اس گھر میں اس بچی سے زیادہ سمجھدار اور کوئی نہ تھا ــــ

"کیا پتہ ــــ دیکھو نا رات سے کیسا اندھیرا اندھیرا سا ہے۔ اب میری تو سمجھو کل دولت ہی لٹ گئی۔ سورج نہ رہا تو دن کیسے نکلے گا؟ میں بستر سے کیسے اٹھوں گا؟"

'میں غم کے مارے رونے لگا۔ چوں چوں نے مجھے روتے دیکھ کر اپنے کھلونے پھینک دیئے اور حسب عادت اپنے سنہرے بال میرے سینے پر پھیلا کے بولی'

www.taemeernews.com

"میں ایک بڑا سا سورج آپ کو خرید کر لا دوں گی۔ میرے پاس روپے ہیں۔"

"بے وقوف ۔۔۔ سورج کہیں بکتا ہے !" میں اس کی نادانی پر ہنسنے لگا۔

"پھر آپ کے پاس کیسے آیا تھا ۔۔۔؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کے پوچھا۔

لو ۔۔۔ اب ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ۔۔۔ آخر سورج میرے پاس کیسے آیا تھا۔ کیوں آیا تھا۔ کیا اُسے بھی میری پنشن کی گُن سُن لگ گئی تھی۔ یا پھر اس دوسرے "میں" کی اسے بھی خبر ہو گئی تھی۔

"وہ کون ہے ۔۔۔؟" میں نے چوں چوں کو انگلی سے اوپر دکھایا۔

"وہ ۔۔۔! وہ ۔۔۔؟" بڑی دیر تک وہ گردن اوپر اٹھائے غور سے دوسرے "میں" کو دیکھتی رہی ۔۔۔ "وہ ابا ہیں۔"

"کس کے ابا ۔۔۔؟" میں خوش ہو گیا کہ وہ کوئی اور نکلا۔

"میرے ۔۔۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر کہا۔

"وہ آپ ہیں۔"

میں ۔۔۔؟ میں لرز اٹھا ۔۔۔ تو اب اتنے اتنے سے بچوں میں بھی یہ بات پھیل چکی ہے کہ میں دو حصوں میں بٹ چکا ہوں۔

"تمہیں معلوم ہے چوں چوں کہ مجھے وہاں کس نے ٹانگا ہے؟" میں نے ادھر ادھر دیکھ کر بڑی رازداری میں پوچھا۔

"امّی نے ۔۔۔" اس نے بھی اتنی ہی احتیاط کے ساتھ کان میں کہا۔ "ایک دن امّی نے آپ کو شیشے میں بند کر کے، رسی لگا کے وہاں ٹانگ دیا تھا۔"

شیشے میں بند کر کے ۔۔۔؟ رسی لگا کے ۔۔۔؟ یعنی مجھے مار ڈالا گیا ہے۔ گویا مجھے پھانسی دی گئی ہے! پھر میں کیوں اس پلنگ پر لیٹوں! میں تو مر چکا ہوں۔ میرا اب اس دنیا سے کیا واسطہ۔ میں دیوار سے لگ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا کہ پھر نمو کمرے میں نازل ہوئی۔ جب سے میں نے چود پکڑا تھا وہ مجھ سے سخت ناراض تھی۔ مگر اس وقت تو وہ اپنی آواز میں شکر گھول کر آئی تھی۔

www.taemeernews.com

پہلے تو اس نے مجھے زبردستی دیوار سے ہٹانے کی کوشش کی۔ پھر ہار مان کے خود بھی میرے قریب آ بیٹھی۔

آج وہ مجھ سے بے حد اہم مشورے کر رہی تھی۔ اور بڑی بے تکلفی سے میری پنشن کو "اپنی پنشن" اور اپنے بچوں کو "میرے بچے" کہے جا رہی تھی۔

اسے تیس ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ مکان بیچنا چاہتی ہے اور میں جتنا روپیہ ہے اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے تاکہ شمی کا بیاہ ہو سکے اور امتیاز کا حصہ دیکر گھر سے رخصت کر دیں۔ میں سب سنتا ہوں۔ سچ مچ کے مظلوم شوہروں کی طرح حالانکہ پنشن اور بینک کی باتیں مجھے سخت بور کرتی ہیں۔ لیکن پھر بھی میں بڑی دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے خوب ڈانٹتا ہوں۔

"چپ رہو ـــــ اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ تم نے مجھے مار ڈالا ہے۔ میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے پھانسی دی گئی ہے"!

یہ سن کر وہ میرے قدموں سے لپٹ جاتی ہے "اس رات والی بات بھول جاؤ ـــــ حامد ـــــ مجھے معاف کر دو ـــــ اب کبھی تمہیں دھوکا نہیں دوں گی"

"واہ کیوں معاف کر دوں؟" میں نے اب اُسے پیٹنا شروع کر دیا۔

"تم نے میرا سورج چرا لیا ہے۔ بھلا اتنا اندھیرا کبھی دنیا میں ہوا تھا! اور میرا پستول چھپا لیا ہے کہ میں کسی چور کو نہ مار سکوں۔ تمہیں کچھ خبر ہے کہ اس گھر کے کونے کونے میں کتنے چور چھپے بیٹھے ہیں۔ میں کس کس کو دیکھوں؟ یہ گھر ہے یا فلم اسٹوڈیو جہاں ہر وقت رومانی شاٹس فلمائے جاتے ہیں۔ نہیں ـــــ میں ایسے فضول ڈراموں میں کوئی پارٹ ادا نہیں کر سکتا۔

اچانک میری نگاہ اوپر گئی جہاں شیشے کے کیس میں بند کر کے مجھے رسی سے لٹکا دیا گیا ہے۔

"مجھے پھانسی کس نے دی ـــــ! میرے ٹکڑے تم نے کئے ہیں ـــــ میں تو اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا"

نمو زور زور سے چلانے لگی کیوں کہ میرے ہاتھ میں جو جو چیزیں آئیں میں نے اٹھا کر اسے مارنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جو بھی مجھے پکڑنے آیا وہ خود زخمی ہو کر بھاگا۔ آج میں سب کو مار ڈالوں گا سب کو شوٹ کر دوں گا۔ ایک بڑا سا پتھر اٹھائے میں سارے گھر میں چیختا پھر رہا تھا۔

www.taemeernews.com

"لوگو ـــ ذرا اس آدمی کی حالت دیکھو" نجمہ چلا چلا کر محلے والوں سے کہہ رہی تھی۔

"میں آج ہی ساری جائیداد اپنے نام کر لوں گی"

"ٹھیک ہے ابا کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا" امتیاز بھی کمرے سے نکل کر لڑائی میں حصہ لے رہا تھا۔

"اچھا! خبردار جو انہیں چھوا ـــ" نجمہ ہاتھ نچا رہی تھی ـــ "بڑے آئے ابا کی محبت کرنے والے۔ اپنے ساتھ انہیں لے جا کر سات سو کی پنشن پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ انہیں کوئی اس گھر سے نہیں لے کر جا سکتا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچوں کا یہی تو ایک سہارا ہے"

وہ سب اتنی زور زور سے لڑ رہے ہیں کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ میں بستر پھینک کر سوچتا ہوں کہ کیا واقعی امتیاز مجھے اس پرانے گھر سے لے جائے گا۔؟"

اس بات کی خبر اُس دوسرے "میں" کو نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اسے یہیں چھوڑنا چاہتا ہوں ان خونخوار لوگوں سے نبٹنے کے لئے۔

"چوں چوں۔ آؤ ہم تم کہیں بھاگ چلیں"

میں نے لڑائی کے ڈر سے سہمی ہوئی چوں چوں کو اٹھا کر کاندھے پر بٹھا لیا۔

"کہاں ـــ؟ کہاں جائیں گے ـــ!" وہ اپنی گڑیا اور اُسے نہلانے کی ننھی سی بالٹی پھینک کر میرے کاندھے پر بیٹھ گئی۔

"دور ـــ خوب دُور ـــ وہاں سورج کے پاس"

میں بڑے اطمینان سے پھاٹک کھول کر باہر آ گیا کیونکہ اس وقت وہ سب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ انہیں اپنے اپنے حصے کی دولت سمیٹنے میں اتنے حواس کہاں ہیں کہ ہمیں پکڑ سکیں۔

مگر اچانک میں بھول گیا کہ وہ لوگ آخر کیوں لڑ رہے تھے! شاید کوئی آدمی مر گیا ہے جسے وہ بہت چاہتے تھے۔ شاید سورج مر گیا ہے یا پھر میری پنشن مر گئی ہے۔

"ابا ابا" بھائی جان آپ کی پنشن کے لئے امی کو مار رہے ہیں" چوں چوں کہتی ہے۔

پنشن کے لئے ـــ!! اب میں کیا کروں؟ کہیں امتیاز اب مجھے بھی مارنا شروع نہ کر دے۔

www.taemeernews.com

"ابّا ابّا — آپ اپنی پنشن کو وہاں ندی میں پھینک دیجیے نا — پھر سب لڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔"

چوں چوں مجھے مشورہ دیتی ہے۔ پھر اچانک تالیاں بجانا شروع کر دیتی ہے۔

"ابّا ابّا۔ دیکھیے سورج ڈھل گیا، وہاں ندی میں چھپ رہا ہے — جلدی چلیے — ارے واقعی سورج ہے — اسے کسی چور نے نہیں چرایا۔ ہمیں دیکھ کر وہ جلدی جلدی پانی چھپ رہا تھا۔

"ارے ابّا ابّا — جلدی بھاگیے — وہ دیکھیے، امّی آپ کو پکڑنے آ رہی ہیں"

چوں چوں میرے کاندھے پر بیٹھی بیٹھی چاروں طرف کی اطلاعیں دے رہی ہے۔

ارے باپ رے باپ — میں اور تیز تیز بھاگنے لگتا ہوں۔ مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بیوی سے چھپ کر کہاں جاؤں — سامنے تو دور دور تک پانی ہی پانی ہے۔ چوں چوں، چلو اس پانی میں چھپ جائیں — پھر دیکھیں کوئی ہمیں کیسے پکڑتا ہے — ؟

www.taemeernews.com

کلچرل اکیڈمی

چاروں طرف کلچر کے تحفظ کا شور اٹھا تو میں نے اپنی جیبیں ٹٹول ڈالیں ۔ جانے وہ خط کہاں گیا تھا جس میں اوشا نے مجھ سے کلچر کے نام پر توجہ چاہی تھی ۔

اس خط کو اوشا نے اپنے مخصوص اسٹائل میں سجایا تھا ۔ اپنی قابلیت اور ذہانت کے تمام پہلو اجاگر کئے تھے ۔ دنیا کے بہت سے فلسفیوں کے حوالے دیئے تھے ۔ اور اس طرح ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ بات نہ سمجھ لوں جو وہ کہنا چاہتی ہے۔

کیوں کہ میری اور اوشا کی دوستی بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ حساس رشتوں پر قائم تھی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اوشا نے فلسفہ سے ڈاکٹریٹ کیا تھا ۔ اس لئے وہ بیچ بیچ میں فلسفہ لے آتی تھی اور میں یونیورسٹی میں لڑکوں کو پالیٹکس پڑھاتا تھا ۔ اس لئے اوشا سے بھی خوب سوچ سوچ کر بات کرنی پڑتی تھی ۔

ویسے اوشا بڑی خودسر اور خودمختار عورت تھی ۔ اُسے فرسودہ رسموں اور غیر ضروری اخلاقی پابندیوں سے بڑی نفرت تھی ۔ اس اظہار کے لئے وہ تعلیم یافتہ مردوں سے بڑی جلدی بے تکلف ہو جاتی تھی ۔ اُسے ذہین سائنٹسٹ، شاعر، ادیب اور دانشوروں کا ساتھ پسند تھا ۔ انھیں وہ اپنے گھر بلا کر شراب اور سگریٹ کی محفلیں جماتی تھی ۔ کبھی کبھی چھوٹے موٹے مشاعرے اور ادبی محفلیں بھی ہو جاتیں ۔ کبھی کبھی اوشا ایک خالص مفکر بن کر دنیا کے بڑے بڑے پریشان کن مسائل پر سب کو متفکر کر دیتی تھی ۔

اس نے اپنی شخصیت میں سے نسوانیت کے امتیاز کو کھرچ پھینکا تھا ۔ وہ جان بوجھ کر ایسے انداز اختیار کرتی جن سے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ عورت ہے ۔ اس کے باوجود جب بھی میں اوشا سے

 www.taemeernews.com

بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو جانے کیسے کھف لگا تکلف ابھرنے لگتا تھا ۔ گھبرا کے میں مزید انٹلیکچول بننے لگ جاتا کیونکہ جب دماغ بالکل خالی ہو جائے تو انسان کی یہی ایک پناہ ہے ۔

اب ہم یوں باتیں کرتے جیسے ہماری باتوں کے پیچھے غالب کے شعروں جیسے ہزاروں معنی پنہاں ہیں ۔ اوشا اپنی ذہنی سطح کو بہت بلند خیال کرتی تھی ۔ اس لئے معمولی کام اور معمولی باتیں اسے اچھی نہ لگتی تھیں ۔ اسی ڈر سے وہ خود شعر نہ کہتی تھی کہ کہیں کوئی معمولی شعر نہ کہہ دے ۔ کہانیاں اور ڈرامے نہیں لکھتی تھی کہ انہیں پڑھنے والے لوگ کہاں ہیں ۔ وہ سارتر اور کامیو کے سوا کسی کو ادیب نہ مانتی تھی ۔ ہمیشہ نت نئے رنگوں کے بے حد نفیس اور قیمتی کپڑے پہنتی ۔ اپنے سجے سجائے کاٹیج میں اکیلی رہتی تھی ۔ اوشا نے شادی نہیں کی تھی، اس کی وجہ تو ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم تھی، لیکن عام خیال یہی تھا کہ اوشا شادی کے بعد شوہر کی اجارہ داری کے خلاف ہے ۔

رفتہ رفتہ اوشا کے ہاں ہم سب آرٹ، سائنس اور ادب کے شیدائیوں کا جمگھٹا رہنے لگا ۔ شام ہوتے ہی ہم سب ادھر کا رخ کرتے ۔ اوشا کے دوستوں میں عورتیں کم تھیں ۔ وہ کہتی تھی کہ ابھی ہمارے ہاں عورت کے دماغ کی سطح بہت نیچی ہے ۔ ہر عورت گھر، محبوب، اور بچوں کے سوا اور کچھ نہیں سوچتی ۔ اسی لئے اوشا گھر، محبوب اور بچوں کے سوا ہر موضوع پر سوچتی ۔ بحث کرتی اور پڑھتی تھی ۔ اس کے گھر میں قیمتی اور نایاب کتابیں بھری ہوئی تھیں ۔ وہ ہر ہر موضوع پر پڑھ چکی تھی اور ہر مسئلے پر اپنی ایک انفرادی رائے رکھتی تھی ۔ ہم سب اس کی قابلیت سے سخت مرعوب تھے ۔ اکثر وہ شراب کے نشے میں اور سگریٹ کے دھویں میں گھری دنیا کے تمام حادثوں پر ہمارے ساتھ اداس ہوتی تھی ۔ اس نے اپنوں دوستوں سے یہ کبھی نہیں پوچھا کہ ہمارا گھر کہاں ہے ۔ شادی ہوئی ہے یا نہیں، کتنے بچے ہیں ۔۔۔ کیونکہ یہ باتیں اوشا کے لئے غیر اہم تھیں ۔ اس معاملے میں وہ بڑی وسیع النظر تھی بلکہ وہ تو ہر معاملے میں سخی نظر آتی ۔ اپنے گھر آنے والوں کی تواضع مہنگی شراب، قیمتی سگریٹ اور عمدہ کھانوں سے کرتی تھی ۔

میں اب دن بھر تھکا دینے والی مصروفیت کے بعد اوشا کے کاٹیج پہنچتا تھا تو یوں لگتا جیسے ریگستان سے نکل کر کشمیر میں آگیا ہوں ۔ اُدھر تو اوشا اتنی دریادلی دکھاتی تھی اور ادھر میرا یہ حال

www.taemeernews.com

تھا کہ عادی مجرموں کی طرح بظاہر تو بڑا بے فکر نظر آتا تھا مگر ایک ایک لمحہ کا حساب مجھے گیتا کو دینا پڑتا تھا ۔

"آج اتنی دیر کیوں ہو گئی ؟"

"کہاں چلے گئے تھے ۔۔۔ ؟ وہاں کیا کیا ہوا ؟"

گیتا میری جیون ساتھی تھی ۔ اس لئے وہ میری زندگی کے ایک ایک گھنٹے میں شریک رہنا چاہتی تھی ۔۔۔ اور پھر ۔۔۔ میں اوشا کے ہاں جانے کی تیاری کرتے وقت گیتا کے خیال کو بھی جھٹک دیتا تھا کیونکہ عام طور پر دانش ور اپنی باہر کی مصروفیتوں میں بیوی کے وجود کو نظر انداز کر کے اپنی ترقی پسندی کا ثبوت دیتے ہیں ۔

اسی لئے اوشا کے ہاں مجھے کبھی گیتا یاد نہیں آتی ۔ مگر آدھی رات کو جب میں نشے میں چُور گھر واپس آتا ہوں تو نیند میں مدہوش گیتا کا صحت مند بدن دیکھ کر مجھے اچانک گیتا پر پیار آجاتا ہے ۔ کبھی کبھی اوشا کو دیکھ کر [illegible] کیوں میں دوسری طرف دیکھنا بھول جاتا ہوں ۔۔۔ حالانکہ اوشا تیس پینتیس برس کی معمولی صورت شکل والی عورت ہے ۔ لیکن وہ جیسے طے کئے بیٹھی تھی کہ وہ دنیا کی غیر معمولی عورت ہے یا پھر ہماری نظریں اُسے کم خوبصورت ماننے کو تیار نہیں تھیں ۔ کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ اوشا اتنی بڑی مفکر ہے تو پھر وہ عورت نظر آنے پر اتنی توجہ کیوں دیتی ہے ۔۔۔ ؟ وہ جان جان کر بہت کُھلے گریبان والی چولی اور بہت تنگ پینٹ پہنتی تھی ۔ اس کی ساری کا پلو کبھی سینے پر نہیں ٹکتا ۔ سلیولیس بلاؤز اور گہرے رنگوں کی ساریاں اسے بہت پسند ہیں ۔ ہر آٹھویں دن وہ بالوں کو سیٹ کروانا نہیں بھولتی ۔ نہایت نفاست سے میک اپ کرتی ہے اور ایسے رنگوں کی ساڑیاں پہن کر ایسی خوشبو لگاتی ہے کہ ہر دن نئی نئی سی لگتی ہے ۔

اس کے باوجود اوشا کا اصرار تھا کہ مجھے عورت سمجھ کر مت ملو ۔"

پتہ نہیں ریاض ، صادق ، بشیر اور رام وغیرہ کا کیا حال تھا ۔ لیکن جب میں اوشا سے بات چیت کرتا تو مجھے اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا ۔ اس پر اوشا غصہ میں بھویں سکیڑ کر کہتی ،

" اب تم گھر جاؤ گوپال ، بیوی کا خوف تمہارا ذہن پر سوار ہو چکا ہے ۔"

www.taemeernews.com

"ایسی بات نہیں ہے اوشا۔۔۔ میں سوچتا جاتا۔۔۔" اصل میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ یو۔ این۔ او اور یاسر عرفات کا لب و لہجہ .....

"چلو بھئی اب اٹھو، نیند آ رہی ہے۔" بلبیر اوشا کی بندیا میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے کہتا۔

"ہاں بھئی، اب اٹھ جانا چاہیئے۔۔۔ بارہ بج گئے ہیں۔"

"مگر یاسر عرفات کے لب و لہجہ پر۔۔۔"

اور پھر ہم سب ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے۔

"گڈ نائٹ اوشا۔۔۔"

"گڈ نائٹ صادق، گڈ نائٹ بلبیر، گڈ نائٹ رام، گڈ نائٹ گوپال۔۔۔ اُف۔۔۔ تم لوگ میرے کمرے میں کتنی اسموکنگ کرتے ہو۔ دھوئیں کے مارے ساری رات میری آنکھیں جلتی ہیں۔" وہ کچھ اس انداز سے آنکھیں ملتی ہے جیسے گیتا میرے سفر پہ جاتے وقت کرتی ہے۔ ہم سب اونچے اونچے قہقہے لگاتے چورا ہے تک آتے ہیں جہاں ہم کاریں پارک کرتے ہیں۔ وہاں سے اوشا کا مکان صاف نظر آتا ہے۔

"ابھی بتی جل رہی ہے۔" ہم اپنی اپنی کاروں میں بیٹھنے سے پہلے ایک بار پھر اوشا کے روشن کمرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

"یار کیا اوشا ساری رات لائٹ بند نہیں کرتی؟" بلبیر بظاہر بڑی لاپروائی سے یہ سوال کرتا مگر ہم سب شیطان خالص مردانہ انداز میں قہقہے لگاتے تھے۔

رفتہ رفتہ ہم سب نے مل کر ایک کلچرل اکیڈیمی کی بنیاد رکھی۔ اس کی سکریٹری اوشا تھی۔ اور اس کا آفس اس کا کاٹیج تھا۔ اب اس کے پھاٹک پر "ڈاکٹر اوشا سنہا" کے علاوہ "کلچرل اکیڈیمی" کی ایک اور تختی ٹنگ گئی تھی۔

ہر مہینے اکیڈیمی کا ایک جلسہ ہوتا تھا جس میں کسی اہم مسئلے پر شہر کے دوسرے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جاتی تھی۔ کبھی کوئی آرٹسٹ آتا، سنگیت کار آتا۔

پتہ نہیں کون کون آتا تھا اور کیا ہوتا! ہمیں تو صرف اوشا کے ہاں بیٹھ کر اس کی آواز سننے سے

www.taemeernews.com

مطلب تھا۔ لیکن ہم سب دوستوں نے آپس میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے اوشا سے کسی خاص لگاوٹ کا یا دلچسپی کا اظہار ہوتا۔ کیوں کہ ہم سب نہایت اعلیٰ دماغوں والے عظیم لوگ تھے جو اپنی تقریروں میں، شعروں میں اور خیالوں میں ایک معاشرے کی تخلیق کرنا چاہتے تھے، جہاں عورت صرف دوست بھی ہو سکتی ہے۔

ہم سب دوستوں کا ایک ہی مقصد تھا۔

اپنے اپنے گاؤں میں ہم ابھی نویں دسویں کلاسوں میں تھے کہ ہمارے ماں باپ نے پیسے اور کھری ذات کی ہوس میں اپنے سے بہت اونچے زمین دار گھرانوں میں ہماری شادیاں کر دی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہم نے عورت کے بارے میں فرائیڈ سے کچھ سنا تھا اور نہ اردو شاعری پڑھی تھی اور اس وقت تک ہماری بیویاں تین چار بچوں کی مائیں بن چکی تھیں — پھر جب ہم سسرال کے پیسے سے یورپ کی بھاری ڈگریاں لے کر لوٹے تو ہمارے بچے ہائی اسکول کا امتحان دے رہے تھے اس لئے ہمارے دل کا ایک کونا بے حد سونا تھا — فیر آباد — کنوارا — یہ ہم سب دانشوروں کا المیہ تھا۔ اس لئے ہم اوشا کی دوستی کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مجھے تو بعض وقت یوں لگتا تھا جیسے اوشا بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ اگر وہ کسی دوسری یونیورسٹی میں چلی گئی تو کیا ہوگا —؟ ہماری کلچرل اکیڈیمی — ہمارے پیپرس — ہماری بحثیں —— اوشا کے کمرے میں پھیلا ہوا سگریٹوں کا دھواں اور ساری رات سلگتا ہوا اس کے کمرے کا تنہا بلب۔

پھر کلچرل اکیڈیمی میری جان کا روگ بن گئی۔ یوں جیسے ایک دن بھی اکیڈیمی کے آفس نہ گیا تو قیامت آجائے گی۔ اس مہینے اکیڈیمی کا جلسہ نہ ہوا تو ہندوستانی تہذیب کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ اوشا کہتی — اس بار میٹنگ کی صدارت کے لئے ہریندر ناتھ چٹوپادھیا کو بلانا چاہیئے اور بلیر پلین سے بمبئی کے دو دو چکر لگاتا۔ میں اِدھر اُدھر سفارشی خط لے کر دوڑتا۔ اور ہم اس ناممکن سوال کا جواب لئے اوشا کے حضور پہنچ جاتے۔

"دیکھا، اس بار کتنی کامیاب میٹنگ ہوئی ہے۔" اوشا یوں فخر سے کہتی جیسے سارا کیا دھرا اسی کا ہے۔ ہم سب خوشی سے کھل اٹھتے کیوں کہ ہماری کلچرل اکیڈیمی واقعی ادیبوں اور شاعروں

www.taemeernews.com

کی توجہ کا مرکز بنتی جا رہی تھی ۔

"اوشا! اب کے سیمنار کے انا گریشن کے لئے کا مریڈ ڈانگے کو بلوائیں گے ۔"

"ہشت!" اوشا نے اپنے لپ اسٹک لگے ہونٹوں کو سیکڑ کر کہا

"کلچرل اکیڈیمی پر کسی سیاسی پارٹی کا لیبل نہیں لگنا چاہیئے ۔"

اور دوسرے دن ہم سب اپنے اپنے دوستوں کے حلقوں میں یہ بات دہراتے تھے کہ کلچرل اکیڈیمی پر کسی سیاسی پارٹی کا لیبل نہیں لگنا چاہیئے ۔

لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ کلچرل اکیڈیمی پر بلبیر سنگھ کا لیبل نمایاں ہوتا جا رہا ہے ۔ کیونکہ ہر مہینے کی میٹنگ کا سارا کام بلبیر ہی نمٹاتا تھا ۔ ہر کام کی ذمہ داری اسی پر عائد کی جاتی تھی ۔ اسی لئے رات کو ہم سب اوشا سے رخصت ہوتے تھے تو وہ سب کو آنکھیں مل مل کر رخصت کرتی تھی سوائے ڈاکٹر بلبیر سنگھ کے کیوں کہ بہت سے دعوت ناموں پر نام لکھنا باقی رہ جاتا ، بجٹ نامکمل پڑا ہے ۔ جہاں خصوصی کا مسئلہ طے نہیں پایا ہے ۔ مجھے بلبیر کی طرف سے اس لئے بھی فکر رہتی تھی کہ اس کی منگیتر امرتسر کے کسی گاؤں میں اس کے خواب دیکھ رہی تھی ۔ اور بلبیر اکیلا خوب گاتا گنگناتا پھرتا تھا ۔ بیویوں سے آزاد مردوں پہ جو ایک زندہ دلی اور خوش مزاجی چھائی رہتی ہے ، بلبیر اس سے سرشار نظر آتا تھا ۔ جب کہ خود میرا چھوٹا سا دل تھا ۔۔۔ مصلحتیں ، جھوٹ اور تصنع مجھے چاروں طرف سے گھیرے رہتے تھے ۔

ایک رات جب بلبیر نے سب کے اٹھتے وقت کہا کہ ابھی آج کی ڈاک دیکھنا ہے تو میں نے فوراً کار کی چابی میز پر ڈال کر کہا ،

"تم سب جاؤ ۔۔۔ آج کی ڈاک میں دیکھ لوں گا ۔"

میں نے محسوس کیا کہ بلبیر کو میری بات اچھی نہ لگی ۔ اس نے اوشا کی طرف دیکھ کر نہایت مریل آواز میں پوچھا ،

"تو پھر میں جاؤں اوشا "

"گڈ نائٹ ۔۔" اوشا نے اٹھ کر بلبیر کا ہاتھ پکڑ لیا تو جیسے چھوڑنا بھول ہی گئی ۔

www.taemeernews.com

عالم، ریاض، صادق سب چلے گئے لیکن بلبیر اور اوشا کے قہقہے بڑی دیر تک پھاٹک پر سنائی دیتے رہے۔ پھر اوشا اندر آئی، بڑی خوش خوش۔

" بلبیر ہمیشہ بڑا مگن رہتا ہے " اس نے صوفے پر دھم سے بیٹھ کر سگریٹ نکالا۔

" ہاں ۔۔۔ آج کی ڈاک میں کوئی اہم بات نہیں معلوم ہوئی " میں نے بڑی مایوسی کے ساتھ ڈاک ایک طرف سرکا کے اوشا کی بات کا جواب دیا۔

" ابھی تو خوش رہتا ہے۔ مگر اس کے پتا شادی کے لئے بلا رہے ہیں ۔۔۔ آخر کب تک اکیلا رہے گا "

" یہ تو سچ ہے " اوشا نے منہ سے سگریٹ کا دھواں اگلا " کب تک اکیلا رہے گا بیچارہ "

" اور تم کیسے اکیلے رہ لیتی ہو " میں نے جانے کیسے آج یہ بات کہہ ڈالی۔

" میں ۔۔۔ ؟ " وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور میری طرف جھک کر بولی۔

" تم جو ہو ۔۔۔ تم سب ۔۔۔ دلی میں ممی اور پاپا ہیں، شکاگو میں بھیا بھابی، شملہ میں فیروز "

" فیروز کون ہے ؟ " میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا لیکن اوشا نے جس انداز سے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھٹکی تو میں سمجھ گیا کہ فیروز کون ہے۔

" اس کی بیوی شملہ کے کسی ریسرچ سنٹر میں کام کرتی ہے "

اوشا نے سگریٹ بجھا کے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

" اچھا " میں یوں مطمئن ہو گیا جیسے فیروز سے میرا مکمل تعارف ہو گیا ہو۔

" مگر ہے بڑی تنگ نظر عورت، بیچارے فیروز کی زندگی اجیرن کر دی ہے "

اور پھر میری زندگی اجیرن ہونے لگی۔ حالانکہ میں اپنی بیوی گیتا کے حسن اور سلیقے کی اٹھتے بیٹھتے داد دیتا تھا۔ اس کے باوجود اس کے دل میں میری طرف سے شک کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ پتہ نہیں کس چغل خور نے اس کے کان بھر دیئے تھے کہ اوشا سے میری عاشقی چل رہی ہے اب وہ میری نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اس نے صاف صاف کہہ بھی دیا کہ وہ اوشا کے ہاں میرا جانا پسند نہیں کرتی۔

www.taemeernews.com

"مت کرو تشا" میں نے غصہ میں کہا ۔ " میں بھی ہر بات میں تمہاری دخل اندازی پسند نہیں کرتا"
باہر جاتے وقت میں نے طے کر لیا تھا کہ اب دو تین دن تک گھر نہیں آؤں گا ۔ تاکہ گیتا کو
میری ناراضگی کا اندازہ ہو سکے ۔

شام کو میں منہ لٹکائے اوشا کے ہاں گیا تو وہاں پہلے سے منحوس صورت بلبیر موجود تھا ۔ اوشا بھی بڑی فکر مند سی نظر آرہی تھی ۔ پریشانی کے مارے اس نے شام ہونے کے باوجود نائیٹی اتار کے ساری نہیں پہنی تھی ۔ اور یوں ہی بیٹھی کہیں کہیں سے کھل جانے والے بدن کو ڈھانپ کر بلبیر کے سگریٹ سے سگریٹ سلگاتی رہی ۔

مسئلہ یہ تھا کہ بلبیر کے ماں باپ نے اسے بلا کر زبردستی اس کی شادی کر دی تھی ۔ لیکن اب اتنی جاہل لڑکی کے ساتھ بلبیر کی بسر کیسے ہو ؟ جو بلبیر کی کتابیں جلانے کی دھمکی دیتی تھی ۔
اوشا نے اس کے سامنے بہت سے حل رکھے ۔ گاؤں میں پٹک آؤ ۔ اسے چھوڑنے کی دھمکی دو ۔ پڑھانے کی کوشش کرو ۔

ایسی فضا میں میں اپنا مسئلہ کیسے چھیڑتا ۔ بس چپ چاپ کاغذ سامنے پھیلائے کلچرل اکیڈیمی کے مستقبل پر غور کرتا رہا ۔

شام کو گھر گیا تو گیتا اپنے میکے جانے کو تیار ہو چکی تھی ۔ بڑی خوشامدوں کے بعد اسے روکا ۔ میرے دل کی ساری گرہیں کھل چکی تھیں ۔ پھر بھی جانے کیوں میں گیتا کے ساتھ بندھا ہوا تھا ۔ شاید بچوں کا خوف ہو ۔ ادتم اب میرے ساتھ یونیورسٹی جانے لگا تھا ۔ واپسی میں وہ بشیر باغ کے چوراہے پر مجھ سے کہتا " پاپا ! مجھے یہاں اتار دیجئے ۔۔۔ میں گھر جاؤں گا ۔۔۔ اب آپ تو سکندر آباد جائیں گے نا ۔۔۔ ؟"

"ہاں ۔۔۔ نہیں تو " (میں سٹپٹا جاتا ۔ سکندر آباد میں اوشا رہتی تھی) " نہیں آج کلچرل اکیڈیمی کے آفس میں کوئی کام نہیں ہے ۔ میں جلدی گھر آجاؤں گا " سخت شرمندگی کے ساتھ میں کار اسٹارٹ کرتا تھا ۔

پھر اچانک بلبیر کلچرل اکیڈیمی سے غائب ہو گیا ۔ اوشا اسے بار بار یاد کرتی ۔ ہر شام اس کا

www.taemeernews.com

انتظار رہتا ۔ مگر وہ پھر نہ آیا ۔ کئی بار ہم نے دیکھا کہ وہ اپنی بہت ہی خوبصورت، تیز طرار بیوی کے ساتھ ڈالڈا کا ڈبہ تھامے کار میں سوار ہو رہا ہے ۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہی سے "ہیلو" پر اکتفا کر لیتا ہے ۔

اوشا نے بلبیر کا یہ انجام سُنا تو بہت غصہ میں آئی ۔

"کوئی تُک ہے کہ اتنا جینئس انسان اور ایک جاہل لڑکی کے اشاروں پر ناچ رہا ہے ۔ تم سب مرد باہر سے بڑے آزاد بنتے ہو، مگر ہو وہی قدامت پسند ۔" وہ ہم سب پر سگریٹ کا دھواں اُگل کر بولی ۔

چنانچہ میں نے اوشا کو اندر سے بھی ترقی پسند ہونے کا ثبوت دینا چاہا ۔

ایک شام جب میں اوشا کے ساتھ اکیلا بیٹھا پی رہا تھا تو اداسی جانے کہاں سے مجھ پر ٹوٹ پڑی ۔ اور میں نے روتے روتے خوش ہو کر بیٹھ کر اوشا کے پیر چھوتے ہوئے کہا،

"مجھے بچاؤ اوشا ــــ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں ــــ میں مر جاؤں گا ۔ گیتا مجھے دھیرے دھیرے زہر دے کر مار رہی ہے ۔"

اوشا چونک پڑی ــــ شاید اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ میری گھریلو زندگی میں کتنی تلخی گھلی ہوئی ہے اس لئے وہ میرے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی،

"سیدھے بیٹھو گوپال ــــ" اُس نے پاؤں سمیٹ کر مجھے صوفے پر بٹھایا اور پھر اپنے گلاس میں سے ایک گھونٹ لے کر بولی،

"تم سب مڈل کلاس کے مرد رونا جانتے ہو، خودکشی کر سکتے ہو، لیکن اتنی لیاقت نہیں رکھتے کہ جو عورت پسند نہیں ہے اس کے ساتھ رہنے سے انکار کر دو ۔"

میں نے بھی غور کیا کہ یہ تو بہت آسان کام ہے جو میں نہیں کر سکتا ۔ پتہ نہیں کیوں ہم اپنی بدمزاج، بدزبان اور جاہل بیویوں سے بندھے رہنا چاہتے ہیں ۔

اس رات تقریباً دو بجے مجھے سوتے سے اوشا نے اٹھایا ۔ میں جانے کب روتے روتے صوفے پر ہی سو گیا تھا ۔ وہ ابھی تک پیئے جا رہی تھی اور سگریٹ اس کے ہاتھ میں جل رہا تھا ۔ پھر اس نے میرا کوٹ اور کار کی چابی تھماتے ہوئے کہا ۔

www.taemeernews.com

"اب تم گھر جاؤ گوپال، گیتا کو نمک مرچ لا کر دو، ورنہ تمہاری چنڈالیا چیکی رہ جائے گی"

پندرہ دن کے بعد میں کلچرل اکیڈمی کے آفس پہنچا تو اوشا بہت غصہ میں تھی۔

"تم سب کے سب حد سے زیادہ لاپروا ہو۔ تم لوگ اپنے کلچر کے تحفظ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ کچھ ٹن رہے ہو! انڈیا میں فاشلیت طاقتیں آرٹ، سائنس، کلچر ہر چیز کو تباہ کئے ڈال رہی ہیں۔ ہمیں بھی تو اس موضوع پر ایک سیمنار کرنا چاہیئے"

بس آنے والی تباہی کے آثار اوشا کے چہرے پر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی ساری کا پیکلرنگ، میک اپ کے بغیر سونا چہرہ اور اس کے بدن کی جاگتی ہوئی جولانی ——— ہر چیز جیسے سونی پڑی تھی۔

"اب یہاں کوئی نہیں آرہا ہے۔ جانے سب کن کاموں میں مصروف ہیں۔ میں اکیلی تم لوگوں کے بغیر کیا کروں! آئندہ میٹنگ فاشزم کے خلاف کرنا ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔ آخر ہمارے کلچر ———"

میں نے دیکھا، اوشا بے حد اداس تھی۔

"کلچر کا تحفظ میں کروں گا اوشا" میں نے پہلی بار اس کے کاندھے پر سر رکھ کر اسے تھام لیا۔

"تمہیں معلوم ہے میرے ساتھ کیا ہوا ——— وہ گیتا نے خودکشی کر لی تھی۔"

"کیا ———؟" وہ اچھل پڑی اور مجھے دور ڈھکیل دیا۔

" اس رات میں تمہارے ہاں سے گیا تو گیتا میرے تکیئے کو سینے سے لگائے بستر پر سو رہی تھی۔ اس کے پاس میری جینز کا خالی گلاس رکھا تھا اور میری نیند کی گولیوں کی خالی ڈبیہ پڑی تھی"۔

"ارے ——— پھر ———؟" اوشا بے حد پریشان ہوگئی۔

"بس چند منٹ کی دیر ہو جاتی تو گیتا ختم تھی۔ اتفاق کی بات ہوئی کہ ہاسپٹل کے ایمرجنسی وارڈ میں ہر چیز تیار ملی" اس سے آگے کی بات مجھ سے نہیں کہی جا رہی تھی۔

"لیکن آخر کیوں ———؟" اوشا نے سگریٹ سلگایا۔

"کہتی ہے آپ میری طرف سے لاپروا ہوگئے ہیں۔ میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی"

میں نے بہت ہی رک رک کر کہا۔

www.taemeernews.com

سوچنے ۔۔۔۔ اوشا نے دھواں اگل کر نفرت سے منہ بنایا ۔

" یہ عورتیں شوہر کا ایک ہی مصرف سمجھتی ہیں کہ دن رات ان کے سامنے بیٹھا رہے ۔ ان کی بلا سے ساری دنیا میں آگ لگ جائے ۔"

" نہ صرف سامنے بیٹھے رہو بلکہ ان سے اپنے عشق کا اظہار بھی کرو ۔ ورنہ ان کا جینا بیکار ہے ۔" میں نے پہلی بار مسکرانے کی کوشش کی ۔

اوشا نے سگریٹ مسل کر ایش ٹرے میں ڈالا اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بہت ہی آہستہ سے پوچھا ۔۔۔ "کیا تم بھی گیتا کو چاہتے ہو گوپال !"

سگریٹ میری انگلیوں میں دبا کانپ رہا تھا ۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اوشا کی بات کا جواب انکار میں دوں ۔۔۔ مگر گیتا کی موت کا خوف میرے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا ۔ اگر گیتا مر جاتی تو ۔۔۔!؟ یہ بھیانک سوال ہر وقت میرے سامنے کھڑا تھا ۔ اوشا نے سر جھکا لیا جیسے اپنی بات کا جواب سن لیا ہو ۔۔۔ پھر آہستہ آہستہ جیسے اپنے آپ سے کہنے لگی ۔

"گیتا کتنی Sensitive ہے ۔ تمہاری اتنی سی لاپرواہی برداشت نہیں کر سکی ۔ تم نے اسے کوئی دکھ جو نہیں دیا ہے گوپال ۔۔۔ وہ بے چاری کیا جانے کہ مرنے کا وقت کب آتا ہے ؟"

میں سمجھ گیا کہ اوشا اب فلسفہ بگھارنا شروع کر چکی ہے ۔

دوسرے دن اوشا کا فون آیا ۔

"جلدی آؤ ۔ سبھدرا جوشی نے میٹنگ میں آنے کا وعدہ کر لیا ہے ۔ ان کا خط آیا ہے ۔"

مگر میں نہیں جا سکا ۔

تیسرے دن پھر اوشا کا فون آیا " اگلی میٹنگ کی تاریخ کیا ہوگی ؟"

میں نے وعدہ کیا کہ شام کو ضرور آؤں گا ۔ مگر شام کو تو اوتم کی برتھ ڈے تھی ۔ چوتھے دن ڈاک سے اوشا کا جو خط آیا اس میں اس نے کلچر کے نام پر میری توجہ چاہی تھی ۔ چنانچہ میں فوراً خوب صورت جملوں کی تلاش میں لگ گیا تاکہ فلسفہ اور شاعری میں ڈوبے ہوئے اس خط کا اتنی خوبصورت انداز میں جواب لکھ سکوں ۔

www.taemeernews.com

پانچویں دن اوشا نے مجھے پھر فون کیا۔

"آج مجھے بے حد زکام ہو رہا ہے گوپال۔ یونیورسٹی بھی نہیں گئی۔ سارے بدن میں شدید درد ہے۔ صبح سے میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔"

ہم شاپنگ کو جا رہے تھے۔ گیتا میرے پاس کھڑی تھی۔ اس وقت میں اوشا سے کیا کہتا! سوائے اس کے کہ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتیں ——؟

چھٹے دن جانے کون مجھ سے فون پر کہہ رہا تھا کہ اوشا مر گئی —— اس نے خودکشی کر لی۔ میں گھبرایا ہوا اس کے کاٹیج پہنچا۔

اوشا اپنے بستر پر اپنے ہی تکیے کو باہوں میں دبائے مر چکی تھی۔ اس کے سرہانے بیئر کا خالی گلاس رکھا تھا۔ پاس ہی نیند کی گولیوں کی خالی شیشی پڑی تھی۔ اور اس کے کمرے کا بلب جل رہا تھا——

مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ اپنے کلچر کے تحفظ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔

[redacted]

www.taemeernews.com

بند دروازہ

"دلی جا کر کہیں اپنے ہوش و حواس نہ کھو بیٹھنا!"

یہ بات چھوٹی سے پیارے نے کوئی دسویں بار کہی تھی۔

جیسے چھوٹی بالکل ہی سرن دیوانی ہے۔ وہ خود شہر نہ گئی تو کیا ہوا' اس کی دو سہیلیاں شہر میں بیاہی گئی تھیں۔ جب وہ میکے سے لوٹیں تو چھوٹی کی قابلیت میں شدید اضافہ ہوا تھا۔ ان کی نقل میں چھوٹی بھی کمر پر سے قمیص کو تنگ کرنے لگی تھی۔ اور خوربجے کے میلے سے پیارے اس کے لئے ناخن رنگنے کا رنگ لایا تھا۔ جنہیں ناخنوں پر لگانے کے بعد چھوٹی کی انگلیاں چم چم چمکنے لگی تھیں۔

وہ بستی کی فیشن ایبل بہو کہلاتی تھی۔ جو ہمیشہ پنڈلیوں پر منڈھا ہوا چست پاجامہ پہنتی تھی' بستی کی بجائے لاکھا جاتی اور شہر والیوں کے انداز میں آڑی مانگ نکال کر بال کانوں تک نیچے گرا دیتی تھی۔ ایسے بال پیارے نے ایک پرانے فلمی رسالے میں مس لیلا چٹنس کے دیکھے تھے اور فوراً اس نے یہ ہیئر اسٹائل چھوٹی کو دکھایا تھا۔

چھوٹی لیلا چٹنس سے کیا کم تھی! وہ تو کھلا ہوا گلاب تھی جس پر دس گاؤں کے جوان مرتے تھے۔ لیکن وہ بیاہی ہوئی تب اس کے ہوش و حواس پر پیارے چھایا ہوا تھا۔ یہ بات سارے گاؤں میں مشہور تھی کہ پیارے کا بیاہ اگر اس سے نہ ہوا ہوتا تو پیارے زہر کھا لیتا۔ وہ بھی گھر کے کنوئیں میں ڈوب مرتی۔

لیکن اتنی چاہت کے باوجود پیارے نے کبھی اپنے آپ کو شاہ جہاں نہ مانا کہ ممتاز محل کی آخری خواہش بن سکے۔ اس لئے چھوٹی کئی دن سے انتظار کر رہی تھی کہ پیارے اسے پیٹے۔ اس لئے اس دن سسر کے سامنے کھی کھی ہنسنے پر پیارے نے اسے رکابی کھینچ ماری تو اس نے اپنا بچاؤ نہ کیا بلکہ

www.taemeernews.com

بندر کے گھاؤ کی طرح اپنے زخم کو نوچ نوچ کر لہولہان کر لیا۔

پھر ہمیشہ کی طرح جب رات کو پیارے اسے منانے آیا تو جھٹ اس نے اپنی شرط پیش کر دی اور شاہ جہاں کو جھکنا پڑا۔

پھر جب نئی فصل کٹی تو چھوٹی کی زندگی میں وہ دن آئے جو پہلے کبھی نہ آئے تھے۔ گھر میں دس بھینسیں تھیں' فصل کے سارے پھل آتے تھے۔ اس کی سسرال میں کھانے پینے کی کمی رہتی۔ اس لئے چھوٹی سولہ برس کی عمر میں بیس بائیس برس کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے گالوں پر ایسے قدرتی گلاب مہکتے تھے جو گھنٹوں آئینے کے سامنے بیٹھ کر برش اور رنگوں کی مدد سے بھی شہر والیوں کو نصیب نہیں ہوتے تھے۔ اس کا بدن سونے چاندی کے زیوروں سے ڈھکا رہتا تھا اور اس کے لبوں پر پیارے کے پیار کے چراغ جلتے تھے۔

جبھی تو اس کی ساس پیارے کو بیوی کا مجنوں کہتی تھی۔

اس بار شہر دیکھنے کی بات چھوٹی نے یوں اٹھائی کہ پیارے کے ساتھ ساتھ اس کے ساس سسر بھی راضی ہو گئے۔ اور پورے گاؤں میں فخر کے ساتھ کہتے پھرے کہ ان کا بیٹا بہو کو سیر کرانے دلی لے جا رہا ہے جہاں پیارے کی پھپھو رہتی ہے۔

پھپھو کے یہاں پہنچ کر پیارے نے ناشتہ دان' صندوق اور گٹھریاں سنبھالیں

"دیکھ لو کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔ کوئی زیور' دیور۔"

چھوٹی نے ایک نگاہ خالی اسکوٹر پر ڈالی اور اپنے زیوروں کو گننا چاہا۔ لیکن کہاں تک گنتی؟ چلتے وقت اس کی ساس نے اسے سونے کی مورت بنا دیا تھا۔ وہ پہلی بار شہر جا رہی تھی اپنی پھوپھی ساس کے یہاں۔ اس لئے پیارے کی ماں نے سوچا' اس کی نند کا میاں چاہے کتنا ہی پڑھا لکھا اور کماؤ ہو' اس کی لڑکیاں لڑکے کتنا ہی پڑھ لکھ گئے ہوں لیکن میرا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں۔ اللہ کا دیا اس کے گھر میں سب کچھ تھا۔

لیکن وہ دونوں جب سامان سمیت اندر جانے لگے تو بڑے جھگڑوں سے نبٹنا پڑا۔ پہلے تو شیر کی صورت کے ایک خونخوار کتے نے ان کے لتے لے ڈالے۔ پھر ایک نوکر نے نہایت شستہ

www.taemeernews.com

انداز میں ضروری پوچھ گچھ کی ۔ اس کے بعد اندر پہنچے تو سامنے برآمدے میں تین چار لڑکے لڑکیاں کرسیوں پر بیٹھے تاش کھیل رہے تھے وہ سب پتے رکھ کر چونک پڑے اور بہت غور سے ان دونوں کو دیکھنے لگے ۔ چھوٹی نے غیر مردوں کو دیکھتے ہی اپنے سرخ ریشمی برقعے کی نقاب گرالی تھی ۔ لیکن پیارے کا لحیم شحیم بدن' سیاہ واسکٹ میں سجے سونے کے بٹن' اس کی سرخ مخمل کی کانپوری ٹوپی اور موچی کے ہاں بنے ہوئے بڑے بڑے مضبوط جوتے اور پھر سالار جنگ اول کی طرح چڑھی ہوئی مونچھوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر وہ سب حیران رہ گئے ۔ اتنی دیر میں پھوپھو نکل آئیں اور پیارے باہر کے قہقہوں کو بھول کر پھوپھو سے لپٹ گیا ۔ پہلے تو وہ جھجکیں' گھبرائیں' پھر اس کے پھوپھو کہنے پر بولیں'

"اچھا اچھا تم پیارے ہو؟ بسولی سے آئے ہو ۔ ماشاء اللہ کتنے بڑے ہو گئے ہو؟"

"بلکہ ضرورت سے بہت زیادہ!" باہر کسی نے دبی زبان میں کہا ۔ اور قہقہوں کا سیلاب پھر امڈ پڑا ۔

"ہاں تم کیسے آئے ۔ سب اچھے تو ہیں؟" باہر کے قہقہوں کو نظر انداز کر کے پھوپھو ساری کے پلو سے پنکھا جھلنے لگیں ۔ انھیں برقع پوش چھوٹی ابھی تک نظر نہ آئی تھی ۔ اور پیارے جھینپا جا رہا تھا کہ تین برس کی بیاہی بیوی کا پھوپھو سے کیسے تعارف کرائے ۔

چھوٹی میں بھی خود اتنی ہمت نہ تھی کہ پھوپھی ساس کو سلام کر لیتی ۔ وہ تو آنکھ بند کئے گردن جھکائے بیٹھی تھی کہ منہ دکھائی کی سلامی اور دعائیں لے تو آنکھیں کھول کر گھر دیکھے ۔ آخر پیارے نے بڑی جرأت کے بعد کہا'

"آگے آکر پھوپھو کو سلام کیوں نہیں کرتیں؟"

"کون ۔ وہ اچھا تمہاری دلھن بھی ساتھ آئی ہے ۔؟" پھوپھو نے گھوم کر پیچھے دیکھا اور مزید گھبرا گئیں ۔

"ہر قہ تو اتار دلھن ۔ تم لوگ ادھر کمرے میں چلے آؤ ۔ افوہ ۔ اتنی بہت سی گٹھریاں پوٹلیاں کیوں ساتھ لائے ہو ۔ آؤ اس کمرے میں بیٹھو۔"

www.taemeernews.com

جوتے اتارتے میں پیارے نے غور کیا کہ پھوپھو اب بالکل بدل چکی ہیں۔ وہ سفید وائل کی ساڑی پہنے تھیں اور بہت تنگ کھلی کمر والا بلاوز تھا۔ ان کے سفید بالوں کا جوڑا بندھا تھا — پھوپھو بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس کے باوجود ان کی چال ڈھال میں بہت تیکھاپن آ گیا تھا۔ چھوٹی میں چھپی ہوئی عورت کی چھٹی حس نے فوراً تاڑ لیا کہ پھوپھو ان کے آجانے سے بالکل خوش نہیں ہوئیں بلکہ بہت گھبرا رہی ہیں۔

"تم نے آخر ہمارا مکان کیسے ڈھونڈھ نکالا —؟" پھوپھو نے نہایت بیزاری سے ان کے سامان پر نظر ڈال کر ماتھے سے پسینہ پونچھا۔

لیکن پیارے کو اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ اتنی دیر ہو گئی اور پھوپھو نے ابھی تک اپنے بوڑھے بیمار بھائی کی خیریت نہیں پوچھی جو ابھی تک دن رات اس بات پر آنسو بہایا کرتا ہے کہ اس نے اپنی اکلوتی بہن کالے کوسوں شہر کے مفلس قلاش پڑھے لکھوں میں بیاہ دی۔

وہ انھیں اپنے کمرے میں بٹھا کر باہر گئیں اور ہنسنے والے لڑکے لڑکیوں کو چپ کرایا۔ پھر اپنے نوکر سے کچھ آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ کمرے میں آئیں تو ان پر بدحواسی طاری ہو گئی اور انھوں نے کرسی پر بیٹھ کر پوچھا۔

"یہ بتاؤ تم دلی کیوں آئے ہو؟"

"ویسی آ گئے۔ چھوٹی کا بہت جی تھا دلی کی سیر کرنے کو۔ اور پھر ابا نے کہا بہت دنوں سے پھوپھو کی کوئی خیر خبر نہ ملی ہے۔ سو ہم چل پڑے۔ کیا آپ کو ہمارا خط نہیں ملا؟"

"خط —؟ ہاں شاید ملا تھا۔" پھوپھو نے غیر یقینی لہجے میں کہا۔ پھر ان کی نظر چھوٹی پر گئی جو برقعہ اتار چکی تھی۔ ہائے اللہ! کیسی خوبصورت اور صحت مند لڑکی ہے۔ لیکن کتنے بے شمار زیور اس پر لدے ہوئے تھے — خدا کی پناہ۔

"پیارے تمہاری دلہن تو بہت خوبصورت ہے۔ لیکن اتنے زیور پہنا کے ٹرین کا سفر کیوں کیا آج کل زمانہ بہت بُرا ہے!"

"یہ سب اس کے اپنے ہیں۔ ابھی اور ہیں۔ گھر چھوڑ آئی ہے۔" پیارے نے بہت فخر سے کہا

www.taemeernews.com

" تم نے سنا پھوپھو، اب تو ہم نے کھیتوں میں ہل چلانے والا انجن خرید لیا ہے اور بھی اب تو پاروالی زیارت تک زمین اپنی ہو گئی ہے! اور وہ جو چمن سے ہمارا کنوئیں پر جھگڑا ہوا تھا نا..."

" میں ابھی آئی " پھوپھی اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ زمین اور کھیتوں کی باتیں پیارے کے دل میں مچل رہی تھیں اسے یقین تھا کہ پھوپھو بھی یہ ساری باتیں سننے کے لئے بیقرار ہوں گی۔ سنتے ہیں عورت چاہے کتنی ہی بوڑھی ہو جائے لیکن اُسے وہ کوّے بھی پیارے لگتے ہیں جو میکے کی طرف سے اُڑ کر آئیں۔

چھوٹی خالص گنوارن بنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

اتنی دیر میں ایک لڑکی اندر آئی۔ گوری دبلی پتلی سی۔ ایک بڑا سا بیگ ہاتھ میں لئے، اس کے ہونٹوں پر بہت گہری سرخی لگی ہوئی تھی اور بالوں کا ایک بڑا سا ٹوکرا بنا سر کے بیچ میں رکھا تھا۔ پیارے نے اسے غور سے دیکھا تو نظریں جھک گئیں۔ کیونکہ وہ شاید بلاؤز پہننا بھول گئی تھی اور صرف کالی چولی پہنے ہوئے تھی جس میں سے اس کی ننگی باہیں اور۔ اور۔۔ اس نے بہت دلچسپی سے پیارے اور چھوٹی کو دیکھا۔

" ہیلو۔۔ اچھا تو آپ لوگ آ گئے ہیں۔۔؟ امی ممی نے بتایا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں بیگ لئے بہت دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگی۔

" تم ربّو ہو۔۔؟ " اس نے بڑی شرمندگی سے کہا۔ کیونکہ اب وہ رعنا ہاشمی ایم اے ہو چکی تھی۔ اور اسے اپنے بچپن کا یہ نام بالکل یاد نہ رہا تھا۔ لیکن یہ نام سن کر اچانک اسے ایک اور بات یاد آئی۔ اس کی نانی " کہا کرتی تھی، ربو اور پیارے کی ٹھیکرے کی مانگ ہے۔

اس وقت اس بلکے پھلکے گنوار کو رعنا نے دیکھا تو اسے وہ بہت برا نہ لگا۔ لیکن پیارے نے دل میں سوچا " اللہ نے اسے کتنی بڑی بلا سے محفوظ رکھا ہے۔

" اچھا تو اب چل دیئے میرے کالج کی بس تو نکلنے جاتی ہے۔ شام کو آپ سے ملاقات ہو گی۔" وہ جانے لگی تو چھوٹی نے دیکھا، اس کی ساڑی اتنی تنگ تھی کہ چلتے وقت اس کے کولہے

www.taemeernews.com

انگ انگ متحرک رہے تھے۔ اچانک چھوٹی ہنس پڑی۔ پھر کئی لوگوں کو کمرے میں آتے دیکھ کر گھونگھٹ کھینچ لیا۔

یہ سب دالانڈے میں بیٹھ کر ان پر ہنسنے والے لڑکے لڑکیاں تھے۔ ان میں ایک لڑکی سنبلاتھی، رعنا کی چھوٹی بہن۔ اس نے نہ جانے کیسے خدا سے کپڑے کو اپنے بدن پر تان لیا تھا کہ وہ نہ تو اچھی طرح چل سکتی تھی نہ بیٹھ سکتی تھی۔ اس کے بال بھی چھوٹی بچیوں کی طرح کٹے ہوئے تھے۔ ان میں اصغر تھا۔ رعنا کا بڑا بھائی، دبلا پتلا، دھان پان، ابھی یورپ سے ڈاکٹری کی ڈگری لے کر لوٹا تھا۔ ہندوستان کے دیہات اور دیہاتیوں سے اسے بے حد دلچسپی تھی۔ اصغر اور اس کے دوست سب ہی سوکھے مارے تھے۔ انہوں نے نہ جانے کس کی پتلونیں چڑھا رکھی تھیں جو رانوں اور کولھوں پر چمٹ کر رہ گئی تھیں۔ یہ سب پیارے کے بہن بھائی اور ان کے دوست تھے۔ ان سب نے پیارے کی دلھن کو بہت غور سے دیکھا پھر اصغر نے کہا

"اجی پیارے صاحب! آپ تو اب سچ مچ زمیندار معلوم ہو رہے ہیں!"

"ہیں ہیں ہیں۔" پیارے نے فخر سے دانت نکوس دیئے۔

"یار تم نے دلھن کو زیور تو خوب پہنائے ہیں۔ کیا کہیں کھیتوں میں دفینہ مل گیا ہے؟" اصغر کے دوست اکرم نے پوچھا۔ اکرم کی نظریں چھوٹی پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اس کا بزنس کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ شہروں شہروں گرل فرینڈز ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ لیکن دہلی میں ایسا شاداب حسن کہیں دیکھنے کو بھی نہیں ملتا تھا۔

پیارے اور چھوٹی فخر سے ہنس پڑے۔ پیارے نے سوچا اب ان شہری چھوکروں سے کون کہے کہ میاں کھیتوں میں سونا اگانے کے لیے بڑے فولادی ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر اس نے ترس کھانے والی نظروں سے اصغر کی طرف دیکھ کر کہا،

"اور تم لوگ پڑھ کر بڑے صاحب بہادر ہی بن کر رہ گئے ہو۔ کیا شہر میں کھانے کو بھی نہیں ملتا کہ ایسے سوکھے کانٹا ہو گئے ہو؟"

لیکن چھوٹی کو یہ دبلے پتلے لڑکے بہت اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ دبلے ہوئے تو کیا ہوا،

www.taemeernews.com

انہوں نے بال کتنی اچھی طرح کاڑھے تھے۔ ان کے کپڑے کیسے اچھے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکا تو بار بار چھوٹی کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں یار تم بھی ناحق دلّی آئے"۔ اصغر نے کہا "یہاں تو بدن سے گوشت بھی نوچ لیا جاتا ہے"۔ اصغر نے ہنس کر اکرم کی طرف دیکھا۔

"چھوٹی کا دل بہت تھا دلّی دیکھنے کو۔ زبردستی لے آئی"۔

"اچھا تو اصغر بھائی آپ انھیں دلّی کی سیر کرا دیجئے۔ کچھ پکچر وغیرہ بھی دکھائیے"۔ شکنجے میں کسی ہوئی لڑکی نے اپنے بھائی سے کہا۔

"آپ لوگوں کو دلّی ہم دکھائیں گے!" اصغر کے دوست اکرم نے کہا۔

اکرم نہ جانے کونسا بزنس کرتا تھا اصغر کو کبھی اچھی طرح معلوم نہ ہو سکا۔

وہ تو ہر وقت خوب صورت لڑکیوں میں گھرا رہتا تھا۔ یہاں بھی آتا تو اصغر سے زیادہ اصغر کی بہنوں میں دلچسپی لیتا تھا۔

"ارے یار تم لوگ گاؤں سے آئے ہو تو کچھ گھی وغیرہ لاتے"۔ اصغر نے کہا۔

"لائے تو ہیں"۔ چھوٹی جھٹ پٹ اپنے بچھونے اور جھانجن بجاتی اٹھی اور گٹھریاں کھولنے لگی۔

"اماں نے آپ کے لئے یہ سوغات بھیجی ہے"۔ چھوٹی نے سو روپے کا ایک نوٹ، سرخ چنری، گھی کی ایک ہانڈی، گڑ کی ایک بھیلی چھوپھو کی طرف سرکائی۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ رات کو سب گھر والے تو پیارے اور چھوٹی گھر میں گھل مل چکے تھے۔ بلکہ اصغر، رضا، شہلا کے باہر جانے کے بعد اکرم سارا دن ان کے ساتھ رہا تھا۔ دلّی کی ساری تعجب خیز چیزوں کے بارے میں انھیں بتا چکا تھا۔ اب تو شہلا کے بدن پر منڈھی ہوئی قمیص، رضا کا چولی نما بلاؤز، فیتے سے بجنے والا گراموفون اور چھوپھو کا فیشن میں ڈوبا ہوا بڑھاپا ہر چیز چھوٹی کے لئے پرانی ہو چکی تھی۔

پیارے بھی اپنی دولت اور بہادری کے قصے سب کو سنا سنا کر کافی مرعوب کر چکا تھا۔ خصوصاً رضا کو تو پیارے کسی فلم کا ہیرو معلوم ہو رہا تھا۔ کیونکہ معاشیات میں ایم۔ اے کرنے کے باوجود

www.taemeernews.com

اسے ابھی تک کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی کے افسانوں والی دیہات کی رومانی فضائیں بہت پسند تھیں۔ اور پیارے کسی ایسی ہی کہانی کا دلیر اور معصوم ہیرو معلوم ہوتا تھا۔ اصغر کا دوست اکرم بھی ان دیہاتیوں کی سادگی کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے پیارے کو شہر کے پھیکے اور بدمزہ سگریٹ پلائے۔ چھوٹی کو کیڈبری چوکلیٹ کھلائے جن کی انگریزی خوشبو سے چھوٹی کو ابکائی آ گئی۔ لیکن وہ کسی طرح نگل گئی کیونکہ وہ اکرم کی پرکشش باتوں کے سحر میں کھو چکی تھی۔ اکرم نے انھیں ایٹم بم اور خلائی مسافروں کے چاند پر پہنچنے کے قصے سنائے اور ہوائی جہاز کی کمپنی کے اس طلسمی پھاٹک کا ذکر کیا جو خود بخود کھلتا اور بند ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر چھوٹی بے تاب ہو گئی کہ اس دروازے کے اندر گھس کر دیکھے۔ اکرم کی باتیں سننے میں اس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا اور وہ پلک جھپکائے بغیر اکرم کی صورت تکے جا رہی تھی۔ جب کبھی پیارے اس کی کسی بات پر ہلکا سا اختلاف کرنے کی کوشش کرتا تو چھوٹی اسے جھڑک دیتی۔

"تم کیا جانو یہ باتیں، بھیا کو بات تو پوری کر لینے دو۔"

اس کے دل میں اور بھی بہت سی باتیں اٹھتیں کہ تم جاہل گنوار بھلا پڑھے لکھوں کے بیچ میں بیٹھ کر بول سکتے ہو۔ لیکن وہ یہ بات پیارے سے نہ کہتی۔

یہ دیکھ کر چھوٹی پر صبح جو دہشت سوار ہوئی تھی وہ کچھ کم ہو گئی۔ اور انھیں اپنے میکے والوں پر اتنی شرم نہ آئی کہ وہ نوکروں سے منھ چھپاتی پھریں۔

پھر بھی انہوں نے پیارے کو سمجھا دیا کہ یہاں بالکل ہی گاؤں کے للّو مت بن جانا اور بیوی کو بھی ہر ایک سے پردہ کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ گھر میں سب اس کے اپنے ہی ہیں۔ اصغر، رعنا اور شہلا دہلی کی نئی تہذیب میں پوری طرح رنگ چکے تھے اور پیارے کے آنے سے پہلے انھیں بالکل یاد نہ رہا تھا کہ ان کی ممی یو۔ پی کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہنے والی ہیں اور ان کے ماموں ابھی تک کھیتوں میں کھڑے کام کرتے ہیں۔

دوسرے دن صبح ہی اکرم انھیں دلّی دکھانے ٹیکسی میں لے کر چلا تو اس نے چھوٹی سے پوچھا "پہلے یہ بتلائیے کہ آپ یہاں کیا کیا دیکھنا چاہتی ہیں؟" جس وقت وہ چھوٹی سے کچھ کہتا

www.taemeernews.com

تو اس کے بالکل قریب آجاتا تھا۔ اس کی نگاہیں چھوٹی کے گلابی شاداب چہرے سے کسی طرح نہ ہٹتی تھیں۔

" ہم تو سب سے پہلے حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ شریف جائیں گے۔" چھوٹی نے سر پہ پلو سنبھال کر کہا۔ ۔۔۔ اصل میں تو اس درگاہ پر حاضری ہی دینے کیلئے وہ دلی آئی تھی۔ بیاہ کو تین برس ہو گئے۔ جب بھی کوئی اس کی خالی گود پہ ٹوکتا تھا تو چھوٹی کو اسی درگاہ کا خیال آجاتا تھا جیسے اس کی گود وہیں سے بھرے گی۔

" بس ۔۔۔؟ لیکن آپ لوگ تو دلی کی سیر کرنا چاہتے تھے؟"

" ہاں ۔۔۔ اور وہ خود بخود کھلنے بند ہونے والا دروتجر (دروازہ)!" چھوٹی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

" اری پاگل وہ بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہے۔ گدھی کہیں کی!"

پیارے نے اسے ڈانٹ دیا۔ اور پھر بہت فخر سے اکرم کی طرف دیکھا۔ سنئے لوگوں کے سامنے بیوی کو جھڑکنا اور اس کی بے عزتی کرنا اس کی روایت میں شامل تھا تاکہ لوگ اسے بالکل ہی جورو کا غلام نہ سمجھ لیں۔

" اکرم بھائی بھلے کیا دھرا ہے اس بند دروجے میں! سسری کو اسی دروجے میں بند کر جاؤں گا!"

پھر وہ ہنسنے لگا۔ لیکن اکرم نے اس کی ہنسی کا ساتھ نہ دیا۔ چھوٹی بھانپ چکی تھی کہ اکرم کو اس کی مرضی کا بہت خیال رہتا ہے۔ اور وہ صرف اسی بات کو ترجیح دیتا ہے جو چھوٹی چاہتی ہے۔

وہ تینوں آگے بڑھے تو چھوٹی کے بچھوؤں اور جھانجھنوں کی آواز نے راہ چلنے والوں کو چونکا دیا۔ بچھوؤں اور جھانجھنوں کی آواز کے ساتھ ان کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی۔ سرخ برقعہ کے اندر سے ہرے ساٹن میں منڈھی ہوئی جوان پنڈلیاں چمک رہی تھیں۔ اور وہ ایک ایک پیر میں سیر سیر بھر چاندی بجاتی، سیاہ سلیپر گھسیٹتی چلی جا رہی تھی۔ دلی کی سڑکوں پر چلنا بھی کھیل تھوڑی ہے خصوصاً اس صورت میں جب نقاب میں سے جالی کی صرف دو آنکھیں کٹی ہوں ان کا فوکس بھی لپائیں جھپائیں چلنے میں الٹ پلٹ جاتا تھا اور وہ کبھی گرتے گرتے اکرم کو پیارے سمجھ کر لپٹ جاتی تھی کبھی کوئی اسکوٹر چلانے والا اس کی ماں بہنوں سے اپنا رشتہ ملاتا گذر جاتا تھا۔

نظام الدین اولیا کے مزار پہ پہنچ کر تو مارے عقیدت کے چھوٹی کانپنے لگی۔ اس کے آنسو

www.taemeernews.com

کسی طرح نہ رُکے۔ وہ سڑک ہی پر سے مٹی اٹھا کر آنکھوں سے ملنے لگی۔ پیارے بھی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، گردن جھکائے منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگا۔ اکرم نے اس کی یہ عقیدت دیکھی تو پیارے سے کہا "تم سامنے والے دالان سے اندر جاؤ۔ عورتوں کا راستہ اُدھر ہے۔ میں چھوٹی کو پہنچا دوں گا۔"

"ہونہہ ہونہہ" پیارے نے آنکھیں بند کئے ہوئے رضامندی ظاہر کی۔ وہ اب سر سے پیر تک آنسوؤں میں ڈوب چکا تھا۔ دلّی آنے کے لئے سیر و تفریح کا تو ایک بہانہ تھا۔ اصل میں تو اسے نظام الدین اولیا سے بہت کچھ کہنا تھا۔ باپ کی طویل بیماری، اپنی خالی گود، ندی کے پار والے کھیتوں کا مقدمہ اور — اور آگے خواہشوں کا ہجوم تھا۔ وہ کیا کیا سُنائے! کیسے سنائے؟ میرے حضرت، میرے مولا، پھر وہ مزار کے آگے گر گیا۔ نہ جانے کب تک روتا رہا۔ کیا کیا کہتا رہا۔ اس کے سامنے ایک بزرگ آئے۔ سفید کپڑے پہنے اور کہا "جا دروازے کھل گئے ہیں"۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ یہاں نہ جانے کتنی دیر تک بیٹھا رہا یا سوتا رہا۔ آنکھیں مل کر اس نے حضرت کو پھر سارے وعدے یاد دلائے اور الٹے پیروں باہر آیا۔

اکرم اور چھوٹی نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ "اکرم بھائی — ارے اکرم بھا آئی؟"

وہ اتنی زور سے چلایا کہ وہاں سونے والے فقیر اٹھ گئے۔ کئی لوگوں نے اس طرح چلّانے پر ڈانٹ دیا۔ پھر اندر سے ایک بوڑھا آدمی تسبیح لئے باہر نکلا اور بولا،

"تم انھیں ڈھونڈ رہے ہو جو ایک کالے پتلون والے صاحب تمہارے ساتھ آئے تھے سرخ برقعہ والی عورت کو لے کر۔!"

"ہاں ہاں" پیارے نے جلدی سے کہا۔

"اچھا تو وہ تمہارا انتظار کر کے کہیں چلے گئے ہیں۔ وہ عورت تو جانے کو تیار نہ تھی لیکن وہ صاحب زبردستی لے گئے۔"

"اچھا اچھا — اکرم بھائی بندر روڈ کی سیر کرانے لے گئے ہوں گے" — پیارے مطمئن ہو گیا۔

"اکرم بھائی نے یہ اچھا کیا، وہ بے چارے کب تک یہاں کھڑے ہو کر میرا انتظار کرتے۔ لیکن اس

www.taemeernews.com

گنوارن کو سیر کروانے میں نہ جانے اکرم بھائی کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی !"

یہی سوچتا وہ پھوپھو کے ہاں پہنچا ۔ دروازے پر آیا ہے تو مسجدوں میں اذان ہو رہی تھی بہت دیر کی بحث کے بعد نوکر گیٹ کھولنے پر رضامند ہو گیا ۔ اندر گیا تو سب پڑے سو رہے تھے ۔ کمال ہے بھئی ۔ اذان ہو رہی ہے اور کوئی نماز کو نہیں اٹھا ۔ پیارے سخت حیران تھا اور چھوٹی نہ جانے کہاں مری تھی ' کیا شہر آکے وہ بھی نماز پڑھنا بھول گئی ۔ ویسے بھی گاؤں میں تو اذان کے ساتھ ہی صبح ہو جاتی ہے ۔ اتنی بڑی کوٹھی میں چھوٹی کو تلاش کرنا بہت مشکل کام تھا ۔ اور کہیں پھوپھو دیکھ لیں کہ وہ بیوی کے لئے اتنا بے قرار ہے تو کتنی شرم کی بات ہوگی ۔

خیر نماز کے بعد دعائیں پڑھنے بیٹھ گیا ۔ سات بجے لوگ اٹھے ۔۔۔ پھر گھر والے ۔۔۔ پیارے کی نظریں چاروں طرف چھوٹی کو ڈھونڈ رہی تھیں ۔ کیونکہ بیاہ کے بعد اس نے ہمیشہ چھوٹی کے منہ پر سورج دیکھ کر آنکھیں کھولی تھیں ۔

آٹھ بجے پھوپھو نے اسے کھانے کے کمرے میں بلایا ۔ وہاں سب تھے اکرم اور چھوٹی کے سوا ۔

" کہو بھئی ، دلّی کی سیر کر لی ؟" رعنا بہت دلچسپی سے اس کے پاس والی کرسی پر آ بیٹھی ۔

" ہاں اکرم ۔۔۔ لیکن اکرم بھائی کہاں ہیں اور وہ ۔۔۔" پیارے شرما گیا ۔

" اکرم ۔۔! اکرم روز کہاں آتا ہے ۔ کہیں چلا گیا ہوگا ۔" اصغر نے اخبار سے نظریں ہٹا کر کہا ۔

" اور چھوٹی ۔۔؟" پیارے اچانک گھبرا گیا ۔

" چھوٹی ؟ چھوٹی رات کو تمہارے ساتھ نہیں آئی ؟"

" ارے ؟" اچانک پھوپھو ، اصغر ، رعنا اور شہلا سب ہی پریشان ہو گئے اور ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے ۔

" کیوں کیا بات ہے ؟" پیارے اٹھ کھڑا ہوا ۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور آنکھیں چھلک اٹھی تھیں ۔

" کچھ نہیں " ۔۔۔ پھوپھو چائے کی پیالی رکھ کر کھڑی ہو گئیں ۔۔۔ " پیارے تم نرے گنوار ہی ہو ۔ بھلا اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ تم نے کیوں کر دیا ۔۔۔؟"

www.taemeernews.com

"پھر — پھر کون اکرم بھائی بھتے ساتھ میں؟" اس نے پھر آنکھیں پونچھ کر کہا۔

"یا اللہ — اصغر اٹھو کچھ کرو نا بھئی" پھوپھو بے قراری سے ٹہلنے لگیں۔ "اکرم سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے پیارے۔ یہاں دلّی میں ایسے ہی اجنبی دوست بن جاتے ہیں۔"

"ابھی چل کر طلسمی دروازے کے پاس دیکھ لیتے ہیں۔ وہ لوگ وہیں میرا انتظار کر رہے ہونگے" اتنی دیر میں اصغر نے نہ جانے کہاں کہاں فون کر ڈالے۔ پھر رضا اپنے کسی دوست کی کار لے آئی۔

"کیا چھوٹی اپنا سب زیور بھی پہن کر گئی تھی؟" پھوپھو نے پوچھا۔

"ہاں وہ تو تھوڑا سا زیور ہے ابھی تو اس کے پاس بہت سا گہنا ہے" پیارے نے کہا۔

"یہ دلّی ہے پیارے، اتنا سونا پہنا کر یہاں کیوں لائے اور پھر اس لفنگے کے حوالے کر دیا!"

پھوپھو بے حد تشویشناک لہجے میں بات کر رہی تھیں — "اب ہم کیا کریں؟"

"چلئے، ایرپورٹ اور اسٹیشن پر دیکھیں گے!" رضا نے اپنے قریب پیارے کو بٹھایا اور کار اسٹارٹ کی۔ پیارے کا دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا۔ دل ہی دل میں اس نے سارے نبیوں اور بزرگوں سے چھوٹی کی خیر چاہی۔ پھر منصوبے بنانے لگا کہ آج رضا کے سامنے چھوٹی کی لاتوں سے خبر لے گا۔

رضا نے اسے ایک جگہ کھڑا کیا اور خود کسی طرف چلی گئی۔ اتنی دیر میں پیارے نے وہاں سے گزرنے والے ہر شخص سے پوچھا کہ انہوں نے سرخ برقعے والی کسی عورت کو دیکھا ہے؟

تھوڑی دیر بعد رضا واپس آئی تھکی ماندی — اداس صورت لئے۔

"کیا ہوا؟" دل میں ہزاروں اُمیدیں سنبھالے پیارے نے پوچھا۔ اس کے دل میں سینکڑوں کواڑ کھل کھل کر بند ہو رہے تھے۔

"دروازہ بند ہو چکا ہے" رضا نے آہستہ سے کہا اور پیارے کی باہیں پکڑ کے اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان کے آگے آگے ایک ایسی سڑک چل رہی تھی جس کا کوئی اور چھور پیارے کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

www.taemeernews.com

اسکوٹر والا

اکیلے گھر میں ہر طرف عابدہ کو پراسرار سرگوشیاں سنائی دیتیں۔
منے کو کاندھے سے لگائے ٹہلتے میں جانے کیا سوچا کرتی تھی۔ کبھی اس کا جی چاہتا کہ وہ سامنے دیوار پر بیٹھی ہوئی چڑیا بن جائے اور دیکھے کہ دوسرے گھر میں وائلن پر کون گیت گا رہا ہے۔ کبھی اسے خیال آتا کہ وہ منے کی طرح ایک سال کی بچی بن کر پھر سے زندگی شروع کرے تو کیسے؟ اب وہ سسرال کا بھرا ہوا گھر چھوڑ کر پہلی بار الگ ہوئی تھی تو تنہائی اسے کاٹنے کو دوڑتی۔ مگر اپنے میاں اور بچے کے ساتھ اپنا گھر بسانے کا جو چاؤ تھا وہ پورا ہوا — پھر جانے کیوں اسے یہ ڈر بھی لگتا تھا کہ اس کی جٹھانی جلن میں منے کو زہر ہی نہ دے دے۔

نئے گھر میں ابھی تک کوئی نوکر نہ ملا تھا اور پھر منا بھی اتنا چھوٹا تھا کہ وہ گھر کا کام کاج بالکل نہیں کر سکتی تھی۔

یہی باتیں سوچتے سوچتے اس نے منے کو سلا دیا۔

آج وہ بہت تھک گئی تھی — طویل بخار اور کھانسی کی وجہ سے منا دن کو چین سے سوتا تھا نہ رات کو — محسن کو آفس جانے سے پہلے منے کو سنبھالنا پڑتا تھا۔ تب عابدہ ناشتہ تیار کر لیتی تھی۔ منے کو سلانے کے بعد عابدہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ اتنے سارے کاموں سے کیسے نپٹا جائے! کھانا بنانا تھا۔ منے کے کپڑے دھونا تھے۔ گھر صفائی اور — اور بھی جانے کیا کرنا تھا —— باتھ روم میں جا کر اس نے بھیگے کپڑوں کا جیسن اٹھایا تھا کہ کھڑکی کے نیچے سے کوئی اسکوٹر والا شور مچاتا تیزی سے گزر گیا اور منا پھر آنکھیں کھول کر رونے لگا۔

"اونہہ — جانے کون منحوس تھا — سوتے میں بچے کو جگا گیا۔

www.taemeernews.com

وہ پھر بچے کو کاندھے لگا کے ٹہلنے لگی ۔ اس کی ساس ٹھیک ہی تو کہتی تھی کہ اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ اکیلے گھر میں رہنا بڑا مشکل ہوگا ۔

تھوڑی دیر بعد منے کو سلا کر وہ کچن میں بھاگی کہ پہلے کھانا تیار کرے ۔

ایک بجے تک بہت سے کام ہو چکے تھے ۔ صرف عابدہ کو کھانا کھانا تھا کہ پھر ایک اسکوٹر مچاتا ہوا آیا ۔ منا اٹھ چکا تھا اور کچی نیند سے جگائے جانے پر احتجاج کر رہا تھا ۔ عابدہ کا دل چاہتا تھا کہیں سے اسے بھی ایک اسکوٹر مل جائے تو وہ اس اسکوٹر کا تعاقب کر کے خوب لڑے ۔ بالکل فلمی ہیروؤں والی لڑائی ۔ پوری سڑک چھوڑ کے کم بخت اس کھڑکی کے نیچے سے کیوں گزرتے ہیں ۔ عجیب فضول محلہ ہے ۔ اس کی سسرال والا گھر بڑے سکون محلے میں ہے ۔ منا وہیں پیدا ہوا تھا اس لئے ذرا سا بھی شور برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔

مگر اس کے گھر کے ہر کمرے کی کھڑکی سڑک پر کھلتی تھی اور سڑک بھی اتنی پتلی سی تھی کہ سارے پھیری والے عابدہ کی کھڑکیوں میں منہ اڑا کے صدا لگاتے تھے ۔

دو دن میں ہی عابدہ اس محلے سے بخوبی واقف ہو چکی تھی ۔ ٹھیک دس بجتے ہی پھیری والے آنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ سبزی والا ایک بجے آتا ہے ۔ چار فقیر تو سے گیارہ تک آتے ہیں ۔ لیکن ایک نہایت چیختی بڑی آواز والا فقیر رات کو ٹھیک اس وقت آتا ہے جب منا ہزار نخروں کے بعد سو جاتا ہے ۔

ادھر اسکوٹر والے نے الگ جان کھائی تھی ۔ صبح دس بجے جب منا سوتا تھا وہ جگا کے چلا جاتا دوپہر میں ایک بجے جب عابدہ منے کو دودھ پلا کے خود بھی سونے کی کوشش کرتی تھی وہی اسکوٹر والا پھر دندناتا ہوا آجاتا تھا ۔ اسکوٹر چلنے اور رکنے کی آواز سے عابدہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے گھر سے دو تین مکان آگے جا کے رک جاتا ہے ۔ یعنی وہ عابدہ کا کوئی پڑوسی ہے جو بڑی پابندی سے اسے ستانے پر تلا ہوا ہے ۔ منے کو دوبارہ سلاتے میں خواہ مخواہ اسکوٹر والا عابدہ کے دماغ پر سوار ہو جاتا تھا ۔ بے چارہ اپنے آپ کو بڑا ہیرو سمجھتا ہوگا جو یوں چیختا چلاتا ہوا آتا ہے مگر ہے بڑا ندیدہ ۔ ایک بجتے ہی آفس چھوڑ کر کھانے کے لئے بھاگا ہوا آتا ہے ۔ جانے کونسا آفس ہے جو گھر جانے کی چھٹی مل جاتی ہے ۔ یہاں تو منا چاہے کتنا بیمار ہو مگر محسن

www.taemeernews.com

وقت سے پہلے کبھی گھر نہیں آسکتے۔ اور وہ اسکوٹر والے نواب صاحب واپس ہوتے ہیں کبھی دو بجے کبھی ڈھائی بجے ــــ ممکن ہے کھانے کے بعد قیلولہ بھی کرتے ہوں۔ شاید نئی نئی شادی ہوئی ہے جبھی بیوی کے دیدار کے لئے یوں طوفانی اسپیڈ سے بھاگے ہوئے آتے ہیں۔

شادی کے بعد شروع دنوں میں محسن بھی تو پانچ کی بجائے چار بجے ہی آجاتے تھے۔ لیکن منّا کیا ہوا کہ سارا رومانس ہی ختم ہوگیا۔ اب دن نکلے تو وہ دونوں منے کی شرارتوں میں کھو جاتے۔ رات ہوتی تو منے کو سلانے جگانے کی مصروفیت ہوتی۔ صبح آفس جانے سے پہلے محسن کی تیاری میں کسی بات کی فرصت ہی نہ تھی' اس لئے عابدہ کی طرف توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ اور وہ منے کو ٹاٹا کرکے گھر سے نکل جاتا تھا۔ مگر اسکوٹر والے کی بیوی اسے بار بار روکتی ہوگی کہ ابھی تو دو بجے ہیں۔ ابھی سے آفس جاکے کیا کروگے۔ البتہ چھٹی کے دن بڑا دھن رہتا تھا۔ وہ کم بخت اسکوٹر والا نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر کیوں نکلے گا چھٹی کے دن۔ اللہ کرے کم بخت کے چھ سات بچے ہوجائیں تب پتہ چلے اسکوٹر چلا کر شور مچانے کا۔

جانے کیوں وہ اسکوٹر والا عابدہ کے ذہن پر سوار رہنے لگا تھا۔ اسکوٹر والے کی شوخ و شنگ دلہن عابدہ کی نظروں میں بس گئی تھی۔ گہرا گہرا میک اپ کئے' جھلملاتے ہوئے کپڑے پہنے' سرخ چھردلی کے اندر مسہری پر لیٹی رہتی ہوگی۔ ممکن ہے اب اس نے کھانا میز پر لگا دیا ہوگا۔ اس کا دولھا وقت کا پابند جو ٹھہرا ــــ دوپہر ہوتی تو عابدہ کو نہ تو اب شام کا انتظار رہتا جب محسن آفس سے آتا تھا نہ کھانے پکانے کے ہوش رہتے۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی پر جاتی تھیں کہ کب ایک بجے اور اسکوٹر والے کی پھٹ پھٹ سنائی دے۔ جب تک وہ گزر نہ جاتا تھا عابدہ سخت مضطرب سی رہتی۔ جیسے بار بار چھینک آتے آتے رک جائے یا کوئی زوردار دھماکہ ہونے والا ہے اور ہو نہیں پاتا ــــ کتنی بار اس نے ارادہ کیا کہ اسکوٹر والے کو دیکھے' آخر وہ کون چمپیل چھبیلا ہے۔ مگر اس کی کھڑکیاں اتنی اونچی تھیں کہ جب تک پردہ ہٹا کے نہ دیکھو سڑک کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

اب ایک غیر مرد کو دیکھنے کے لئے وہ کھڑکی کیسے کھول سکتی تھی۔ ایک آدھ بار اس نے محسن سے شکایت کی۔

www.taemeernews.com

"اس محلے میں اسکوٹر والے نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ جہاں منّا سویا وہ کم بخت جاگا گیا"
"کہیں بیٹھا دیکھتا ہوگا کہ تم منّے کو کب سلاتی ہو" محسن اس کی کسی پریشانی کو سنجیدگی سے
نہ سنتا تھا۔

"آپ مذاق سمجھ رہے ہیں۔ وہ سچ مچ روزانہ ٹھیک دس بجے جاتا ہے اور پھر ایک بجے
کھانا کھانے کے لئے آتا ہے۔ پھر دو ڈھائی بجے جب منّا سو جائے تو جاتا ہے اور پھر رات میں...."

"واہ بھئی اسکوٹر والے کی مصروفیت کے اوقات تو تمہیں خوب یاد ہو گئے ہیں۔ اب یہ کرو
کہ اس کی پرائیوٹ سکریٹری بن جاؤ"

محسن اپنے جوتے پر پالش کرتے میں خوب ہنسنے لگا۔

پھر اچانک عابدہ کو بھی احساس ہوا کہ ایک اَن دیکھے اجنبی کے بارے میں اس نے اتنی تفصیل
کیوں یاد کر رکھی ہے۔

"آپ کو کیا معلوم اس کم بخت نے میری مصیبت میں جان کر دی ہے۔ میرے بچے کی نیند
کا دشمن ہو گیا ہے"

"تو کیا پولیس میں رپورٹ لکھواؤں کہ ایک اسکوٹر والے سے اس کا اسکوٹر چھین لیا جائے
کیوں کہ وہ ہمارے منّے کو جگا دیتا ہے۔

"خیر آپ مذاق کرتے رہیئے۔ میں خود اس کا کوئی بندوبست کروں گی" عابدہ نے جھلا کر کہا۔

یہ محلہ بڑے گھٹیا لوگوں کا تھا۔ مردوں کے باہر جاتے ہی عورتیں اپنے اپنے دروازوں پر
کھڑی ہو کر پڑوسنوں سے لڑنا شروع کر دیتی تھیں۔ ایسے ایسے کوسنوں اور گالیوں کا آپس میں
تبادلہ ہوتا تھا جو عابدہ نے کبھی نہ سنی تھیں۔

اس دن بھی کسی کام سے کمرے میں آئی تو اس کی پڑوسن کسی سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہاں، تو نے ہی میرے منو کی ٹانگ توڑی ہے۔ کل تو نے کو سے دیئے تھے کہ
میری چھت پر چڑھنے والے کی ٹانگ ٹوٹے گی اور آج منو کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب میں تجھے
سولی پر چڑھا دوں گی"

www.taemeernews.com

"سور کی بچی"

عابدہ کو کوسنوں پر بالکل یقین نہ آتا تھا مگر آج اس عورت کی بات سن کر سخت تعجب ہوا۔ کیا واقعی کوسنے اتنے خطرناک ہوتے ہیں؟ جب ہی لوگ بددعاؤں سے اتنا ڈرتے ہیں۔ پھر اس کا جی چاہا کہ وہ بھی اپنے کسی دشمن کو کوسے دے کر دیکھے۔ اپنے دشمنوں کی لسٹ پر عابدہ نے نظر ڈالی تو سرفہرست اس کی جٹھانی تھی' آفت کی پڑیا ـــــ سرخ مرچ ـــ اس کی وجہ سے عابدہ کو الگ گھر لینا پڑا تھا۔ اور کالج میں ایک لڑکی شمیم اس کی جانی دشمن بن گئی تھی۔ مگر ان دونوں کو کوسنے ہوئے عابدہ کا جی دکھا۔ جٹھانی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کم بخت ماں کے بغیر سسک سسک کر مرجائیں گے اور سنا ہے کہ شمیم کا تو برا حشر ہوا۔ شوہر آوارہ نکل گیا۔ بچے پیدا ہوتے ہی مرجاتے ہیں۔ ایسے مرتے ہوؤں کو کوسنے سے کیا فائدہ؟

دوسرے دن محسن نے اپنے دوستوں کو رات کے کھانے پر بلایا تھا۔ نئے گھر میں آنے کی خوشی میں وہ دعوت کھانے کو بے چین تھے۔ عابدہ بھی اپنے پکانے کے آرٹ سے ان سب کو متاثر کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے صبح ہی منے کو دودھ پلا کے سلا دیا اور کچن میں بھاگی۔ بارہ بجتے بجتے آدھا کام نپٹ چکا تھا۔ مگر ابھی شام کے لئے کچھ بھی نہ پکا تھا۔ اب تھوڑی دیر میں اسکوٹر والا آئے گا اور منے کو جگا جائے گا پھر شام تک وہ کچھ نہ کر سکے گی۔ اس لئے وہ پہلے ڈرائنگ روم کی صفائی کرنے پہنچی۔ ابھی جھاڑن ہاتھ میں لی تھی کہ دور کہیں سے اسکوٹر کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور جانے کیوں وہ خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ جلدی سے منے کے کمرے کی طرف دوڑی مگر وہ کوئی اور اسکوٹر تھا' ادھر آنے کے بجائے کہیں اور چلا گیا۔

اب تو ایک بج رہا ہے ـــ آج کیا بات ہوئی ـــ اب اس سے کوئی کام نہیں ہو رہا تھا وہ بے چینی سے سارے گھر میں دوڑتی پھر رہی تھی۔ منا بڑے مزے میں دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے سو رہا تھا۔ عابدہ ٹہلتی ہوئی دروازے تک ہی آئی تھی کہ اسکوٹر کی آواز گونج اٹھی اور منا کسمسا کے رونے لگا۔

"اللہ کرے مر جائے یہ اسکوٹر والا۔ کسی بس سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔ اسکوٹر

www.taemeernews.com

کے پرخچے بکھر جائیں۔" جانے کیسے آج عابدہ کی زبان پر کوسنے آگئے اور وہ منے کو لے کر ٹہلنے لگی۔

شام کو محسن کے دوست آگئے۔ شور مچاتے، قہقہے لگاتے ہوئے۔ آٹھ بجے تک گپ بازی ہوتی رہی۔ پھر کھانے کے تقاضے ہوئے۔ اتنی دیر میں شیام کچن میں جا کر ہر ڈش کا مزہ چکھ آیا تھا اور اب کھانے کے لیے سخت بے قرار تھا۔ لیکن عابدہ چاہتی تھی کہ منا سو جائے تو کھانا میز پر لگے۔

منا سو گیا تو دونوں میاں بیوی جلدی جلدی میز ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔ عابدہ کام میں مصروف تھی مگر اس کے کان اسکوٹر والے کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

کھانے کے درمیان شیام، قیصر اور صادق نے خوب شور مچایا، عابدہ بھی بلا کی حاضر جواب تھی مگر اسے یہی خیال ستائے جا رہا تھا کہ اسکوٹر کا وقت ہو گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ میز سے اٹھی "میں ابھی ذرا منے کو دیکھ آؤں۔"

کمرے میں آ کر وہ سخت بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ بس اب پھٹ پھٹ کا شور ہونے والا ہے۔ اب منا اٹھ بیٹھے گا۔

کھانا ختم ہوا ـــــ کافی کا دور بھی پھیکا پڑ گیا۔ ہنستے ہنستے سب تھک چکے تھے ـــ مگر کسی کا دل اٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

آج شاید گھڑی کچھ آگے تھی۔ دس بج چکے۔ پھر اسکوٹر والا کیوں نہیں آیا ـــــ عابدہ بار بار سوچ رہی تھی ـــــ

"آج بھابی کا موڈ آف ہے۔" شیام نے پھر چھیڑ خانی کی۔

"نہیں تو ـــ" وہ ہنس پڑی اور پھر دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ واقعی کیا مجھے کوئی پریشانی ہے۔ بعض وقت دل میں ایسے اندیشے بھر جاتے ہیں کہ اپنی پریشانی کی وجہ خود بخود سمجھ میں نہیں آتی۔ بار بار سوچنا پڑتا ہے کہ دل کیوں ڈوبا جا رہا ہے۔ آج میں نے اسکوٹر والے کو کوسنے دیئے تھے۔ اس نے دھڑکتے دل سے یاد کیا اور آگے سوچنے کے بجائے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے دس بج چکے تھے۔

"بھابی بار بار گھڑی دیکھ رہی ہیں کہ اب خدا حافظ" قیصر نے شیام سے کہا۔

www.taemeernews.com

"مگر جب تک مرغ ہضم ہونے کی رسید نہ بھیج دے میں تو اٹھنے کے موقف میں نہیں ہوں"

شیام آرام سے صوفہ پر لیٹ گیا۔

اللہ توبہ ۔۔۔ میرے بار بار گھڑی دیکھنے سے یہ لوگ جانے کیا سمجھ رہے ہیں ۔۔۔ عابدہ نے شرمندہ ہو کر سوچا اور پوری دلچسپی سے ان کے ہنسی مذاق میں شریک ہو گئی ۔

اچانک کہیں سے کسی عورت کے رونے کی آواز آئی اور عابدہ خوف کے مارے اچھل پڑی ۔

"کیا ہوا ۔۔۔ ؟ کیا بات ہے ؟" شیام اور صادق کے علاوہ محسن نے بھی عابدہ کے ڈرنے پر ایک ساتھ پوچھا ۔

"شاید محلے میں کوئی مر گیا ہے ۔ اس کی بیوی رو رہی ہے ۔" عابدہ نے سہمے سہمے ہوئے لہجے میں کہا

"نہیں جی ۔" محسن نے کھڑکی کے پاس جا کر غور سے آوازیں سن کر کہا ۔

"کوئی عورت بچے کو مار رہی ہے ۔ بڑے فضول قسم کے لوگوں کا محلہ ہے یہ ۔"

"فضول قسم کے لوگوں سے آپ کا مطلب ان خواتین سے ہے جو بچوں کو مارا کرتی ہیں ؟"

شیام نے محسن سے پوچھا اور پھر شرارت بھری نظروں سے عابدہ کو دیکھ کر بولا ۔

"ہم نے سنا ہے کہ بھابھی بھی منے کو مارا کرتی ہیں ۔"

"بلکہ منے کے باپ کو بھی ۔" صادق نے کہا اور پھر سب ہنسنے لگے ۔

مگر عابدہ بے حد پریشان سی کھڑکی میں جا کر کھڑی ہوئی ۔

"کیا واقعی نہیں مرا ۔۔۔ ؟ ارے بے میں تو اتنا گھبرا گئی کہ میرا تو دم ہی نکل گیا تھا ۔"

"مگر یہ تو بتائیے بھابھی کہ آپ اس محلے میں کس کے مرنے کا انتظار کر رہی تھیں ؟"

صادق نے پوچھا تو پھر قہقہے بلند ہو گئے ۔

مگر عابدہ نے ہنسنے کے بجائے سر جھکا لیا جیسے اسکوٹر والے کے مرنے کی پوری ذمہ داری اسی پر ہو ۔

ہاسپٹل والوں نے لاوارث لاش سمجھ کر اسے مردہ گھر میں ڈال دیا ہوگا ۔ اسکوٹر کے ٹکڑے سڑک پہ بکھرے ہوں گے اور اس کی بیوی بالوں میں پھولوں کا ہار سجائے سولہ سنگھار کیے کھانا

www.taemeernews.com

میز پر رکھے بیٹھی ہوگی۔ سوچ رہی ہوگی کہ آج جانے کس چڑیل نے اس کے شوہر کا راستہ روک لیا ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ــــ کہ ــــ عابدہ ...

فضا کو یوں گم سم دیکھ کر محسن کے دوست اٹھ کھڑے ہوئے۔

دس پندرہ منٹ کے بعد لائٹ آف کر کے محسن کمرے میں آیا تو عابدہ تکیئے پر سر رکھے رو رہی تھی ــــ

"عبو ــــ عابدہ جان کیا ہوا۔؟" وہ سخت پریشان ہو گیا۔

کچھ۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ عابدہ کو اچانک کیا تکلیف ہو گئی۔ آخر بڑی دیر کے بعد ہچکیوں کو روک کر بول سکی۔

"محسن مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے، یوں لگتا ہے جیسے میں نے کسی کی جان لی ہے"

"کیا ــــ؟" محسن اچھل پڑا ــــ اچانک اسے سارا کمرہ گھومتا نظر آیا۔

"تم نے کس کی جان لی ہے؟ کیا ہوا ــــ؟ مجھے پوری بات جلدی بتاؤ نا ــــ"

"وہ جو اسکوٹر والا روز کھڑکی کے نیچے سے جاتا تھا نا، میں نے آج اسے خوب کوسنے دیئے تھے ــــ اور آج ابھی تک وہ گھر نہیں لوٹا ــــ ضرور اس کی کسی بس سے ٹکر ہو گئی ہے ــــ وہ مر گیا ہے، جبھی تو اس کی بیوی رو رہی تھی ــــ"

"بس یہی بات تھی ــــ" محسن نے اسے تشویش ناک نظروں سے دیکھا اور زبردستی اسے لپٹا کے تھپکنے لگا۔

"بے وقوف ــــ احمق کہیں کی ــــ تمہارے کوسنے سے نہ ہوئے بندوق کی گولیاں ہو گئے چلو اب حماقت چھوڑو، سو جاؤ ــــ ہر وقت اسکوٹر والا، اسکوٹر والا ــــ"

مگر عابدہ ساری رات دہشت ناک خواب دیکھتی رہی۔ کہتے ہیں قاتلوں کو کبھی ذہنی سکون نہیں ملتا ــــ وہ بار بار خواب میں دیکھتی کہ کسی کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ پھر خوف کے مارے خود ہی چلانے لگتی ــــ

صبح اس کی آنکھ کھلی تو جیسے مہینہ بھر کی بیمار ہو ــــ تیز بخار میں اس کا بدن تپ رہا تھا ــــ

www.taemeernews.com

محسن سمجھ گیا کہ شاید اسی تیز بخار کی آمد تھی جو رات عابدہ جانے کیا اول فول بک رہی تھی۔ آج محسن کو خود سارے کام نپٹانا پڑے اور آفس جانے سے پہلے اپنی امی کے ہاں جا کر فوری کسی ملازم کا بندوبست کرنے کو بھی کہہ آنا پڑا۔

محسن آفس چلا گیا تو عابدہ بھی منّے کو لے کر سو گئی مگر اچانک پڑوس میں کہیں رونے پیٹنے کا شور بلند ہوا۔ مختلف دردناک آوازوں سے عابدہ نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ کوئی مر گیا ہے۔ وہ اٹھ بیٹھی ـــ خوف کے مارے کانپنے لگی ـــ اور پھر رو پڑی۔ منّے کو وہیں چھوڑ کر اس نے جلدی جلدی سارے گھر کی کھڑکیاں اور دروازے بند کئے۔ پھر باتھ روم میں جا کر اندر سے دروازہ یوں بند کیا جیسے اسے کوئی پکڑنے آ رہا ہے۔ تیز بخار اور ڈر کی وجہ سے وہ کانپ رہی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب پولیس اس کے دروازے پر آئے گی ـــ قاتل یہ ہے ـــ قاتل ـــ اس کی نظروں میں فلموں اور ناولوں کے ہزاروں قاتلوں کا چہرہ گھوم گیا اور وہ زور زور سے چلّانے لگی ـــ نہیں نہیں ـــ میں قاتل نہیں ہوں ـــ میں نے کسی کا قتل نہیں کیا ہے۔ جب وہ چیختے چیختے تھک گئی تو باتھ روم کھول کر پھر اپنے کمرے میں آئی ـــ منّے سے لپٹ گئی۔

لوگ کتنی زور زور سے رو رہے تھے۔ عورتوں کی آوازیں کیسی دردناک تھیں۔ ہائے اللہ ـــ اس کی بیوی کا جانے کیا حال ہوگا ـــ؟ اس کے جوڑے کے پھول ـــ مہندی لگے ہاتھ ـــ سرخ بچھونا ـــ اور پھر کہیں سے اس کے دماغ نے یہ بھی سوچا کہ اب وہ اسکوٹر کی آواز کے بغیر دن کیسے کاٹے گی؟

وہ پھر رونے لگی اور اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

بھاگ جاؤ ـــ ٹہلتے میں اسے خیال آیا۔

ایسے موقع پر سب مجرم یہی کیا کرتے ہیں مگر لوگ کہتے ہیں کہ خون نہیں چھپتا ـــ مرنے والے کی روح ہمیشہ قاتل کا پیچھا کرتی ہے۔ تو کیا وہ اسکوٹر والا اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا ـــ؟ محسن اب اس سے کتنی نفرت کرے گا۔

سسرال والے کہیں گے اور ـــ اور منّا ایک قاتل ماں کا بیٹا کہلائے گا ـــ اور وہ ـــ

www.taemeernews.com

— وہ ۔ اب عدالتوں میں گھسیٹی پھرے گی ۔ حوالات میں بند ہوگی اور پھر — پھانسی کا تختہ — اس نے لرز کے سوچا اور پھر پلنگ پر گر پڑی — رونے پیٹنے کا ہنگامہ بڑھتا جا رہا تھا ۔ غالباً موت کی خبر چاروں طرف پھیل گئی تھی — لوگ آ رہے تھے، وہ سب پوچھ رہے ہوں گے کہ کیسے مر گیا — ؟ کیا ہوا تھا ؟ مگر کسی کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ ایکسیڈنٹ کی اصل وجہ کیا تھی ؟ سب نے بس والے کو پکڑا ہوگا ۔ پھر وہ کیوں ڈر کے مارے مری جا رہی ہے ؟ اچانک یوں لگا جیسے اس کی پھانسی کی سزا معاف ہو چکی ہو ۔

شاید بخار اب کم ہو چکا تھا اور وہ پسینے میں نہا رہی تھی ۔

پھر اچانک دروازے کی بیل بج اٹھی اور عابدہ اچھل پڑی — ڈر کے مارے سارے گھر میں دوڑنے لگی ۔

" دروازہ کھولئے " کوئی چلا آ رہا تھا ۔

یقیناً پولیس ہوگی — ! اب اقرار کرنا ہی پڑے گا — ہاں میں قاتل ہوں — کہتے ہیں قتل کا اقرار کرنے سے سزا کم ہو جاتی ہے ۔ دروازہ کھولتے میں اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا ۔ باہر ایک نوجوان مرد کھڑا تھا، ایک چھوٹے سے بچے کو گود میں لئے ۔

" معاف کیجئے محترمہ ۔ آپ کو بے وقت زحمت دی ہے ۔ میں آپ کا پڑوسی ہوں ۔ صبح میرے خسر صاحب کا انتقال ہو گیا ہے — میری بیوی بے ہوش ہے ۔ کیا آپ دو تین گھنٹے کے لئے میرے بچے کو سنبھال سکیں گی ؟ اسے تھوڑا سا دودھ بھی پلا دیجئے ۔ شکریہ ! "

عابدہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ۔ مگر اس نے ہاتھ بڑھا کے بچے کو گود میں لے لیا ۔

" مگر آپ کو کیا ہوا ؟ کیا آپ کے یہاں بھی کوئی ؟ " اس آدمی نے عابدہ کے بکھرے ہوئے بال، آنسوؤں میں ڈوبا ہوا چہرہ، سرخ آنکھوں کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا ۔ مگر عابدہ نے جواب دینے کی بجائے کواڑ بند کر لئے ۔

پھر وہ اچانک اچھل پڑی — کیونکہ باہر وہی مانوس پھٹ پھٹ سنائی دی اور وہ خوشی کے مارے اجنبی بچے سے لپٹ کر چلانے لگی — " نہیں، میرا کوئی مرا — میرا کوئی نہیں مرا "

www.taemeernews.com

بہار کا آخری گلاب

"تم بھی تو شاعری کرتی تھیں!"

آج انہوں نے چولہے کے پاس روٹی کھاتے کھاتے یہ بات پوچھی اور دال کی ہانڈی میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ میں نے روٹی کے بغیر خالی ہاتھ جلتے توے پر ٹکا دیا۔ اور پھر جلے ہوئے ہاتھ کو پھونکنے کے بہانے اپنی نظریں جھکا لیں۔ مگر دماغ اچانک نہ جانے کدھر دوڑنے لگا۔ میرے سامنے ایک خط کی سطریں جیسے دھوئیں میں ابھرنے لگیں:

"... تم شاعری کرتی ہو — ایسی شاعری جو میری روح میں اتر جاتی ہے۔ اور میں جھنجلا کے اپنی کہانیوں کی کاپی پھینک دیتا ہوں — اتنی من موہنی شاعری۔ اتنی سربلند شاعری! تم شاعری کرتی ہو تب میں تمہیں دنیا کی ہر حسین عورت سے زیادہ خوب صورت دیکھتا ہوں۔ آئندہ مجھے اپنی صورت کی تفصیل نہ بتانا۔ صرف یہ کہو کہ آج تم نے کیا سکھا —؟

ہاں میں بھی شاعری کرتی تھی!

کسی اندھے کو یہ جتانا کہ تو اندھا ہے کیسی دل خراش بات ہے۔ پھر وہ مجھے بار بار شاعری کا طعنہ کیوں دیتے ہیں! میں تو خود اپنے اس جرم کا اقرار کئی بار کر چکی ہوں۔ اور ہر بار سچ مچ توبہ کی ہے کہ آئندہ یہ قصور کبھی نہ ہوگا۔

انہوں نے میرا گھونگھٹ اٹھا کے سب سے پہلے یہی کہا تھا

"بھئی سنا ہے تم شاعری کرتی ہو۔! یہ بات ہمیں پسند نہیں ہے"

www.taemeernews.com

میرے دل پر ایک پتھر آ پڑا تھا ۔ میں نے پھر بھی اپنا لہو لہان دل تھام کر کہا تھا " اچھا میں شعر کہنا چھوڑ دوں گی "۔

پھر میں نے ان کا ہاتھ تھام کر سوچا۔ اب میں وہی کروں گی جو تم چاہو گے ۔ کیوں کہ میں ماضی اور مستقبل میں بٹتے وقت لچکنا نہیں چاہتی ۔ میں اس شاخ سے ٹوٹ کر الگ ہونا چاہتی ہوں جہاں سے میرے بند حسن نکل چکے ہیں ۔ آج سے میں صرف تمہاری ہوں' تمہاری ـــ تم' جو کبھی مجھ سے مسکرا کے بات نہیں کرو گے' ہمیشہ شک و شبہ کی زہریلی نگاہوں سے مجھے دیکھو گے اور میں اپنا یہ خوددار اور ضدی سر تمہارے قدموں میں جھکائے رکھوں گی ۔

پھر میں نے اپنی آنسو بھری آنکھیں کھولیں تو میں سچ مچ ان کے قدموں میں جھکی ہوئی تھی ۔ اور وہ بڑے تعجب سے بڑی پریشانی سے میرے چہرے کو گھور رہے تھے' شاید وہ گھبرا گئے ہوں گے کہ میں پتہ نہیں کس قصور کے اعتراف میں سر جھکائے ہوئے ہوں ۔ مرد ذات ـــ سوچ رہے ہوں گے نہ جانے کتنے گناہ آج پہلی بار بخشوانا چاہتی ہے !

اس رات وہ شک کے دریا میں ڈوب ڈوب جاتے تھے جیسے میں کوئی ایسا گھر ہوں جہاں چوروں نے ہر چیز کا صفایا کر ڈالا ہو ۔ اب وہ ان لٹیروں کے قدموں کے نشان جگہ جگہ ڈھونڈ رہے تھے ۔

صبح کو انہوں نے جب خالی بوتل کی طرح مجھے ایک طرف رکھنا چاہا تو میں پھر ان کے تلوے سے لگ گئی ۔

" میرے محبوب ـــ میں نے کہاں کہاں تمہارا انتظار نہ کیا ۔ تمہارے لئے کیا کیا سوغاتیں لئے بیٹھی تھی ۔ آج میں نے اپنی جھولی کے سارے پھول تم پر نچھاور کر دیئے ہیں ۔ اب تم میری خالی جھولی میں کوئی کلی' کوئی ستارہ' کوئی پیار بھرا بول بھی نہ ڈالو گے ؟ میں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ بات ان سے کہہ دوں ۔ مگر انہوں نے اپنی بات شروع کر دی ۔ اماں کو خوش کرنے کا گر یہ ہے کہ دن رات ان کے ساتھ چولہے کے پاس بیٹھی رہا کرو ۔ وہ چند دن میں تمہیں سب کام سکھا دیں گی "۔

" نا بھئی' میں اپنی دلہن کو شاعری داعری نہ کرنے دوں گی ۔ یہ موا ادب جس گھر میں گھسا' لاکھ

www.taemeernews.com

کا گھر خاک کیا۔" باہر میری ساس اپنی کسی پڑوسن کو آگاہ کر رہی تھیں۔

اپنی ساس کی اس بات پر میں جی جان سے قربان ہو ہو گئی۔ ہائے کتنی اچھی بات کہی انہوں نے! سچ مچ یہ شاعری لاکھ کے گھر خاک کرتی ہے جس وقت میں نے اپنی نظمیں ایک ایک کر کے جلائی تھیں تو کیا یہ لاکھوں کی دولت نہ تھی؟ کوئی میرا ایسا سخی ہوتا لے جو اپنی کمائی کو اپنے ہاتھوں آگ لگا دے۔

"ہمیں سبزیاں بہت پسند ہیں۔ چاول بالکل نہیں کھاتے۔ اب رہا اچار۔۔۔ تو بھئی اچھا اچار بنانا تو تمہیں سب سے پہلے سیکھنا پڑے گا۔"

وہ پتہ نہیں کیا کیا کہے جا رہے تھے لیکن میرے سامنے تو اپنی نظمیں کا دھواں دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔ مجھے ایک ادھ جلے خط کی سطریں یاد آ رہی تھیں۔

"..... تمہیں کشمیر پسند ہے نا؟ اس لئے ہم کشمیر کی سیر کر رہے ہیں' اور تمہاری آنکھوں میں چھپی ہوئی جھیل ڈل میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ اور تمہارے کانوں سے کشمیری گیت سن رہے ہیں۔ تمہارے شاداب چہرے جیسے باغوں میں گھوم رہے ہیں اور تمہارے دل کی طرح وسیع میدانوں میں سرگشت کر رہے ہیں۔۔۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آج تم ضرور کوئی خوب صورت سی نظم لکھ رہی ہو گی۔"

میرا دل۔۔۔! میں نے اپنے دل پر ایک نظم بھی لکھی تھی۔ یہ دیوانہ مجھے جانے کون کون سے کنویں جھنکوا لے گا۔ یہ دل جو الٹی مانے نہ سیدھی۔۔۔ دن نکلے تو رات کے غم میں روئے رات ہو دن کی جدائی میں تڑپے۔

اپنی اس نظم کو پڑھ کر میں خود ہی رو پڑی تھی۔ جانے کیسی سرپھری دیوانی تھی میں' کہ اپنی نظموں سے خود ہی پیار کرتی۔ ہنستی بھی اور روتی بھی۔ یہ نظمیں میری رازدار تھیں۔ جو بات دل میں آتی وہ خود بخود کاغذ پر پھیل جاتی تھی۔ اب میں کیسے کیسے جتن کرتی' کاغذ کے ان پرزوں کو چھپانے کے لئے۔ تکیوں کے اندر' صندوقوں کی تہوں میں' کورس کی کتابوں میں۔۔۔ پھر بھی خدا چڑیں دیکھ ہی لیتی تھی۔ پڑھتی جاتی اور روتی جاتی'۔۔۔ کیسی عجیب سی بات تھی کہ ہم دونوں

www.taemeernews.com

بہنوں کا دکھ ایک تھا۔ معمولی سی صورت شکل، گھر پر چھائی ہوئی مفلسی اور ہر نظر سے ٹکرائے جانے کا دکھ، ابا کا سیاہ رنگ اور اماں کا بے ڈھنگا نقشہ ہم دونوں بہنوں میں تقسیم ہوا تھا۔

بہت دنوں کی بات ہے جب میں شاید ساتویں یا آٹھویں کلاس میں فیل ہوا کرتی تھی۔ ایک دن اپنے پڑوس میں ہم ایک دلہن کو دیکھنے گئے ـــــ ہائے کیسی خوب صورت دلہن تھی۔ سچ مچ چاند کا ٹکڑا!

"دیکھا بجیا، ایسی ہوتی ہیں دلہنیں۔ گوری گوری ـــــ" عذرا نے رشک بھری نظروں سے دیکھا اور پھر اداس لہجے میں بولی "بجیا، اب اپنا بیاہ تو نہیں ہوگا۔ کیوں کہ سب دولہا گوری دلہن چاہتے ہیں۔"

"چپ بے شرم ـــ" میں نے اسے دھکا دے کر کہا، مگر دل میں عذرا کی بات نے ایک چاقو چبھو کر چھوڑ دیا۔ واقعی میں نے بھی کالی دلہن کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اور پھر میں نے بڑے دکھ کے ساتھ سوچا تھا کہ میرا دولہا کبھی نہیں آئے گا۔ مجھے کوئی بچہ امی کہہ کر نہیں پکارے گا۔

بس اسی رات میری شاعری کا آغاز ہوا تھا۔ میں نے پہلی نظم سیکھی تھی ایک ایسی لڑکی پر جسے اللہ میاں ہر چیز دینا بھول گئے تھے، دولت، صورت، محبت، بے فکری ـــــ کوئی نعمت اسے نہیں ملی تھی۔

اور پھر تو یہ شاعری کا روگ جیسے میری جان کو لگ گیا تھا۔

ادھر اماں ہمارے بڑھتے ہوئے قد کو دیکھ کر ابا کو کھائے ڈالتی تھیں کہ ان لڑکیوں کے لئے کچھ تو جمع کرو۔ گھر اس بے سروسامانی کو دیکھ کر میرا دل ڈوبا جاتا تھا کہ یہاں کوئی کیا لینے آئے گا؟

انہیں دنوں ایک بار میں زہرہ خالہ کے ساتھ ان کے کالج کے ایک فنکشن میں گئی تھی۔ وہاں کوئی ناچ ہوا، گانا ـــ صرف ایک کالی، موٹی، بھدی کی صورت عورت آئی تھی اپنی کہانی سنانے۔ مگر اللہ جانے اس میں کیا بات تھی کہ خلقت خدا کی اسے دیکھنے کو ٹوٹی پڑتی تھی۔ کالج کی

www.taemeernews.com

لڑکیاں اس کے آٹوگراف لینے کو مری جارہی تھیں ۔ اور وہ تھی کہ خوشی کے مارے پھلی جارہی تھی ۔ ایک ایک سے جھک جھک کر مل رہی تھی ۔ جب میں نے ایک لڑکی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو سب کو میری جہالت پر بڑا ترس آیا ــــ "ائے ہے، جاہل بیچاری! چاندنی کو نہیں پہچانتیں ـــــ اتنی مشہور افسانہ نگار کو؟"

اس دن میں گھر لوٹی تو چاند سورج میرے ساتھ ساتھ آئے ۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ میں بھی چاندنی بنوں گی ۔ لوگوں کی حقارت بھری نظروں کو لات مار کے شہرت کے آسمان پر جا بیٹھوں گی ۔ دیکھوں تو پھر دنیا مجھ سے کیسے مونہہ پھیرے گی؟

رات ہوئی تو میں نے عذرا کو چاندنی کا قصہ سنایا ۔ اسے بھی کسی طرح یقین نہ آیا کہ ایسی بدصورت عورت کی اتنی عزت ہو سکتی ہے ۔

دوسرے دن ہم دونوں برقعوں میں کتابیں دبائے اسکول کی طرف دوڑ رہے تھے ۔ پھر دوڑتے ہی چلے گئے ـــــ اتنے تیز تیز کہ عذرا مجھے چھوڑ کے آگے نکل گئی ۔ اس نے ایم اے کیا اور ایک کالج میں لیکچرار ہو گئی ۔

لیکن میں شاعری کے کانٹوں میں الجھ کر صرف بی اے کر سکی ۔ بقول اماں کے شاعری نے مجھے برباد کر ڈالا تھا ۔ کورس کی کتابوں کو بھول کر بھی نہ دیکھتی ۔ سارے دن انگلش کی دوسری الا بلا کتابیں پڑھے جاتی ۔ ان کتابوں کو پڑھ پڑھ کر میرا دماغ اور بھی خراب ہو رہا تھا ۔ رات رات بھر ٹہل ٹہل کر نظمیں لکھی جاتیں اور دن بھر پلنگ پر اوندھی لیٹی ایڈیٹروں کے تعریفی خط پڑھے جاتی تھی ۔ اماں کہتی تھیں کہ میری صورت پر ٹھیکرے برسنے لگے ہیں، سر پر کا ہوش نہیں رہا ہے ۔

یہ شہرت جانے کب اور کہاں سے نکل کر میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی ۔ میں چونکی تو ہر رسالے کا ایڈیٹر کہہ رہا تھا کہ آپ کی نظم نہیں آئے گی تو ہمارا رسالہ مکمل نہ ہو گا ۔

ڈاکیہ آتا تھا تو اپنے جھولے کے آدھے خط ہماری کھڑکی میں پھینک جاتا تھا ۔ پھر اماں بڑی کاہلی سے اٹھتیں اور سوپ میں خط بٹور کے میرے پلنگ پر انڈیل دیتیں ۔

" رو بیّو، تمہاری ڈاک آگئی، بے کار خط سوپ میں ڈال دینا مجھے چولہا جلانا ہے ۔"

www.taemeernews.com

تب مجھے خیال آتا کہ عذرا کی کمائی سے ہنڈیا چولہے پر رکھی جاتی ہے۔ اور میری کمائی سے چولہا سلگتا ہے۔

ابّا ہمارے دولہا کا انتظار کرتے کرتے قبر میں جا سوئے تھے۔ اماں بھی ہمارے بوجھ سے تھکی جا رہی تھیں۔ انہیں دھڑکے کی بیماری ہو گئی تھی۔

اب اس گھر کی کھیون ہار عذرا تھی۔ اور عذرا کی آنکھوں میں کیسی چمک تھی! اس کی چال میں کتنی خود اعتمادی تھی۔ اس کے سیاہ رنگ میں سرخی جھلکتی اور وہ ہر وقت ہنسے جاتی تھی۔ بعض وقت میں جھنجلا کے سوچتی ہو کون سا قارون کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے اس لڑکی کو؟

پھر اماں نے ایک دن سچ مچ عذرا کے ہاتھ قارون کا خزانہ لگ جانے کی خوش خبری سنائی۔ اس کا پیغام آیا تھا۔ لڑکا عذرا کے کالج میں لیکچرار تھا اور عذرا کو بہت چاہتا تھا۔ یہ سن کر میں بھی بہت ہنسی — میری پیاری بہن آخر تجھے اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی نا! آج مجھے بھی قارون کا خزانہ مل گیا تھا — مگر اماں ہمیشہ کی بے رحم میرے قہقہوں کو روک کر سنانا شروع کر دیا۔ عذرا شادی سے انکار کر رہی ہے۔ کہتی ہے میں تم دونوں کو کس کے سہارے چھوڑ دوں!"

شام کو عذرا کالج سے آئی تو کہنے لگی "بجیا، آپ کا پلنگ کتنا جھلنگا ہو گیا ہے — ذرا اٹھئے میں نواڑ کس دوں۔"

میں نے غور کیا — عذرا ٹھیک ہے۔ میں نے لیٹے لیٹے اس گھر کے پلنگ توڑ ڈالے ہیں۔ پھر میں نے اماں سے کہا،

"اس لیکچرار کا پیغام نہیں رد کیا جائے گا۔ عذرا کوئی خدا ہے کہ ہمیں پالے گی! میں کسی اسکول میں ملازمت کر لوں گی۔" اس پر عذرا بہت روئی چلائی۔ وہ کہتی تھی — "بجیا آپ نوکری نہیں کر سکتیں آپ کی شاعری کا موڈ آف ہو جائے گا اور آپ شاعری نہ کریں گی تو مجھے بڑا دکھ ہوگا، لوگ کیا کہیں گے؟"

لوگ — لوگ —! ان لوگوں کے لئے ہم نے کیا کیا نہ کیا — پھر بھی ہم ان کے خوف سے مرے جاتے تھے۔ یہ لوگوں کا خوف ہی تو تھا جو اتنی شہرت نے مجھے پاگل نہ ہونے دیا۔ حالانکہ مجھے بہکانے والوں کی کمی نہ تھی۔ اپنے دیس میں تو ایک عورت کا نام ہی سیکھنے والے مردوں کو رومانی

www.taemeernews.com

بنادیتا ہے۔ اور اگر اس نام کے آس پاس شہرت کی چمک دمک ہو تو ہزاروں دیوانے مرمٹنے کا تہیہ کر ڈالتے ہیں۔ اب مجھے اپنی ڈاک دیکھ کر چاندنی یاد آتی تھیں۔ اب انہوں نے سکھنا چھوڑ دیا تھا اور تیسرے شوہر سے بھی طلاق لے کر سنا ہے پنجاب کے کسی گاؤں میں گمنامی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

میرے آگے بھی دنیا بہت بڑی تھی ـــــ اور بھی پھیل جاتی اگر کمل ہر طرف سے میرا راستہ نہ بند کر دیتا۔

اُن دنوں میں بڑی بے باکی اور اعتماد کے ساتھ دوسرے شہروں کے مشاعروں میں جاتی تھی۔ نشے میں چور ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے شاعروں کے ساتھ راتوں کو سڑکوں پر چلتے وقت مجھے ذرا ڈر نہیں لگتا تھا۔ کیوں کہ ہر جگہ دو جگمگ جگمگ نگاہیں میری نگرانی کرتی تھیں۔ ہر وقت ایک سایہ میرے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جیسے میں کسی کی پناہ میں ہوں۔ میرے راستے کے سارے خطرے کوئی آگے سے ہٹاتا جاتا تھا۔ میرے یوں آزاد گھومنے پر اماں کو سخت اعتراض تھا۔ عذرا بھی اظہارِ ناپسندیدگی کے طور پر دروازہ کھولنے کے بعد یہ جتانا نہ بھولتی کہ اب رات کے دو بجے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے میری نئی نظموں پر بات کرنا چھوڑ دی۔ میری ڈاک سے اسے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ جن رسالوں میں میری نظمیں چھپتی تھیں، انہیں اپنی میز سے اٹھا کر میرے پلنگ پر ڈال دیتی۔ البتہ اس کا خلوص کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"بجیا، آج آپ کے لئے ایک ہینڈلوم ساری لائی ہوں"۔

"بجیا کے لئے ایک گھڑی خریدنا ہے"۔

کھانے کے وقت بھی وہ خوب شور مچاتی۔

"بجیا اتنا دماغی کام کرتی ہیں، اماں آپ انہیں روز گوشت کا سوپ پلائیے۔ میرے لئے دال کافی ہے"۔

تب میں سوچتی عذرا کیسی ہوشیار ہے، وہ کتنی کھری کھری سنا کر مجھ سے درخواست کر رہی ہے کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں ـــ

www.taemeernews.com

میں اپنی شاعری کے پنکھ لگائے آسمانوں پر اڑتی رہی ۔ اور عذرا نے کتنی مضبوطی کے ساتھ اپنے قدم دھرتی پہ جما لئے تھے ۔ ہم دونوں نے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کیا تھا۔ مگر میں کتنی غلط راہ پہ چل پڑی ۔ کانٹوں اور پتھروں نے میرے سارے ارادے لہولہان کر دئے تھے ۔

بعض وقت عذرا ہنس کر کہتی ہے " بجیا آپ بغیر سوچے سمجھے جانے کیسے ہر کام شروع کر دیتی ہیں "۔

عذرا کی یہ بات میرے دل میں اتر جاتی ہے ۔ حالتی میں جانے کیسے ہر بات سوچے سمجھے بغیر کر بیٹھتی ہوں ۔ اب اسی بات کو لے لو ۔

کسی طرح یاد نہیں آتا کہ کمل سے میں نے ملنا جلنا کب اور کیوں شروع کیا تھا ۔ حالانکہ وہ ہندی کا بہت مشہور افسانہ نگار تھا اور ہندی والوں سے ہم اردو کے شاعروں کی ویسے بھی کب بنتی ہے ؟ پھر کمل تو یوں بھی بلا کا جھگڑالو تھا ۔ ویسے اور کوئی خوبی نہ تھی اس میں ۔ پانچ بچوں کا باپ ۔ بیمار اور چڑچڑی بیوی کا تاریخ دار شوہر ـــــ سوکھا چمرخ ـــ کسی اخبار کے آفس میں ہزار ڈیڑھ ہزار کا ملازم تھا ۔ مگر جانے یہ کیسے ہونے لگا کہ میں جس مشاعرے سے واپس آتی وہ میرے ساتھ ہوتا ۔ سڑک پر چلتے چلتے مجھے جب بھی اس کا خیال آتا تو وہ میرے سامنے کھڑا ہوتا ۔ میں ڈالس پہ جاتی تو وہ سب کے سامنے بیٹھا مجھے دیکھے جاتا ـــ میں ان کے پیچھے آتی تو وہ آگے بڑھتا ۔

" اوہ " آج تو آپ نے ہمیں ہلا ڈالا ۔ ذرا اپنے لکھنے کی رفتار روکئے محترمہ " ورنہ اس شہر کے سارے شاعر اپنا مونہہ کالا کر کے فرار ہو جائیں گے "۔

پھر اس نے مجھے ایک خط لکھا " بہت ہی مہذب سا ۔ یہی کہ میری نظموں نے اسے بہت متاثر کیا ہے ۔

یہ خط مجھے بڑا بے ضرر سا لگا ــــ اس کی کچھ طلب کرتی ہوئی " چاروں طرف سے راستہ گھیرتی ہوئی آنکھوں سے زیادہ سکون بخش ــــ

ویسے بھی مجھے اطمینان رہتا تھا کہ کبھی کوئی ایسا آدمی میری طرف نہیں بڑھ سکے گا جس نے مجھے قریب سے دیکھا ہو " جو میری فضول سی صورت " بے ڈھنگے بدن اور سطحی قسم کی

www.taemeernews.com

باتوں سے واقف ہو۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مقامی ادبی حلقوں میں کبھی میری ہمت افزائی نہیں ہوئی۔

سہیل کے خط بڑھتے گئے۔ چند دن بعد تو یہ ناممکن سا ہو گیا کہ اس کا روز ایک خط نہ آجائے۔ مجھے اپنی ہر نظم اسی طرح یاد ہے کہ سہیل نے اس کے بارے میں کیا لکھا تھا۔ وہ جہاں ہوتا جس موڈ میں ہوتا مجھے روز ایک خط لکھا کرتا تھا۔ چاہے آفس کے کسی کام سے کشمیر جائے، بچے کے ساتھ ہسپتال میں ہو، بیوی کے میکے میں ہو یا کسی ادبی محفل میں۔ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ خط لکھے جاتا تھا۔ کوئی سنتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ میں نے اتنی محبت اور سرشاری سے لبریز خطوں کا ایک بار بھی جواب نہیں دیا۔ ہم دونوں میں ایک خاموش سا سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ وہ جو جی میں آئے مجھے لکھے جائے گا اور میں صرف سنا کروں گی۔

مگر وہ کب تک محتاط بنا رہتا۔ اس نے پہلے اپنے خلوص کو عقیدت میں بدلا، پھر محبت میں اور پھر پاگل پن میں۔ اور جتنے اس کے خط بڑھتے گئے اتنا ہی وہ خود بہت کم ملتا تھا — ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی۔ کبھی کہیں نظر بھی آجاتا تو بڑا اجنبی بن کر بڑے تکلف کے ساتھ بات کرتا۔

ایک دن آخر سہیل مل ہی گیا۔

ایک بہت بڑا آل انڈیا مشاعرہ تھا۔ ہندی والے بھی اس کے لئے مالی امداد کر رہے تھے۔ — مشاعرہ شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ لوگ باہر گیلری میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سہیل کو اکیلا دیکھ کر میں اس کے پاس چلی گئی۔ اسے ساتھ لئے جان بوجھ کر اس طرف بڑھنے لگی جہاں کوئی نہ تھا۔ جہاں درختوں کی آڑ نے اندھیرا سا کر دیا تھا۔

"مجھے بتاؤ سہیل، میں نے آج تک تمہارے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ پھر تم مجھ سے اس کی شکایت کیوں نہیں کرتے؟"

"کیوں کہ مجھے تمہارے جواب کا انتظار نہیں ہے"۔ اس نے سنبھل سنبھل کر کہا۔

اس وقت ہمارے آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو شبہ بھی نہ ہوا ہوگا کہ اس وقت ہم دونوں کیسے بھنور میں گھرے ہچکولے کھا رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

"تم ـــ تم اتنے اونچے آدرش رکھتی ہو' اتنی مہان کلاکار ہو' اور پھر تم ابھی صرف بیس برس کی ہو۔ تمہارے لئے دنیا ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے۔ عزت' دولت' شہرت' ہر چیز تمہاری منتظر ہے میں تمہاری راہ کیوں کھوٹی کروں ـــ میں تو ایک غریب آدمی ہوں۔ بیوی بچوں والا' چالیس برس کا بوڑھا۔ اب میرے جیون کا صرف ایک ہی مصرف ہے کہ اپنی ہر ذمہ داری کو پورا کرتا رہوں۔ مگر ـــ مگر پھر بھی میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے میری کسی بات کا بُرا نہ مانا ـــ مجھے اپنی تنہائی کے صحرا میں ایک گلاب جھکلنے کی اجازت دے دی۔ میں نے تمہاری بدولت جان لیا کہ کسی کے لئے اپنی ذات کو بھلا دینے کا سُکھ کیسا ہوتا ہے...."

وہ جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ مگر مجھ سے تو اس نے ایک لمحہ میں ہر سُکھ چھین لیا تھا۔ اس خود غرض انسان نے' جو میری بہار کی ساری ادھ کھلی کلیاں اجاڑ کر اپنے من میں گلاب جھکا رہا تھا۔

اگر اس وقت میرے قریب ایک لگائی بجھائی کرنے والا چنچل خود شاعر نہ کھڑا ہوتا تو شاید میں کمل کی بانہوں میں جا گرتی۔ شاید زور زور سے رونے لگتی۔ عذرا کہتی تھی "بجیا' آپ ہر بات سوچے سمجھے بغیر کیسے کر ڈالتی ہیں؟" مگر اس روز میں کتنی مصلحت پسند تھی! اگر اس دن میں ان باتوں پہ غور نہ کرتی تو شاید وہ دن کبھی نہ آتا جب مجھے کمل کے ہر خط کے ساتھ اپنی ایک نظم جلانی پڑی تھی۔ اور جب سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا تب میں نے سوچا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو اس راکھ کا انتساب کمل کے نام کرتی۔

لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔ بلکہ صدرِ مشاعرہ کو آتے دیکھ کر میں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ انہیں سلام کیا تھا۔

"اب کیسی ہیں آپ!" یہ بات میں نے پاس سے گزرتے ہوئے کسی شاعر سے کہی تھی یا کمل سے؟ خون میرے کانوں میں سنسنا رہا تھا اور میں گرنے سے پہلے کسی سہارے کو تھامنا چاہتی تھی۔

"چلو ـــ تم اب گھر واپس چلی جاؤ' اپنے گھر جاؤ ـــ" کمل مجھے تھام کر کہہ رہا تھا۔

"نہیں گھر میں بھی جگہ نہیں رہی ـــ کہیں بھی جگہ نہیں ہے ـــ"

پھر کمل مجھے رکشا میں بٹھا کر گھر لایا۔

www.taemeernews.com

جب مجھے ہوش آیا تو اماں مجھے موسمی کا رس پلا رہی تھیں۔ کمل سامنے کرسی پر بیٹھا تھا اور اندرا اس سے کہہ رہی تھی "آپ ٹھیک کہتے ہیں کمل بھائی۔ پیغام تو بجیا کے بھی کئی ہیں۔ مگر بجیا بیاہ کے لئے راضی ہی نہیں ہوتیں، اللہ جانے کس کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"ایک لڑکا تو سیکریٹریٹ میں تین سو کا نوکر ہے" — اماں نے فوراً تفصیل شروع کر دی۔ "وہ خود بھی شاعر ہے۔ سنا ہے مولانا بلیل بلگرامی کا شاگرد ہے۔ چائے سگریٹ، شراب کچھ نہیں پیتا۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے۔"

"مگر بجیا — بجیا کا موڈ — بجیا کی پسند —" عذرا میری طرف دیکھ دیکھ کر گھبرائی جا رہی تھی۔

بس بس بہت ہو چکا تمہاری بجیا کا لاڈ —" اماں نے غصے میں عذرا کی بات کاٹی۔ "جانے کیوں اللہ میاں نے اس کا دماغ ہی اوندھا کر دیا ہے۔ جب ہی تو ایسی حالت ہو گئی ہے۔ اب میں کچھ نہ سوچوں گی۔ کمل صاحب، آپ اپنی دونوں بہنوں کا ساتھ ساتھ بیاہ کر دیجئے۔ بتائیے بھلا میں کسی مرد کے بغیر ان دونوں کے فرض سے کیسے سبکدوش ہوں گی؟"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ میں سب کچھ کر دوں گا۔ آئندہ آپ کو میرا فرض یاد دلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی اماں" — کمل جان بوجھ کر میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"مگر ان کا ہیون ساتھی کوئی آرٹسٹ ہونا چاہیئے۔ بڑے لطیف ذوق والا، بڑے حوصلے والا، جو انہیں سنبھالے رہے — ان کی شاعری کی رفتار مدھم نہ پڑ جائے۔ ورنہ عام سکھنے والیوں کی طرح گھرداری میں گھر کے .... کہیں .... کہیں ..."

"بس بس رہنے دیجئے —" میں نے جھنجلا کے کہا "شراب، سگریٹ، چائے کچھ نہیں پیتا — تین سو روپے کماتا ہے، اور کیا چاہیئے مجھے۔ اماں تم عذرا کے بیاہ کی تیاری کرو — اب تاریخ مقرر کر دو" —

پھر میں نے سوچا کہ جانے میرے لئے اس پیغام کو ڈھونڈنے کے لئے عذرا نے کتنی جد و جہد کی ہو گی۔ میں کب تک اس گھر میں بیٹھی رہوں گی۔ کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے عذرا نے میرا؟ عذرا کو کتنا ارمان ہے دلہن بننے کا۔ ہم دونوں تو یہی سوچتے تھے کہ کبھی دلہن نہیں بنیں گے۔

www.taemeernews.com

مگر وہ دن بھی آگیا ـــــ پاس پاس سہرے باندھ کر، گھونگھٹ نکال کر، ہم دونوں بہنوں کو بٹھایا گیا تو اچانک عذرا ہنس پڑی ۔ اس نے اپنا گھونگھٹ ہٹا کے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی،

" بجیا آج مجھے بڑی ہنسی آرہی ہے "

" تو ہنسو نا ـــــ "

" مگر آپ ـــ آپ ـــ ؟ " وہ میرے چہرے پر جانے کیا دیکھ کر گھبرا گئی ۔

" ہاں مجھے بھی ہنسی آرہی ہے عذرا ـــــ آج تو جی چاہتا ہے دنیا کی ہر بات پر ہنسوں ۔ ہر چیز کا مذاق اڑاؤں ـــ "

"۔۔۔۔ تم جب دلہن بنو گی، میں اس وقت بہت دور بیٹھا تمہیں دیکھ رہا ہوں گا جانے تمہارا دولہا اس خوب صورتی کو دیکھنے کی تاب کہاں سے لائے گا ! آج تمہارے چہرے پر کتنے خوب صورت خوابوں کا اُجالا ہوگا ! "

" اس سمے جب تم ادب، شاعری اور میری فکر اس سے پرے ـــ کسی پر اپنا تن من نچھاور کر رہی ہوگی تو تمہیں کہاں یاد آئے گا کہ کوئی تمہیں اپنی روح کی گہرائیوں کے ساتھ مبارک دے رہا ہے ـــ

" آج تمہارے سکھ کا گلاب تمہارے دولہا کے چہرے پر کھلنے والا ہے ۔

" اب میں تمہیں کبھی خط نہ لکھوں گا ۔ بس ہر نئی نظم میں تمہاری کامرانیوں کی خبریں سن لیا کروں گا ـــ "

جلتی ہوئی روٹی کو جلدی سے راکھ میں چھپا کر میں سوچتی ہوں کہ میں نے اپنی کامرانی کی کوئی خبر کہیں نہ بھیجی ـــــ مگر یہ کتنی اچھی بات ہے کہ میری بہار کا آخری گلاب ابھی تک نہیں مرجھایا ۔ کہیں میرا ایک خوب صورت سا ہنستے گلاب جیسا خیال زندہ ہے ـــ کمل میں چھپا ہوا ـــــ

www.taemeernews.com

بے مصرف ہاتھ

اللہ جانے رفو پھوپھو کی کہانی کب لکھ سکوں گی

بعض وقت جب میں کسی جذباتی لڑکی کی سنسنی خیز کہانی سنتی ہوں، جب کوئی افسانہ نگار کسی معمولی سے واقعہ کو بڑے خوبصورت انداز میں سمجھاتا ہے تو مجھے اپنی بے بسی پر بڑا افسوس ہوتا ہے، پھر خود ہی اپنی حماقت پر ہنسی بھی آتی ہے۔ مجھ جیسے پاگلوں سے کون کہانیاں سُنے گا؟ پھر کہانی تو ہمیشہ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کے بارے میں سمجھی جاتی ہے۔ بدصورت لڑکیوں کی تو کوئی کہانی نہیں ہوتی ـــ کم از کم ایسی لڑکی کی کہانی تو میں نے آج تک نہیں سُنی جس کے چہرے کی کھال اور گوشت غائب ہو۔ آنکھوں کی جگہ سرخ گڑھے ہوں۔ اور بتیسی سے لے کر ناک تک ہڈیاں دکھائی دیں۔ ـــ افوہ ـــ میں خود بھی اب رفو پھوپھو کو یاد کر کے لرز جاتی ہوں۔ یہی خوفناک صورتیں تو بچوں کو ڈرا کے پاگل بنا دیتی ہیں۔ سُنا ہے یہ چڑیلیں اپنے سحر سے انسان کو پتھر بنا دیتی ہیں۔ پھر وہ آدمی زندگی بھر مکڑی کے جال میں پھنسی ہوئی مکھی کی طرح تڑپتا رہتا ہے۔ مگر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔

اگر میں بھی یہ کہانی لکھوں تو اپنے آپ کو ایسی مکھی سمجھتے ہوئے کتنی شرم آئے گی ـــ جاسوسی ناولوں کی ہیروئین بن کر مجھے کہنا پڑے گا کہ میں ایک سحر زدہ مکان میں رہتی ہوں۔ جس کے بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور تھیں۔ پھر وہاں مجھے ایک چڑیل نے دیکھا اور وہ مجھ سے عاشق ہو گئی۔ سُنا ہے یہ چڑیلیں اپنے چاہنے والے کا کلیجہ چبا ڈالتی ہیں۔ وہ اپنی سُدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔

مینٹل ہاسپٹل کے اس بستر پہ لیٹے لیٹے میں سوچ رہی ہوں کہ انہوں نے مجھے پاگل کیوں

www.taemeernews.com

مشہور کر دیا ۔ اسے مجھے کونسی آگ جلا گئی ـــــ میں کیوں راکھ بن گئی ۔ آخر میں اپنے بچے کو کیوں مارنا چاہتی ہوں ؟ مجھے اپنا منّا بے مصرف کیوں نظر آتا ہے ؟

ٹھہریے ! میں ذرا اپنے آنسو پونچھ لوں ۔

رفو پھوپھو کی کہانی لکھنے بیٹھی تو مجھے اپنی سدھ بدھ کہاں رہے گی ۔ اگر ان سطروں پر کہیں نظر پڑ گئی تو ـــــ وہ نہیں چاہتے کہ اب میں رفو پھوپھو کا نام بھی زبان پر لاؤں ۔ اور آج میں اس سارے کاغذ پر صرف رفو پھوپھو کا نام ہی لکھے جاؤں گی ۔

نہ جانے کہانیاں کیسے شروع کی جاتی ہیں' اب اس جھگڑے میں کون پڑے ۔ کوئی نہ کوئی بات ہوتی ہوگی ۔ مجھے تو وہاں سے یاد ہے جب شادی کے بعد میں ان کے ساتھ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی' انہوں نے میرے لئے حیثیت سے بڑھ کر بڑا خوبصورت سا مکان لیا تھا ۔ اچھے سے اچھا فرنیچر خریدا' اور ایک چھوڑ دو دو نوکر بھی رکھے تھے ۔ ہم دونوں جیسی محبت میں نے آج کے میاں بیوی میں نہیں دیکھی ۔ ہمارے درمیان تو کوئی مول تول نہ ہوا ۔ انہوں نے تو مجھے پلکوں پہ بٹھا لیا تھا ۔ لوگ محض الفاظ سے شاعری کرتے ہوں گے لیکن وہ تو سچ مچ میرے دل کی دھڑکن تھے بلکہ ہیں ۔ (آج جب وہ ڈاکٹر سے کہتے ہیں کہ میں نے ان کی اور منّے کی جان لینے کی کوشش کی تھی) وہ اب بھی میری روح ہیں ۔ میری زندگی ہیں ۔ وہ دیکھتے تو' کہ انہیں مارنے کے بعد کیا میں زندہ رہ سکتی تھی ؟ وہ چاہے لوگوں سے کچھ کہتے پھریں لیکن رفو پھوپھو میری زندگی نہیں تھیں' میری کچھ بھی نہیں تھیں ۔ اگر وہ میری کچھ ہوتیں تو میں ان کے ساتھ کیوں نہ مر جاتی ! یوں سُلگ سُلگ کر راکھ کیوں بنتی ! تو خیر ! آج کی بات چھوڑیئے میں تو آپ کو اس دن کا قصہ سنا رہی ہوں جب ہم "خود مختار منزل" کے اوپر والے پورشن میں آئے تھے ۔ رات ہو چکی تھی' میں جا کر بالکنی میں کھڑی ہو گئی نیچے مالک مکان کے گھر میں بچوں اور نوکروں کی چیخ پکار ہو رہی تھی ۔ اور سڑک پر انسانوں کا ہجوم بہہ رہا تھا ۔ پھر میری نگاہ اوپر اٹھ گئی جہاں دو دو چاند مسکرا رہے تھے ۔ ایک تو گیارہ تاریخ کا سبک رو چاند ہمیں دیکھ دیکھ کر کھل اٹھا تھا اور اس کے قریب وہ کھڑے تھے' میں ان کی باہوں میں چھپ کر شرما گئی ۔

www.taemeernews.com

"میرا چاند کہاں چھپ گیا ۔۔!" انھوں نے جھک کر پوچھا ۔

"اللہ کوئی مجھے بھی تو چاندنی میں لے جائے ۔" نیچے کسی عورت نے بڑی مترنم آواز میں کہا ۔ میں چونک پڑی ۔

"نیچے مکان کے مالک رہتے ہیں ۔ بڑے اچھے لوگ ہیں ۔ تمہارا دل بہلا رہے گا ۔" انھوں نے اطمینان دلایا ۔

"میں چاند کو نہ دیکھ سکوں مگر چاند تو مجھے دیکھ لے گا ۔" وہی خوبصورت آواز کہے جارہی تھی ۔

"نیچے تو کوئی میرے چاند کو دیکھنا چاہتا ہے ۔" انھوں نے مصنوعی خفگی سے کہا اور ہم دونوں بالکنی سے ہٹ آئے ۔

جانے کیوں وہ بڑے شکی مزاج ہیں ۔ شادی کے بعد مہینوں انھیں یہی اندیشہ رہا کہ شادی سے پہلے میں کسی اور کو تو نہیں چاہتی تھی اور اب بھی جب میں ان کے ساتھ ہوتی تو وہ میرے چاروں طرف ، مجھے دیکھنے والوں کو دیکھتے ۔ ہر عورت کی طرح مجھے بھی ان کی یہ بات بڑی اچھی لگتی ۔ جانے کیوں ہم عورتوں کی تو یہ فطرت ہوتی ہے کہ ہم کسی کی نظروں میں سما کر سب کی نظروں سے چھپ جائیں ۔

صبح مجھے معلوم ہوا کہ اس گھر کے بارے میں محلے والوں کی رائیں بھی اچھی نہیں تھیں ۔۔۔ "خود مختار منزل" کے رہنے والے واقعی اپنے دل کے بادشاہ تھے ۔ ہماری ایک پڑوسن نے تو صبح ہی آکر میرے کان بھرے کہ مالک مکان کی لڑکیوں سے ہوشیار رہنا ۔ خوبصورت بلائیں ہیں چڑیلیں ۔ ماشاءاللہ تمہارے میاں صورت شکل کے اچھے ہیں اور اس گھر میں مرنے جینے کے کھیل بہت ہوتے ہیں ۔"

یہ سنتے ہی میں نے زینے والا دروازہ بند کردیا ۔ سُنا ہے مرد کی جوانی تو تیز ہوا میں کانپنے والا پتہ ہے ۔ ذرا سی جنبش میں بہک جاتی ہے ۔

پھر شام کو وہ بالکنی میں جانے لگے تو میں نے ان کا راستہ روک دیا ۔

"آپ یہاں مت کھڑے ہونا ۔ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے ۔"

www.taemeernews.com

وہ ہنسنے لگے اور اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی باکمنی کا ذکر نہیں کیا۔

یہ تیسرے دن کا ذکر ہے جب آفس جاتے وقت میں ان کے سینے سے لگی کھڑی تھی کہ سیڑھیوں پر کسی نے دستک دی۔

وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے دروازہ کھولا۔ مالک مکان کی لڑکی تھی ساجدہ۔ بڑی خوبصورت سی، بڑی طرار سی، بڑی فیشن ایبل سی۔ اسے دیکھتے ہی میں گھبرا گئی۔ عورت ذات اس معاملے میں بڑی سیانی ہوتی ہے۔ وہ آفس کی کنجیاں ڈھونڈنے لگے۔ تو جانے مجھے کیوں غصہ آگیا۔ آج ان کی آنکھوں کو کیا ہو گیا تھا سامنے پڑی چیز نظر نہیں آتی۔

وہ چلے گئے تو ساجدہ نے مجھ سے خوب باتیں کیں۔ جب گھڑی نے گیارہ بجائے ہیں تو اسے آئے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اور اتنی دیر میں ہم بے تکلفی اور دوستی کے میلوں لمبے فاصلے طے کر چکے تھے۔ اس نے اپنے بارے میں ہر بات بتا دی۔ وہ بی۔ اے میں پڑھتی تھی اور مردوں سے کھیلنا اس کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ آج کل اس نے ایک ہندو لڑکے کو پاگل بنا رکھا تھا۔ ان کا پورا خاندان بڑا جذباتی تھا اور من مانی حرکتیں کرنے میں وہ لوگ بڑے مشہور تھے۔ بڑی بہن ناجائز بچوں کو پالنے کے لئے ایک اسکول کھولنا چاہتی تھی اس کی خاطر وہ گھر بار چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ ساجدہ کے ایک چچا ڈاکٹر تھے۔ ایک بار کوئی مریض ان کے آپریشن کی کسی خرابی سے مر گیا تو انہوں نے خود بھی خودکشی کر لی تھی۔ ساجدہ کا باپ کپڑے کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اس مکان جیسے اس کے چار پانچ مکان شہر میں اور تھے ـــــ میں اسے چھوڑنے زینے تک گئی تو پھر کبھی آنے کی میں نے اسے دعوت نہ دی لیکن مجھے اس بات پر بڑا غصہ آیا کہ آخر اس نے مجھے اپنے گھر کیوں نہیں بلایا۔ میں چاہتی تھی نیچے اتر کر اس قصہ کہانیوں والے گھر کو دیکھوں۔ شام کو میں نے ان سے یہ بات کہی تو وہ خوب ہنسے۔

"تم خود ہی چلی جاؤ ـــ تمہیں تو اپنی لینڈ لیڈی سے ملنا چاہیئے"

دوپہر کو میں نیچے گئی۔ زینہ ان کے صحن میں کھلتا تھا۔ ساجدہ کا گھر بڑا اچھا تھا۔ اتنے سلیقے سے سجے ہوئے گھر میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔ جانے کتنے نوکر ہر طرف کسی نہ کسی کام میں

www.taemeernews.com

مصروف تھے ۔ دالان میں کرسی پر بیٹھی ایک خوبصورت سی ادھیڑ عمر کی خاتون نٹنگ کر رہی تھیں
میں سمجھ گئی وہ ساجدہ کی امی ہیں۔

میرے سلام کرنے پر وہ چونک پڑیں ۔ سلائیاں ان کے ہاتھوں سے گر چکی تھیں ۔ سب
ہی گھبرا گئے اور یوں دیکھنے لگے جیسے میں نے چوری کرتے میں انھیں پکڑ لیا۔

" ساجدہ کہاں ہیں ؟" میں نے پوچھا اور ساجدہ کی امی بدحواسی میں ساجدہ کو پکارنے
لگیں ۔

"کون آیا ہے ؟" کسی نے بڑے نرم لہجہ میں پوچھا اور پردہ ہٹا کے باہر آگیا ۔
اسے دیکھ کر میں نے اپنی چیخ گلے میں گھونٹ لی ۔ خوف کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے
پڑ گئے ۔ میرے سامنے ایک چڑیل کھڑی تھی ۔ اس کا منہ شاید چیل کوّوں نے نوچ کھایا تھا ۔ آنکھوں
کی جگہ سرخ گڑھے تھے اور ناک سے ٹھوڑی تک کہیں گوشت اور کھال نہ تھی ۔

"یہاں آئیے" ساجدہ جلدی سے آئی اور اپنے ہاتھوں میں مجھے یوں سنبھال لیا جیسے میں
گرنے والی ہوں ۔ اس کی ماں نے بھی مجھے سہارا دیا ۔ خوف کے مارے میں تھر تھر کانپ رہی تھی ۔
اور میرے پاؤں ساجدہ کے ساتھ جانے کدھر گھسٹ رہے تھے

" کیا اوپر والی کرایہ دار آئی ہیں ۔۔۔ ؟" وہ چڑیل آگے بڑھنے لگی ۔۔ " ٹھیرو ذرا میں بھی
ان سے باتیں کروں گی " وہ جانے کیسے چل کر ہمارے کمرے میں چلی آئی ۔

" یہ ہماری رفو پھوپھو ہیں ۔ کل میں ان کے بارے میں بتانا بھول گئی تھی " ساجدہ نے
آہستہ سے میرے کان میں کہا ۔۔ " ان کے منہ پر غلطی سے تیزاب گر گیا تھا ۔ اس کی وجہ سے سارا
چہرہ جل گیا ہے "

یہ سن کر میں کچھ حواسوں میں آئی ۔

" اسی لئے تو ہم کسی کو اپنے گھر نہیں بلاتے " آپ کو ڈر تو نہیں لگ رہا ہے ۔۔۔ ؟" ساجدہ
اور اس کی ماں شرمندہ ہو رہی تھیں اور ساجدہ مجھ سے چھپ کر اپنے آنسو پونچھنا چاہتی تھی ۔

" پرسوں رات آپ ہی ہمارے صحن میں اجالا پھیلا رہی تھیں ۔۔۔ ؟" بغیر ہونٹوں کی

www.taemeernews.com

ہلتی ہوئی بتیسی دیکھ کر ٹھنڈے پسینے چھوٹ جاتے تھے۔

جواب کا انتظار کئے بغیر انہوں نے پھر پوچھا "میری صورت دیکھ کر آپ کو ڈر تو نہیں لگ رہا ہے؟"

"جی نہیں" میں نے نہایت مری ہوئی آواز میں کہا۔ یوں جیسے ماں کے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر بچے جھوٹ نہ بولنے کا اقرار کریں۔

اب میں نے ذرا اطمینان کا سانس لے کر اسے دیکھا۔ اس کے سیاہ بال اور سڈول جسم پچیس میں برس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ گلابی گلابی سی رنگت تھی اور ہاتھ تو اتنے خوبصورت تھے کہ میں انہیں دیکھے گئی۔ ایسے گلابی سڈول ہاتھ صرف چغتائی کی تصویروں میں نظر آتے ہیں۔ تو شاید کل یہی آواز چاندنی میں نہانا چاہتی تھی۔

"آپ کی شادی کو کتنے دن ہوئے ہے؟" انہوں نے پھر پوچھا تو ساجدہ کی امی نے میرے کان میں کہا۔

"معاف کیجئے۔ آپ اس دروازے سے اوپر چلی جائیے' ورنہ رفو آپ کی جان کھا جائیگی۔"

اور اب میں سوچتی ہوں کہ میں اس دروازے سے باہر کیوں نہ چلی گئی۔ آخر رفو نے میری جان کھالی۔ بعض وقت ذرا سی کاہلی انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے! شاید یہ "خود مختار منزل" کا سحر تھا۔ شاید اس گھر میں کوئی ایسی خوشبو ضرور پھیلی تھی کہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا تھا۔ جبھی تو رفو پھوپھو کی اس خوفناک صورت میں جانے مجھے کونسی کشش نظر آئی کہ میں وہاں بیٹھی رہی۔

"بھابی جان! کیا یہ بہت خوبصورت ہیں ــــ؟" آخر وہ میرے پاس آ بیٹھیں

"ہاں! ماشاءاللہ بڑی پیاری سی صورت ہے۔" ساجدہ کی امی نے پھر سلائیاں اٹھالیں۔

"جبھی تو ـــ" انہوں نے اپنے گلابی ہاتھوں کو ملتے ہوئے کہا "جبھی تو ہماری چھت پر آج کل چاندنی اتنی دمکتی ہے۔" شاید وہ ہنس رہی تھیں' بغیر ہونٹوں کی خوفناک ہنسی۔ میں شرما گئی ـــ ہائے اللہ یہ لوگ ہماری سب حرکتیں دیکھتے ہیں' ساری باتیں سنتے ہیں۔

www.taemeernews.com

"مجھے بڑا اچھا لگتا ہے" وہ میرے اور قریب سرک آئیں اور بڑی محبت سے میرا سانولا ہاتھ اپنے گلابی ملائم ہاتھوں میں تھام لیا۔ "مجھے بڑا اچھا لگتا ہے جب کسی میاں بیوی میں اتنی گہری محبت ہو۔ جب آسمان کا چاند کسی کو زمین پر مل جائے تو عورت کو پھر کیا چاہیئے؟"

وہ جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ جلدی جلدی' ہنس ہنس کے' رُک رُک کر' ٹھنڈی سانسیں بھر کے اور خوشی سے لرزتے ہوئے لہجے میں' جانے کیوں میرے دل میں ان کا احترام بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے لوگ دنیا میں کتنے کم ہیں جن کا چہرہ جل جائے اور دل سیاہ نہ پڑے۔

پھر انہوں نے چائے منگوائی۔ الماری سے پھل نکال کر لائیں۔ پنکھا کھولا۔ بالکل اسی طرح چلتی پھرتی رہیں جیسے آنکھوں والے کام کرتے ہیں۔ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ لاٹھی تھامے بغیر وہ کیسے چلتی ہیں۔ آخر میں پوچھ ہی بیٹھی۔ وہ پھر ہنس پڑیں۔

"مجھے اس گھر میں چلنے کی عادت ہے۔ اسی گھر میں تو میں پیدا ہوئی تھی۔ اکیس برس تک میں نے دونوں آنکھوں سے اس دنیا کو خوب دیکھ لیا ہے اور سچ پوچھو تو مجھے اب بھی ہر چیز نظر آتی ہے۔ میں نے تو صرف ایک شکل نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں بند کر لی ہیں"

رفو پھوپھو کے اوپر مجھے کئی پردے لٹکتے دکھائی دیئے۔ کون جانے اندر وہ کہاں چھپی بیٹھی ہیں۔

"تین گھنٹے بعد وہ بڑی مشکل سے مجھے اجازت دینے پر آمادہ ہوئیں۔ چلتے وقت مجھے یوں گلے لگایا جیسے میں ان کی سگی بہن ہوں اور برسوں کے لئے بچھڑ رہی ہوں۔

"پھر کب آؤ گی۔؟"

"کسی بھی دن" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں۔ ہم تو کل دوپہر کھانے پر تمہارا انتظار کریں گے" انہوں نے میری ساری کا پلّو تھام لیا۔ "تمہیں ساری کتنی جچ رہی ہے"

"یہ سینٹ انہوں نے لاکر دیا ہے" میں نے شرما کر کہا۔

"نہیں۔ ہم سے مت چھپاؤ۔ یہ تو کسی کے پیار کی خوشبو ہے" انکی بتیسی پھیل گئی۔

www.taemeernews.com

"آپ کو اس خوشبو کی بڑی پہچان ہے۔ پھر تو ہم بھی آپ کا دوپٹہ سونگھیں گے"۔ میں نے ان کا دوپٹہ تھامنا چاہا تو وہ پیچھے ہٹ گئیں۔

"ہم سے ایسا مذاق مت کرنا ورنہ ہم خفا ہو جائیں گے"۔

گھر آنے کے بعد میں نے وہ ساری اُتار پھینکی جسے رفو پھوپھو نے چھوا تھا۔ اپنے ہاتھ خوب خوب رگڑ کے دھوئے۔ اور میرا جی چاہا کہ کسی طرح قے کر کے وہ چائے اور سیب نکال دوں جو انھوں نے اپنے ہاتھ سے کھلائے تھے۔

پھر میں رفو پھوپھو کے بارے میں سوچتی رہی۔ سُنا ہے مرد جذبۂ رقابت میں ایسی آوارہ عورتوں پر تیزاب پھینک دیتے ہیں، ان کی ناک کاٹ دیتے ہیں تاکہ وہ زندگی بھر اس بیوفائی کی نشانی اپنے چہرے پر لئے پھریں۔ مگر جلانے والے نے رفو کے ہاتھ کیوں چھوڑ دیے۔ ان کے ہاتھ بھی تو بڑے خوبصورت ہیں۔ کتنے گرم اور ملائم ۔۔۔ توبہ ۔۔۔ میں نے اپنے ہاتھ پھر رگڑ ڈالے۔

شام کو وہ آفس سے آئے تو میں دن بھر کی کتھا انھیں سنانے کو بیقرار بیٹھی تھی۔

"ایسی آوارہ لڑکیوں کا تو یہی حشر ہوتا ہے"۔ وہ لاپروائی سے بولے "اچھا ہے اب اس گھر کی دلچسپ کہانیوں میں تمہارا وقت خوب کٹے گا"۔

دوسرے دن شام کو میں ان کے ساتھ پکچر دیکھنے جا رہی تھی کہ زینے میں ساجدہ مل گئی۔

"کل آپ نے خوب انتقل رد کھایا' رفو پھوپھو نے تو کل سے کھانا نہیں کھایا ہے"۔

"واقعی ۔۔۔!" میں شرمندہ ہو گئی اور انھیں باہر ٹھہرا کے ساجدہ کے ہاں چلی گئی۔

ساجدہ کی امی نے میرے سلام کے جواب میں چاند سے بیٹے کی دعائیں دیں اور میری آواز سن کر رفو پھوپھو پلنگ سے اٹھ بیٹھیں۔

"اچھا نوری آ گئیں ۔۔۔! کل تو اپنے میاں کی صورت دیکھ کر تم اس نکٹی چڑیل کو بھول ہی گئیں"۔

"اس کا تو دماغ چل گیا ہے"۔ ساجدہ کی امی نے میری پشیمانی دیکھ کر کہا۔ "میں نے کل وکھ سمجھایا کہ تم کھانا کھا لو شاید انھیں یاد نہ رہا ہو۔ مگر یہ ایک سر پھری ٹھہری ۔۔۔ کل سے بھوکی

www.taemeernews.com

پڑی ہے "۔

"مجھے واقعی بڑی شرمندگی ہے۔ آپ کل سے میری خاطر بھوکی ہیں " میں نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھام لئے۔

"نہیں ۔۔۔ بس یونہی میں نے کھانا نہیں کھایا " وہ لاپروائی سے بولیں " تم جانے کیوں مجھے بہت پسند آگئی ہو اور مجھ منحوس کی یہ عادت ہے کہ جس جو اچھا لگے ہم اسی کے ہیں یا پھر کسی کے نہیں ۔ کل سے میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں ایک منٹ کو نہ چھوڑوں ۔ کل میں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے کلیجی پکائی تھی "۔

" تو آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا "۔ میں نے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔

" نہیں ، اس کی کیا ضرورت تھی "۔ وہ شدت اضطراب میں کانپ رہی تھیں ۔ " جو بات دل سے اتر جائے اسے یاد دلانے سے کیا فائدہ ۔۔۔ ! "

پھر مجھے جانے کیا ہوا ۔۔۔ جانے کونسی آنچ تھی جس میں میری ساری نفرت میں میری ساری نفرت اور خوف پگھل گیا ۔ اور میں نے جلدی سے رفو پھوپھو کے گلے میں باہیں ڈال دیں ۔ وہ مجھ سے چمٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں ۔ ان کی آنکھوں کے سرخ گڑھے گہرے سرخ ہو رہے تھے بغیر آنکھوں کے آنسو بہانا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے ۔

ان کا دکھ دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں ۔ ہمارے ساتھ ساجدہ اور اس کی ماں بھی آنسو پونچھ رہی تھیں ۔

پھر ہم میز پر گئے ۔ کل کی باسی کلیجی کے نوالے انھوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے کھلائے ۔ اس کے بعد امرود کا وہ کچا لو کھلایا جو انھوں نے خود بنایا تھا ۔ پھر میں نے ان کے ہاتھ کا بنا ہوا پان کھایا ۔ سات بجے شام کو جب میں بڑی مشکل سے دوسرے دن دوپہر کو آنے کا وعدہ کر کے اوپر آئی تو وہ شرٹ اور جوتوں سمیت مسہری پہ لیٹے اونگھ رہے تھے ۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے غصہ کے مارے منہ پھیر لیا ۔ اور میں ساکت ہو کر رہ گئی ۔

رفو پھوپھو کے پاس بیٹھ کر مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں ان کے ساتھ پکچر دیکھنے نکلی تھی ۔

www.taemeernews.com

میں نے انھیں ہزار طرح سے منایا مگر وہ طعنے دیتے رہے۔

"میں تو اسی قابل ہوں کہ تم اس نکمّی چڑیل کو دیکھ کر مجھے بھول جاؤ۔ اچھا ہوا تم جنت کی حور کی تھیں وہاں تمہیں اپنے قدرداں مل گئے۔"

اب میں سخت الجھن میں تھی کہ رفّو پھوپھو کے بارے میں انھیں کیسے سمجھاؤں۔ اس دن سے آج تک میری یہ الجھن باقی ہے۔ جانے کیوں انھیں رفّو پھوپھو سے بیر بڑھتا گیا۔ اور میں ان کے حضوری پہ چھپ چھپے جاتی جیسے ان کی غیر موجودگی میں اپنے کسی عاشق کے پاس جا رہی ہوں۔

مجھے دیکھ کر ساجدہ کی امی کہتیں "رفّو نامراد کو تم کیا ملی ہو جیسے آنکھوں کی روشنی مل گئی ہے۔ سارا دن تمہارا ذکر کرتی ہے" "تمہارے لئے کھانے پکواتی رہتی ہے۔"

میری آواز سنتے ہی وہ دوڑتی ہوئی آئیں۔ کئی بار وہ راستے میں رکھے ہوئے اگالدان میز یا کرسی سے ٹکرا کے گر پڑیں۔ گھٹنے زخمی ہو گئے، کہنیاں چھل گئیں مگر وہ گھٹنے سہلا کر مجھ سے لپٹ جاتیں۔

"تم کہاں ہو، یہ تو میں تمہاری خوشبو سے پہچان لیتی ہوں"

"میں تو کوئی خوشبو نہیں لگاتی رفّو پھوپھو! آپ جانے کیسے مجھے سونگھ لیتی ہیں؟"

"تم یہ باتیں نہیں سمجھو گی" انہوں نے آہ بھر کے کہا "میں تو ہر وقت تمہیں دیکھتی رہتی ہوں۔"

"مگر رفّو پھوپھو میں اتنی اچھی نہیں ہوں، آپ مجھے دیکھتیں تو ریجکٹ کر دیتیں۔"

"نہیں تم بہت پیاری ہو" وہ میرے ہاتھ تھام لیتیں "جبھی تو تمہارے میاں تمہیں اتنا چاہتے ہیں۔ مرد عورت کی شکل ہی تو دیکھ سکتے ہیں۔ روح میں جھانکنے کی فرصت کسے ملتی ہے۔"

وہ بڑی فلاسفر بن کر کہتیں۔

رفّو پھوپھو سے میری بڑھتی ہوئی دوستی ساجدہ کے ہاں بھی کسی کو پسند نہیں تھی۔ ان کی طرف جھکتے دیکھ اب ساجدہ بھی مجھ سے کھنچی کھنچی رہتی۔ ساجدہ کی امی اٹھتے بیٹھتے رفّو کو ڈانٹتیں،

"تجھے تو دنیا میں اور کوئی کام نہیں رہا۔ مگر نوری بچاری تو بلے کا رنہیں ہے۔"

www.taemeernews.com

کبھی یوں ہوتا کہ ان کے آفس سے آنے کا وقت ہو جاتا، میں گھر جانا چاہتی مگر رفو پھوپھو میرے ہاتھ نہ چھوڑتیں۔ اب میں انھیں کیسے سمجھاتی کہ وہ میرے وہاں ہونے سے کتنے خفا ہوتے ہیں۔ ایسے وقت پھر ساجدہ کی امی اٹھتیں۔

"کم بخت نامراد بلا کی طرح چمٹ گئی ہے۔ بیماری کی جان کو ــــ وہ بھی تو گھر بار والی ہے۔ ہر وقت تیری وحشت ناک صورت کہاں تک تکے جائے گی۔"

پھر وہ زینے میں آکر مجھ سے معافی مانگتیں۔

"کیا کروں بیٹی! اللہ نے مجھے جانے کن گناہوں کی سزا دی ہے۔ کم بخت کو موت بھی تو نہیں آتی اسی لئے میں تو اپنے گھر میں کسی کو بلاتے ہوئے ڈرتی ہوں۔"

مجھے اور شرمندگی ہوتی۔ اب میں سب کو یقین دلاتی کہ مجھے رفو پھوپھو بہت پسند ہیں۔ میں ان کے پاس مجبوراً نہیں بیٹھتی مگر کوئی یقین نہ کرتا۔

گھر آتی تو وہ الگ خفا ہوتے۔ انھیں جانے کیوں رفو پھوپھو اتنی بری لگتی تھیں۔ اب تو وہ میری ساری لاپروائیوں کا الزام رفو پھوپھو پر رکھتے۔

"آپ تو یوں ان سے جلنے لگے ہیں جیسے وہ آپ کی رقیب ہوں۔" ایک دن میں ان سے لڑ پڑی۔

"اور نہیں تو کیا رقیب کے سر پر سینگ ہوتے ہیں" انھیں بھی غصہ آگیا ــ "میں خوب جانتا ہوں ایسی عورتوں کو۔ اب کوئی مرد تو اس کی صورت پر تھوکے گا نہیں اس لئے وہ تمہیں اپنے جال میں پھانس رہی ہے۔"

"آپ مجھے ایسی ذلیل عورت سمجھتے ہیں؟" بے بسی کے مارے میں رو پڑی۔

اس دن ہم دونوں خوب لڑے مگر یہ ہماری پہلی لڑائی تھی اس لئے انہوں نے مجھے فوراً منا لیا۔ میں نے اس دن رفو پھوپھو سے کبھی نہ ملنے کی قسم کھالی تھی۔ آخر انھیں ہتھیار ڈالنا پڑے اور وہ خود زبردستی مجھے زینے تک چھوڑنے آئے۔

مجھے ڈر تھا کہ تین دن تک نہ جانے سے، رفو پھوپھو نے اپنا جانے کیا حال کیا ہوگا۔ مجھ

www.taemeernews.com

سے بہت خفا ہوں گی۔ مگر وہ حسبِ عادت اسی بے تابی سے میری طرف دوڑیں۔

"رفو پھوپھو! میں تین دن تک نہ آسکی' بات یہ ہوئی کہ ---"

"اونہہ' بات کچھ بھی ہو" انھوں نے میری بات کاٹ دی۔

"میں جانتی ہوں کہ کوئی مجھے آخر کیوں پسند کرے گا! تمہارے میاں بھی مجھ سے ملنے پر خفا ہوتے ہوں گے"۔

"نہیں اللہ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں"۔ میں حیران تھی کہ یہ بات انھیں کیسے معلوم ہوئی۔

"مجھے اتنا بے وقوف مت سمجھو نوری!" آج جانے کیوں اتنی سنجیدہ ہو رہی تھیں۔ "میں نے حماقت میں ہمیشہ چلتی ہواؤں کو پکڑنے کی کوشش کی ہے"۔

"رفو پھوپھو! مجھے معاف کر دیجئے" میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔

"معافی کاہے کی پگلا" انھوں نے بڑے پیار سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "کیا میں یہ بات نہیں جانتی کہ تمہارے میاں کیا چاہتے ہوں گے --- مجھے تم اسی لئے تو اچھی لگتی ہو کہ کوئی تمہیں اتنا چاہتا ہے"۔

"رفو پھوپھو" --- میں جانے کیوں چلا پڑی --- "وہ کون ظالم تھا جس نے تیزاب پھینک کر آپ کی دنیا جلا ڈالی" میری آنکھوں میں سچ مچ آنسو آ گئے۔

"پاگل' تم سے یہ غلط بات کس نے کہی کہ کسی نے مجھے اندھا کر دیا۔ میں نے خود اپنی آنکھیں پھوڑی ہیں"۔

"سچ" میں اچھل پڑی۔

"ہاں ---!" ان کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ "تم ذرا سوچو کہ جو ہماری جان بھی ہو اور روح بھی' جس کی محبت پر ہمیں اپنے وجود کی طرح یقین ہو وہ اچانک بدل جائے تو --- تو" ان کی آنکھوں کے گڑھوں سے جیسے خون ٹپکنے والا تھا ---" نجم میری آنکھوں میں بار بار جھانکتا تھا --- رفو! کیا بات ہے تمہاری آنکھوں کے اندر میں ہی نظر آتا ہوں"۔ اس کی یہ بات سن کر میرا جی چاہتا کہ اپنی آنکھیں کس کے بند کر لوں' کہیں نجم پھسل نہ جائے ---- اور پھر وہ نجم مجھ سے بدل گیا۔

www.taemeernews.com

ایک کروڑپتی کی دولت نے اُسے کھینچ لیا۔ مجھے لوگوں کے کہنے پر یقین نہ آتا تھا۔ پھر اس نے خود مجھ سے کہا کہ ابّا جان زبردستی ایک لڑکی میرے سر منڈھ رہے ہیں۔ یہ سن کر میں چپ رہی۔ میں نے اس کی دلہن کے کپڑے خود سیئے، رات رات بھر جاگ کر آنگن میں گیت گائے۔ جو چیز ہماری نہیں رہی اس کے لئے کیوں روئیں۔ پھر دروازے پر وہ شہنائیاں گونج اٹھیں جو ہمیشہ سے میرے کانوں میں بسی ہوئی تھیں۔ میں نے کتنے ہزار بار یہ خواب دیکھا تھا کہ گھر روشنیوں سے جگمگا رہا ہے۔ آنگن میں میرا شفیں گا رہی ہیں اور نجم کی بہنیں اپنے جگمگاتے دوپٹے اس کے سہرے پر ڈالے اسے مسند کی طرف لا رہی ہیں۔ پھر کوئی زور سے چلّایا "نجم کی دلہن کہاں ہے ــــ؟" اور میں پان بناتے بناتے رک گئی۔ اس کے بعد میں اپنے گھر کی طرف تیزی سے بھاگی۔ پھر سب مجھے ڈھونڈنے نکلے کہ میں نجم کی دلہن دیکھوں۔ نجم خود آیا۔

"میں تمہاری دلہن کو اس لئے نہیں دیکھوں گی اس نے کہیں میری آنکھیں دیکھ لیں تو ــــ؟"

یہ سن کر نجم چلا گیا مگر اس کی دلہن خود اندر آ گئی۔ میں گھبرا کے بھائی جان کی ڈسپنسری میں بھاگی اور تیزاب کی بوتل اپنے چہرے پر انڈیل لی۔

اُفوہ ــــ مجھے کس قدر سکون ہوا ہے اس دن ــــ" رفو پھوپھو نے اطمینان سے کہا "جیسے میری جلتی ہوئی آنکھوں پر کسی نے برف کی ڈلیاں رکھ دیں۔ جیسے کلیجے میں بھڑکتی ہوئی آگ پر کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔

"مگر رفو پھوپھو! آنکھیں اتنی سستی تو نہیں ہوتیں کہ ایک شخص کے لئے بند کر لی جائیں" میں آخر پوچھ بیٹھی۔

"مجھے آنکھیں جلانے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی چندا ــــ" انہوں نے بڑی محبت سے میرے ہاتھ تھام لئے۔ "میں اب بھی اپنا ہر کام کر لیتی ہوں" اور پھر وہ آنکھیں میری کہاں رہی تھیں جن میں نجم بسا ہوا تھا ــــ

میں نے ان کے ٹھنڈے سفید ہاتھ پکڑ لئے۔

"جانے نجم صاحب آپ کے ہاتھ کیسے بھول سکے ہوں گے۔ سچی رفو پھوپھو! میں تو آپ کے

www.taemeernews.com

ہاتھوں پر مرتی ہوں۔"

"ہائے اللہ! یوں نہ کہو بھئی" وہ خوش ہو گئیں۔ "کہیں میں یہ ہاتھ تمہیں نہ دے دوں۔"

پھر ہم دونوں ہنس پڑے۔

"اب ان ہاتھوں کو کبھی نہ چھوڑنا۔ ورنہ یہ بھی بے معرف ہو جائیں گے۔"

اس دن ہم خوب ہنسے تھے۔ رفو پھوپھو کے دل سے بھی جیسے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ اور وہ بہت خوش تھیں۔ ساجدہ اور اس کی امی بھی اس دن ہمارے پاس آ بیٹھیں۔ وہ دور سے پرتھے اس لئے دن بھر ہم نے خوب لطیفے سنائے۔ ساجدہ کی امی نے پوریاں بنائیں اور رفو پھوپھو نے خود فروٹ سلاد بنایا۔

وہ میرے لئے خود کھانا پکاتی تھیں چاہے کتنی ہی بار ہاتھ جلے۔ خود کپڑے خرید کر میرے لئے سلواتیں، میرے لئے تحفے بھیجتیں تو وہ اٹھا کر پھینک دیتے۔ رفو پھوپھو کی بے بسی سنا کر میں نے کتنا چاہا کہ ان کے دل میں رفو پھوپھو کے لئے رحم جاگے مگر ان کا دل اور پتھر بن گیا۔ میں نیچے جاتی تو وہ میرا راستہ روک لیتے۔ پھر ایک دن انہوں نے کہا کہ اب ہم دوسرے مکان میں چلے جائیں گے۔ ان کی خود غرضی پر میں بھنا اٹھی۔ رفو پھوپھو کو مجھ سے دور کر کے انھیں کیا ملے گا۔ میرا جی چاہا کہ ان سے خوب لڑوں۔ مگر عشقِ مصلحت آمیز نے مجھے صبر کرنا سکھا دیا تھا۔

اس دن رفو پھوپھو کا اندھا پن میرے آنسو نہ دیکھ سکا، جب میں نے انھیں گھر بدلنے کی خبر سنائی۔

"یہاں تمہیں کیا تکلیف ہے؟" انہوں نے اداس لہجہ میں پوچھا "اگر کرایہ زیادہ ہے تو میں بھائی جان سے کہہ کر کم کروا دوں گی۔"

"نہیں یہ بات ہے کہ ان کا آفس دور چلا گیا ہے اس لئے ہم وہیں رہیں گے۔"

"اچھا۔" وہ خاموشی سے بستر پر لیٹ گئیں۔ "جب تم نہیں آئی تھیں تو تمہاری آواز سن کر خوش ہو لیتی تھی۔"

"میں وہاں سے بھی آپ کے پاس آیا کروں گی۔" پھر میں رونے لگی اور یہ دیکھ کر میرے

www.taemeernews.com

میرے آنسو اور بہنے لگے کہ رفو پھوپھو رونا چاہتیں مگر رو بھی نہ سکتی تھیں ۔

اب میں کبھی کبھار ان سے چھپ کر رفو پھوپھو سے ملنے آجاتی تھی ۔ ان دنوں مجھے متلی چکر شروع ہوا ۔ رفو پھوپھو نے یہ خبر سنی تو بس کھل اٹھیں ۔

" نوری ! اب تو میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے بینائی مل جائے ، میں اپنے بیٹے کو دیکھ لوں "

وہ مجھے روز کھٹی میٹھی چیزیں پکا کر بھیجتی تھیں ۔ انہوں نے سامان سے بہت سے چھوٹے چھوٹے کپڑے سلوائے تھے ۔ میری آواز سنتے ہی وہ کوئی لوری گانے لگتیں ۔ پھر مجھے گلے لگا کر پیار کرتیں ۔ انھیں ہنسی آئے چلی جاتی ۔

پھر ایک دن انہوں نے نہایت سنجیدگی سے کہا

" نوری ! تمہیں یاد ہے نا میں نے اپنے ہاتھ تمہیں دے دیئے ہیں ـــ ، تو بھئی ان کا مصرف یہ ہوگا کہ تمہارا بچہ پالیں گے " " تم اس کیلئے آیا مت رکھنا ۔ مجھے اپنے گھر میں رکھ چھوڑنا "

" ہائے رفو پھوپھو ! ایسا نہ کہیئے " میں واقعی سہم گئی ۔ ایسی خوفناک صورت والی اندھی سے وہ اپنا بچہ کیوں پلوائیں گے ۔

آج کل تو وہ مجھ سے اور بھی خفا رہتے تھے ۔ رفو پھوپھو ہمارے گھر سے اتنی دور تھیں ۔ پھر بھی وہ ہر وقت ہمارے گھر پہ چھائی رہتیں ۔ اب وہ مجھ سے سیدھی طرح بات بھی نہ کرتے ۔ آفس سے اچانک بے وقت لوٹ آتے محض یہ دیکھنے کے لئے کہ میں گھر میں ہوں یا رفو پھوپھو کے ہاں ۔

کبھی کبھی میں سوچتی کہ بس اب رفو پھوپھو سے میری دوستی ختم ۔ میں اپنا گھر کیوں جلاؤں ۔ وہ مجھ سے دور ہٹتے جا رہے تھے ۔ راتوں کو دیر سے گھر آتے ۔ میرے ساتھ کھانا بھی نہیں کھاتے تھے ۔

پھر ایک دن رفو پھوپھو کے تقاضوں سے تنگ آکر میں ان کے ہاں گئی تو بس ان سے الجھ پڑی

" میں آخر اپنے میاں کا بھی کچھ خیال کروں یا دن رات آپ ہی کے پاس بیٹھی رہوں ۔ وہ میری لاپروائیوں سے کتنے اداس رہنے لگے ہیں "۔

یہ سن کر رفو پھوپھو خلافِ توقع کھل اٹھیں ۔

www.taemeernews.com

"اللہ تم دونوں کی محبت قائم رکھے۔ میں اب کبھی تمہیں نہیں بلاؤں گی۔ بس اب میں اپنے بیٹے کو پیار کرنے خود ہی آؤں گی۔" ان کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔

آخر میں ہار گئی۔ رفو پھوپھو تو کانٹوں بھری جھاڑی بن کر مجھ سے لپٹ گئی تھیں۔ ایک طرف سے چھڑاتی تو دوسری طرف سے گھیر تیں۔

پھر میری طبیعت خراب ہوئی۔ جس وقت میں ہاسپٹل جا رہی تھی تو وہ بار بار آنکھیں مل رہے تھے۔ ان کی اداس صورت دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ میں اپنی تکلیف بھول گئی۔ آج کتنے دنوں بعد میں نے اپنے لئے ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ منا پیدا ہوا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ میرے پاس آ بیٹھے جیسے انھیں مجھ سے کوئی شکایت ہی نہ رہی ہو۔

منے کو لے کر جب ہم گھر آئے تو میں نے ان سے ایک ہی التجا کی اور انہوں نے میری بات مان لی۔ آج تو وہ میری ساری خطائیں معاف کر چکے تھے۔ مجھے منہ مانگا انعام دے سکتے تھے۔

پھر وہ خود رفو پھوپھو کو لانے ان کے ہاں گئے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر خود سیڑھیاں چڑھائیں۔ اور جھولے میں سے بچہ اٹھا کے ان کی گود میں دیا۔

"لیجئے یہ ہے ہمارا منا"

"آپ کا منا نہیں یہ تو میرا بچہ ہے" رفو پھوپھو نے اسے سینے سے چمٹا کر کہا "اسے میں پالوں گی"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔!" اچانک جانے کیوں انہیں غصہ آ گیا۔ "بھلا آپ بچے کو کیسے پال سکتی ہیں — نہیں صاحب، میں اپنے بچے کے بارے میں اتنا جذباتی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

رفو پھوپھو نے کچھ نہ کہا — خاموشی سے اپنے ہاتھ مروڑنے لگیں۔ میں بھی تڑپ کر رہ گئی۔ بھلا کوئی یوں بے مروتی سے جواب دیتا ہے۔

رفو پھوپھو نے آہستہ سے بچہ مجھے دے دیا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ کمرے میں بڑی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بے حد غصہ میں کرسی پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے — پھر

www.taemeernews.com

اچانک رفو پھوپھو کی چیخ سن کر میں اچھل پڑی ۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھیں اور ان کے دونوں ہاتھ کرسی کے بیچ میں پھنس گئے تھے ۔ ہم دونوں نے بڑی مشکل سے کھینچ کھینچ کر ان کے ہاتھ نکالے جو کہنیوں کے پاس سے ٹوٹ کے مڑ گئے تھے ۔ اور ساری کرسی خون سے رنگ چکی تھی ۔

"رفو پھوپھو ! یہ آپ نے کیا کیا ۔" میں غم کے مارے پاگل ہو گئی ۔

"میں بے مصرف چیزوں کو اپنے پاس نہیں رکھتی ۔" انہوں نے آہستہ سے کہا اور خاموش ہو گئیں ۔ اس کے بعد جانے مجھے کیا ہوا کہ میں منے کا گلا دبانے دوڑی ۔ میرا بس چلتا تو میں منے اور اس کے ابا دونوں کو ختم کر ڈالتی ۔ دنیا سے ساری بے مصرف چیزوں کو مٹا ڈالتی ۔

لیکن میری کوئی آرزو پوری نہ ہوئی ۔ یہاں سلاخوں کے پیچھے بستر پر لیٹی میں منے کا انتظار کرتی ہوں ۔ وہ کتنے بے درد ہیں کہ مجھے اس اندھیرے کمرے میں بند کر گئے ہیں ۔ یہاں بیٹھی میں سوچتی ہوں کہ اپنے بے مصرف ہاتھوں سے میں رفو پھوپھو کی کہانی ہی لکھ لیتی ۔

www.taemeernews.com

اے دِل اے دِل

یہ عورت ذات بھی عجیب گورکھ دھندا ہے۔ مل جائے تو نظر نہیں آتی' اور نہ ملے تو اس کے سوا کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

مجھ سے کوئی پوچھے کہ میں نے زندگی بھر کیا کیا ہے تو میرا جواب یہی ہوگا کہ میں نے صرف عورت کی خوب صورتی کا زہر پیا ہے۔ یہ زہر میری رگ رگ میں دوڑ رہا ہے۔ یہ میری ساری زندگی میں کڑواہٹ گھول گیا ہے۔

آج کیسی سرد رات ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہوتے جا رہے ہیں۔ باہر ہوا کتنی تیزی سے چل رہی ہے۔ جیسے بند دروازوں اور بند دلوں کو آج جھنجھوڑنے پر تلی ہوئی ہو۔ یہ تیز ہوا آج ہر بدن کو سرد کر دے گی۔ ہر دل کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھا دے گی۔

آج دس برس کے بعد طارق آیا تھا مگر وہ اپنے ساتھ کیا کیا لے گیا — میں اس آدمی کی طرح گرا جا رہا ہوں جس کے سر پر دس برس تک دس من بوجھ رکھا ہو۔

میں نے شام سے اب تک شراب کی دو بوتلیں چڑھا ڈالی ہیں۔ لیکن پتہ نہیں آج شراب کو بھی کیا ہو گیا ہے۔ آج میری شاعری کہاں چلی گئی۔ آج میرے موڈ کو کیا ہو گیا۔

سب میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ کوئی میرے پاس نہیں ہے — جمیلہ بھی — وہ اپنے بچوں کو سینے سے لگائے گرم لحاف میں دبکی بڑے سکھ کی نیند سو رہی ہے۔ کتنا سکون ہے میری بیوی کے چہرے پر — وہ بالکل نہیں جانتی کہ اس نے اپنی اس معصومیت' اس دہکتے ہوئے حسین چہرے کی آگ سے کسی کی پوری زندگی تباہ کر ڈالی ہے۔

کوئی مجھ سے پوچھے کہ میں نے زندگی بھر کیا کیا ہے؟ بس یہی نا کہ ایک عورت کی ایک

www.taemeernews.com

جھلک دیکھنے کے لئے انتظار کرتا رہا۔ اس انتظار میں لڑکپن سے بڑھاپے کی سرحد پر آ گیا۔ اسی بیچ میں زندگی کے سارے لطف، تمام مزے، امنگوں کی عمر کا تمام حسن ـــــ سب میرے آس پاس سے مجھے چھوئے بغیر گذر گئے۔

اپنے اوپر لحاف کھینچ کر میں تاریکی کی گود میں چھپ جاتا ہوں، جیسے اب مجھے باہر کی روشنی سے، تیکھی سرد رات سے، اور بے خود بنا دینے والی چاندنی کے جادو سے کوئی سروکار نہ ہو۔

اندھیرے میں پوری طرح آنکھیں کھول کر میں پندرہ سال پہلے کی زندگی کی ایک ایک یاد کو سامنے رکھ رہا ہوں۔ وقت کی گرد جھاڑ پونچھ کر انہیں چمکا رہا ہوں۔

میں اس وقت کہاں ہوں۔ کہاں آ گیا ہوں؟ میرے پاس پلنگ پر میرے تینوں بچے سو رہے ہیں۔ اور وہ ـــــ وہ عورت جو میری بیوی ہے ـــــ وہ ہمیشہ دوسرے پلنگ پر اپنے بچوں کے ساتھ سوتی ہے، کیوں کہ میں ہمیشہ اس سے بہت دور رہا ہوں۔ جب کبھی دو پیسے کی ٹکیہائی کی طرح ذرا دیر کے لئے میں اسے اپنے پاس بلاتا تو میرے تصور میں کوئی اور عورت ہوتی۔ اور اس وقت یہ سوچ سوچ کر حسد کی آگ میں جلنے لگتا کہ وہ بھی کسی مرد کی بانہوں میں ہوگی۔ پھر میں جمیلہ کو پلنگ پر دھکیل دیتا تھا اور اپنی سسکیوں کو حلق میں دبا کر خود بھی پلنگ پر گر جاتا تھا۔

کچھ دن بعد جمیلہ اس بھید کو سمجھ گئی تھی۔ ایسے وقت وہ میرے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگتی، اپنے گال میرے کاندھے سے لگا کر کہتی "کبھی مجھے بھی تو بتائیے وہ کون تھی؟ کہاں ہے؟"

اس رات ہم دونوں جاگتے تھے۔ میں اس کی یاد میں، اور جمیلہ میرا ساتھ دینے کے لئے۔ جمیلہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہوتا۔ جمیلہ کے کاندھے پر میری گردن ہوتی۔ اس کے کھلے ہوئے بال میرے آنسوؤں سے بھیگ جاتے۔ کیسی عجیب عورت ہے یہ جمیلہ ـــــ مجھے اکثر تعجب ہوتا کہ وہ مجھے چھوڑ کر کیوں نہیں چلی جاتی؟ وہ مجھ سے کیا پانے کی امید میں بیٹھی ہے؟ جمیلہ کی اسی ادا نے مجھے گھیرے رکھا تھا۔ اور اسی چکر میں آ کر میں اس کے تین بچوں کا باپ بن گیا۔ حالانکہ میرا دل ابھی تک کنوارا تھا۔ میں نے اپنی چاہت، اپنی پیاس، اپنی محبت کا ہیرا ابھی تک اپنے ہی دل میں چھپائے رکھا تھا۔ مرد کی بھی عجیب ذات ہوتی ہے ـــــ عشق کے دھندے میں وہ کبھی بیوی کو شامل نہیں کرتا۔

www.taemeernews.com

بیوی روٹی سالن کی طرح زندگی کی ایک ضرورت بن جاتی ہے۔ لیکن اس کی زندگی کی تکمیل ہمیشہ محبوبہ سے ہوتی ۔ وہ اَن کہا جذبہ' وہ بے نام سی تڑپ' دل کی وہ گرہیں جو کسی کے چاہنے سے کھل جاتی ہیں' میرے دل میں بند پڑی تھیں اور میں پُروا میں دُکھنے والے زخم کی طرح یادوں کے گھاؤ کو سمیٹے بیٹھا تھا ۔ ایک ایسے دکھ کو جو صرف میرا تھا ۔

مجھے خود یاد نہیں تھا کہ یہ قصہ کب شروع ہوا تھا

میں فرسٹ ایر کے لئے پہلی بار کالج گیا تو طارق سے دوستی ہوگئی ۔ اس سے پہلے میں ایک اماں کی سخت نگرانی میں پلا ہوا ہائی اسکول کا ایک بھولا بھالا لڑکا تھا ۔ کبھی اکیلے سنیما جانے کی اجازت ملی تھی نہ رومانی ناول پڑھنے کی ۔ اماں ظالم بادشاہوں کی طرح نگرانی کرتی تھیں ۔ اور ابا کہتے تھے کہ لڑکوں کا کام صرف یہ ہے کہ دن رات آنکھوں سے کتابیں لگائے رکھیں ۔ میں بھی اپنی اس حالت پر قانع ہو چکا تھا کہ شریف لڑکوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے ۔ مگر کالج میں طارق کیا ملا کہ اس نے اماں کے سارے احکام دماغ سے نکال پھینکے ۔ طارق بڑا چھٹا ہوا تھا ۔ وہ میرے سامنے ایسی ایسی باتیں لے بیٹھتا کہ گھبراہٹ کے مارے میرا برا حال ہو جاتا تھا ۔ وہ دنیا کی ہر بات جانتا تھا ۔ محلے کی لڑکیوں سے عشق لڑاتا تھا اور چھپ چھپ کر سگریٹ بھی پیتا تھا ۔ میں طارق سے دور دور رہنا چاہتا تھا مگر کوئی انجانی کشش مجھے اس کے قریب کھینچ کر لے جاتی تھی ۔

طارق بڑا باتونی اور بے باک تھا ۔ راستہ چلتی لڑکیوں کو دیکھ کر بے جھجک سیٹیاں بجاتا' ان کے ناک نقشے پر فقرے کستا' ان کی اداؤں کا ذکر کر کے محبت کے نعرے لگاتا ۔ مجھے اس کی باتیں سُن کر بڑی شرم سی آتی تھی ۔ اس کے باوجود میں گم صم اس کے ساتھ ساتھ چلتا ۔

ایک دن ہم دونوں کالج جا رہے تھے کہ اچانک طارق نے کہیں اوپر دیکھتے ہوئے کہا'

"کھڑی ہے ۔ کھڑی ہے ۔ ارے ! ہائے ہائے ! اندر چلی گئی !"

"کون ؟ کون تھی ؟" میں نے اوپر دیکھتے ہوئے پوچھا

"ہائے ہائے ۔ کیا چیز ہے ظالم میں تجھے بتا نہیں سکتا ۔ یار یہ بتا تجھے شاعری کرنا آتی ہے ؟"

www.taemeernews.com

"شاعری ۔۔؟" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا "بس تھوڑی تھوڑی آتی ہے ۔ اصل میں ابا بڑے اچھے شاعر ہیں۔"

"ارے جا یار ۔۔ ہمیں ایسی باسی پھیکی سیٹھی پھٹیچر شاعری نہیں چاہیئے ۔۔ کاش ! کاش ۔ ہائے کاش کوئی شاعر اسے دیکھ لے ۔"

"کسے ؟" میں نے پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا ۔

"ارے اسی پری رخ ' شعلہ بدن ' ماہ پارہ کو ۔۔ یار خدا کی قسم رنگ تو ایسا ہے جیسے گلاب جامنوں کا کھویا گندھا رکھا ہو ۔۔ اور ہونٹ ایسے رسیلے کہ ۔۔ کہ ۔۔" وہ بڑی شرارت سے میری طرف دیکھنے لگا ۔

میرے تو جانے کیوں ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے ۔ اس دن کلاس میں مجھے کچھ سنائی نہیں دیا ۔ گھر آیا تو اختلاج سا ہو رہا تھا ۔ میں نے کھانا نہیں کھایا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا ۔ وہ رس بھرے نازک سے ہونٹ میرے بالکل قریب آجاتے تھے اور میں کانپ جاتا ۔۔ پھر گھبرا کے اِدھر اُدھر دیکھتا کہ کہیں اماں کو تو میرے خیالوں کی آوارگی نظر نہیں آرہی ہے ۔ اس دن اماں کے ساتھ میں کھانا کھانے بیٹھا تو میں نے ڈرتے ڈرتے کہا " اماں ، تم گلاب جامن کیوں نہیں بناتیں ؟"

" اچھا کل بنا دوں گی " اماں کو طرح طرح کی مٹھائیاں بنانے کا بڑا شوق تھا ۔

" اماں ، گلاب جامنوں میں کیا کیا ڈالتے ہیں ؟" میں نے جانے کیوں پوچھ لیا ۔

" ہاں کھویا ۔۔ میدہ ۔۔ شکر اور گھی ۔"

کھویا ۔۔ میدہ ۔۔ شکر اور گھی ۔۔ میں نے اپنے ہونٹ دانتوں میں دبا کر سوچا کہ میں بھی شاعری کروں گا ۔

اس دن شام ہوتے ہی میں بڑی بے تابی سے باہر نکلا اور اسی جگہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا ۔

ایک موٹی سی ادھیڑ عمر کی پنجابن ٹب لئے بالکنی میں آئی اور کدو کے بیج اور چھلکے نیچے پھینک گئی ۔ پھر دو بچے لڑتے ہوئے گزر گئے ۔ ایک موٹا سا سیاہ فام مرد ریلنگ سے نیچے جھک

 www.taemeernews.com

کر ناک صاف کرنے لگا۔ اوپر دیکھتے دیکھتے میری گردن دکھ گئی۔ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے میں گھر کی طرف لوٹ آیا۔

" لا یار، ملا ہاتھ گلاب جامن والا ۔۔۔ ابھی ابھی جب میں تجھ سے ملنے آرہا تھا تو ....."

طارق ہانپ رہا تھا۔

" تو کیا ہوا ؟" میرا دم سینے میں رک رہا تھا۔

" یار آج تو گلابی کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ بس کچھ پوچھو نہیں ۔۔۔ خدا کی قسم میں نے تو آج اس کے اوپر سے سورج چاند ستارے سب وار کر پھینک دئیے۔ شعلے کی طرح دہک رہی ہے کم بخت ۔"

" چلو دیکھیں " بے خودی میں طارق کا ہاتھ پکڑ کے میں تقریباً بھاگنے لگا۔

" نہ جو شرٹ الگنی پر پڑی ہے نا، اسی کی ہے۔ کل یہی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔"

سیاہ پرنٹیڈ شرٹ الگنی پر جھوم رہی تھی، اترا رہی تھی۔ جیسے ہنس ہنس کر ہم دونوں کو دھتا بتا رہی ہو۔

" بس کمر تو اتنی سی ہے " طارق نے اپنے انگوٹھے اور پہلی انگلی کو ملا کر دائرہ سا بنا دیا۔

میری رگ رگ میں کسی تیز شراب کا نشہ سا دوڑ رہا تھا۔ میرے سامنے ایک ہیولا ابھرا۔ ایک شعلہ بدن، پری رخ، ماہ وش حسینہ ۔۔۔ میٹھی میٹھی سحر انگیز۔

" چل یار، گلاب جامن کھانے کو جی چاہ رہا ہے "۔ طارق نے تھوک نگل کر کہا۔

حلوائی کی دوکان پر جب ہم دونوں کھڑے گلاب جامن کھا رہے تھے تو طارق کو بالکل احساس نہ تھا کہ میرے بدن پر کیسا لرزہ طاری تھا۔

اتنی پتلی کمر ۔۔۔ کیسی نازک ہوگی وہ ۔۔۔ بستر میں لیٹ کر میں نے سوچا۔ گلابی لباس میں چمکتی، گلاب جامن کی طرح مزے دار۔ میرے سینے میں ہلکا ہلکا سا درد ہونے لگا۔ لڑکپن کی اداسی اور تنہائی نے مجھے آگھیرا اور ایک غیر محسوس محرومی پر میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ میں نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا ۔۔۔ ہلکی ہلکی سسکیوں سے میرا بدن لرزنے لگا۔ جب آدمی کسی ایک کا

www.taemeernews.com

ہو جائے تو ساری دنیا کتنی بے معنی سی لگتی ہے۔ کیسے اچانک بہت دور چلی جاتی ہے! میرے چاروں طرف اجنبی دیواریں اٹھنے لگیں۔ کہانیوں کے بھولے بسرے کرداروں کی طرح میں اماں' ابا اور بہن بھائیوں کو دیکھنے لگا۔ اب میں صرف اسی کا ہوں۔ ایک دن میں نے اپنی نوجوانی کے تمام عزم کو سمیٹ کر ارادہ کیا ـــــ میں اسی کے لئے پڑھوں گا' اسی کے لئے جیوں گا۔

"ہائے ہائے! ہنستے وقت گالوں میں کیسے پیارے گڑھے سے پڑ جاتے ہیں۔ جی چاہتا ہے پرنگ جائیں اور اس کے پاس پہنچ جاؤں"۔ طارق آج پھر موڈ میں تھا۔

"کیا تمہیں دیکھ کر ہنسی تھی؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

"ارے نہیں یار ـــ مگر کبھی نہ کبھی وہ دن بھی آ ہی جائے گا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ دھپ سے ہاتھ بڑھا کر اسے نیچے اتار لوں"۔

ہم دونوں کھسیا کے ہنسنے لگے۔

"تو نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا؟" ایک دن طارق نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر میں تو ـــ میں نے سوچ لیا ہے کہ ـــ کہ ...." میں ہکلانے لگا۔

"ارے یار' خدا کی قسم سوچتے تو ہم بھی بہت ہیں۔ مگر کم بخت ہاتھ کیسے لگے؟"

پھر کچھ سوچ کر طارق نے کہا "سن محمود ـــ وہ کملا نہرو پالی ٹیکنک میں پڑھتی ہے۔ کسی دن ودیا سے ملنے کے بہانے وہاں پہنچ جاؤ۔ ودیا سے اس کی بڑی دوستی ہے"۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے تعجب سے سوچا کہ طارق کیسے اتنے بڑے بڑے مرحلے طے کر ڈالتا ہے؛ ودیا ہم دونوں کی دوست تھی اور ہماری کلاس میٹ بھی رہ چکی تھی۔

پھر ایک دن طارق نے ودیا سے کہا' "ودیا! ذرا اس شعلہ بدن' پری رخ' ماہ پارہ کی ایک جھلک محمود میاں کو بھی دکھا دو۔ یہ بے چارے بس اس کے تصور ہی میں اپنا دل دھڑکاتے پھرتے ہیں"۔

"تم دونوں تو پاگل ہو گئے ہو!" ودیا نے برا مان کر کہا "وہ بڑی شریف لڑکی ہے۔ اگر اسے یہ بات معلوم ہو گئی تو سچ کہتی ہوں کہ وہ تو بدنامی کے ڈر سے زہر وہر کھا لے گی"۔

ودیا چلی گئی تو میرے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ میرؔ' دردؔ' غالبؔ اور داغؔ کے جانے

www.taemeernews.com

کتنے شعر میرے کانوں میں گونجنے لگے ۔ چلمنوں کے پیچھے سے دیکھنے والے اس سکھڑے پہ میں سو جان سے نثار ہو گیا ۔ ایک پردہ نشین حسینہ کے تصور کو میں نے اپنے ہوس آلودہ دل سے بہت اوپر بٹھا دیا ۔

کئی بار میں کملا نہرو پالی ٹیکنک گیا ۔ مگر اس خیال سے دل دہل گیا کہ کہیں میری نظر اس پر نہ پڑ جائے ۔ وہ ایک ماورائی ہستی تھی جس کے گرد میں گھوم رہا تھا ۔ میں اسے پانے کی جستجو میں مرا جا رہا تھا اور اسے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا ۔

آج میں سوچتا ہوں کہ یہ کیسا افلاطونی عشق تھا میرا ' مگر اس وقت انگریزی ناولوں ' اردو شاعری اور نیو تھیٹرز کی فلموں نے میری اٹھتی جوانی کو ایک ایسا رومانی سا رنگ دیا تھا جس سے باہر نکلنا مشکل تھا ۔

جب دل میں کوئی بھید ہو تو بدن کیسا بھاری بھاری لگتا ہے ۔ یادوں کے بادل ہر وقت چھائے رہتے ۔ پھر اچانک کہیں سے اندھیاری سی آجاتی اور مجھے کچھ سجھائی نہ دیتا ۔ دور کہیں سے اپنے آپ کو خوابوں کے دشت میں تنہا بھٹکتے ہوئے دیکھتا ہوں ۔ یہ سب کیسے ہو گیا تھا ! میں خود حیران تھا ۔

جب اندھیاری راتوں میں اچانک کہیں سے بادل آجاتے ہیں اور بجلیاں دل دہلانے پر تُل جاتی ہیں تو میں فوراً رضائی میں منہ چھپا کر لیٹ جاتا ہوں ۔

میری پانچ برس کی لڑکی راشدہ ہنس ہنس کر کہتی ہے " ابا بجلی سے ڈرتے ہیں "۔

اُسے کیا معلوم کہ میں جانے کس کس سے ڈرتا ہوں ۔

ٹھنڈے موتیوں جیسے مینہ کی پھوار میرے دل میں آگ لگا دیتی تھی ۔ اسے دیکھنے کے جانے کتنے مواقع آ آ کر نکل گئے ۔ لیکن میرے دل میں اس کا ایک مدھم سا تصور صلیب کی طرح جم گیا تھا ۔ میں نے اس موہوم سے ہیولے کو ایک زندہ بدن دے دیا تھا ـــــ ایک حیا پرور کردار جس کی عظمت اسے یاد کرنے میں تھی ' اسے چھونے یا پانے میں نہیں ۔

پھر میں نے شاعری شروع کی ـــ ایک شکر لب ' شعلہ بدن ' پری رُخ کے لب و رخسار کی شاعری ـــــ طارق نے سُنی تو خوب داد دی ۔

پھر جب میں نے انجینیرنگ کا ڈپلوما لیا تو میری شاعری کالج سے نکل کر شہر کے شاعروں

www.taemeernews.com

تک پہنچ گئی ۔ میں کالج کی لڑکیوں کا پسندیدہ شاعر بن گیا ۔ لیکن میرے دل کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی ۔ دکھ اور جدائی کے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے اپنے اشعار پر میں خود ہی رو تا تھا ۔

طارق میڈلین میں جا چکا تھا اس لئے اُس موضوع پر بات کرنے والا اب کوئی نہ رہا تھا ۔

کئی بار میری صورت پر برستے ہوئے سوال میری بہنوں نے پڑھ ڈالے اور اصرار کیا کہ میں اپنے لئے کوئی لڑکی تلاش کروں ۔ مگر میں اسے کہاں ڈھونڈتا ۔ وہ بالکنی تو اب خالی ہو چکی تھی ۔

کئی بار دریا سے ملا مگر کچھ پوچھنے کی ہمت نہ پڑی ۔ اتنے بڑے شہر میں جانے وہ کہاں ہوگی ؟

ایک مرتبہ میں سرِ شام کہیں جا رہا تھا تو اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے ساری کائنات گلابی رنگ میں نہا گئی ہے ۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟ میں نے تعجب سے سوچا ۔ ضرور وہ یہیں کہیں مسکرا رہی ہوگی ۔ دیوانوں کی طرح میں نے سارے محلے کی بالکنیاں ، کھڑکیاں دیکھ ڈالیں ۔

آخر ایک دن میری بہن نے فیصلہ سُنا دیا " ہم نے آپ کے لئے لڑکی دیکھ لی ہے ۔ بہت خوبصورت ہے ۔ گوری چٹی ، ہزاروں میں ایک ، ہنستی ہے تو گالوں میں گڑھے سے پڑتے ہیں ۔ گلابی کپڑوں میں بالکل گلاب کی کلی سی لگتی ہے ۔"

یہ خصوصیات میری بہن نے میری نظموں سے اخذ کی تھیں ۔

پھر وہی ہوا ـــــ شادی کی رات میں یوں سسک سسک کر رویا جیسے ہر بازی ہار چکا ہوں ۔

پھر میں نے گھونگھٹ اٹھا کے اپنی دلہن کو دیکھا ۔ وہ اچھی خاصی ، قابلِ برداشت تھی ـــــ اور میں برداشت کئے گیا ۔

لیکن اب میری تشنگی اور بڑھ گئی تھی اگر وہ مل جاتی تو . . . .

اپنی بیوی جمیلہ کی جگہ میں نے اُسے طرح طرح سجا کر دیکھا ۔ مجھے اپنے بچے اُس کی گود میں ہمکتے نظر آئے ۔ اور میں کھوئی کھوئی نظروں سے ہر طرف اُسے ڈھونڈے جاتا ۔ ہر خوبصورت عورت میں مجھے اُس کی کوئی نہ کوئی ادا ملتی ۔ اور میں چند دن تک اسی عورت کا دیوانہ ہو جاتا ۔

اُسے یاد کرنے کے لئے میں نے شاعری کی اور اُسے بھلانے کے لئے شراب چکھی ـــ پھر میں شراب میں ڈوبتا چلا گیا ـــــ مگر وہ مجھے اور بھی یاد آنے لگی ۔ اس کی یاد میری رگوں میں خون بن کر

www.taemeernews.com

دوڑنے لگی تھی۔ میں سارا دن آفس میں گزارتا، شام کو کلب جا کر شراب میں غرق ہوتا، رات بھر ٹہل ٹہل کر شاعری کرتا تھا۔ میری پہلی بیوی لیٹے لیٹے اٹھ کر بیٹھنے لگی تھی۔ وہ بھاگتے بھاگتے مجھے پکڑنے کو دوڑتی۔ لیکن میں اسے کیسے تھامتا؟ میں تو خود ہی لڑکھڑا رہا تھا۔ جمیلہ نے بھی مجھے تھامنے کی بہت کوشش کی۔ پہلے اس نے اپنی شکل و صورت سے رجھانا چاہا۔ پھر اپنی محبت اور خدمت کے پھاہے میرے جلتے ہوئے زخموں پر رکھے اور اس کے بعد مایوس ہو کر گھر کے کام دھندوں میں کھو گئی ـــ لیکن میں نے کبھی جمیلہ کی چاروں طرف سے گھیرتی ہوئی، کچھ مانگتی ہوئی آنکھوں میں کچھ نہیں دیکھا۔ میں ہمیشہ اس کی طرف سے کروٹ بدل کر سویا۔

اور آج ـــ آج دس برس بعد طارق آ گیا۔

وہی روشنیاں بکھیرتے ہوئے قہقہے، ویسا ہی تیز طرار ـــ اس نے زندگی کے سارے مزے چکھے تھے۔ چھ سات عشق کئے اور پھر ایک اجنبی عورت سے شادی بھی کر لی۔ اس کے باوجود وہ مست تھا، گا رہا تھا، ہنس رہا تھا، مجھے ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ میرا جی چاہا طارق سے لپٹ کر خوب روؤں۔ وہی تو مجھے اس آگ میں دھکیل گیا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ آج اپنی محرومی کا سارا حال اسے سناؤں گا۔

میرے اداس چہرے اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، "اور سناؤ یار، اپنے اس افلاطونی عشق کا انجام؟"

میرے جواب دینے سے پہلے جمیلہ اندر آ گئی۔ ہاتھ میں اسنیکس کی ٹرے لئے، نظریں جھکائے چپ چاپ۔ اس نے جھک کر طارق کو سلام کیا تو طارق نے بڑے غور سے اسے دیکھا، پھر ایک دم اچھل پڑا۔ گھبراہٹ میں اس نے کئی سلام کر ڈالے، اور جب جمیلہ چائے لانے اندر گئی تو وہ چلا کر بولا "تو یہ بات ہوئی! یار تو تو ہمارا بھی استاد نکلا!"

"کیوں ـــ کیا ہوا؟" میں پریشان ہو گیا۔

"تو بنا ڈالا تو نے اس پری رخ، شعلہ بدن، ماہ پارہ کو اپنی بیوی! لا یار، ملا ہاتھ گلاب جامن والا۔"

www.taemeernews.com

سنہرا ہرن

آج سارے راستے اچانک ختم ہو گئے تھے۔

ہر گلی بند تھی۔ ہر دروازے نے مجھ سے مونہہ موڑ لیا تھا ــــ ایسا تو کبھی نہ ہوا ہوگا کہ کوئی اپنے ہی گھر کا راستہ بھول جائے ــــ اور وہ بھی ایسا راستہ جس پر مسلسل دس برس سے میں چل رہی تھی۔

شادی بھی تو سیتا اور رام کا بن باس ہی ہے کہ ساری زندگی تپسیا اور کٹھنائیوں سے نبٹتے رہو ــــ اس وچن کی خاطر جو مقدس الفاظ پڑھنے کے بعد دیا تھا' اس وعدے کی لاج کے لئے جو بھرے مجمع میں کیا تھا ــ اور اس کے باوجود رام' جو ایک مرد تھا' سیتا کو اپنی راہ کا پتھر ہی سمجھتا رہا' اس کے گرد اپنے اعتماد' محبت اور وفاداری کی تین لکیریں کھینچ کر وہ اپنی جدوجہد کے سفر پر روانہ ہو گیا ــــ وہی تین لکیریں جن کے اندر گھر کے عورت پھولے نہیں سماتی' جیسے ساری خدائی میں اس کی حفاظت کا انتظام ہو گیا ہو ــــ جیسے شادی نے اس کے کاندھوں پر دو پنکھ لگا دیئے ہوں اور وہ ہر غلطی سے ہر الزام سے پاک ہو چکی ہو ــــ

مجھے اس کہانی پر ہمیشہ ہنسی آتی' تین لکیریں کھینچ دینے سے کوئی بندش نہیں ہوتی ــــ اگر سیتا خود سنہرے ہرن کے پیچھے نہ دوڑتی تو کوئی اور اس لکیروں کو الانگھ کر اندر آجاتا ــ اور پھر یہ خواہ مخواہ کا کلائمکس کہ سیتا جو اتنی اعلیٰ ظرف تھی' اتنی ایثار پسند پتی ورتا استری تھی' بھلا کسی سنہرے ہرن پر اپنی نیت بھٹکا سکتی تھی؟ مگر کہانی کہنے والے ایسی کلیاں پھندنے نہ ٹانکتے تو بے چاری سیتا اپنے راج محل کو کھوجتی جنگلوں جنگلوں کی خاک کیسے چھانتی؟ اس بہانے اس پر کشش کہانی کو سننے والوں کا سفر بھی چین سے کٹ جاتا ہے۔

لیکن میرا سفر کب ختم ہوگا؟

www.taemeernews.com

یہ رات جو آج میرے پیچھے پیچھے چل رہی ہے۔ کب پیچھا چھوڑے گی؟ اندھیرے کا یہ بھیانک غار کب ختم ہوگا؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس بھیانک غار سے میں کبھی باہر نہیں نکل سکوں گی، دن کے اجالے میں اس گھر کو کبھی نہ دیکھ سکوں گی جو میرا تھا۔

وہ راستہ کھو چکا ہے جو میرے گھر کی طرف جاتا تھا۔ روز صبح کو آٹھ بجے میرے پاؤں خود بخود اس اسکول کی طرف اُٹھ جاتے تھے۔ جہاں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو نیکی اور سچائی کا سبق پڑھاتی تھی۔ روز راستے میں مجھے ایک ہی سے ہم سفر ملتے ــــ بلکہ اسکیم کی لاری، پھل اور ترکاریاں لے جانے والے ٹرک، اسکول جانے والے چھوٹے چھوٹے بچوں کی ٹولیاں، آفسوں کو جانے والے صبح کو بھی تھکے ہارے نظر آنے والے کلرک اور کالج جانے والی وہ بانکی چھبیلی جہاراشٹرن لڑکی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے والا وہ گورا گورا مستقل مزاج لڑکا جو پچھلے چھ مہینے سے لڑکی کے چھوڑے ہوئے قدموں کے نشانوں پر پاؤں دھرتا چلتا ــــ یہ سب میرے راستے کے ساتھی تھے۔ سب سڑک پر میرے وجود کا ایک حصہ بن چکے تھے۔

مگر آج ان میں سے کوئی نہ ملا جس کے سہارے میں آگے بڑھ سکتی۔ میرے چاروں طرف سیاہ گھٹائیں سی امنڈ رہی ہیں۔ بھول بھلیوں کے غبار سے چھا رہے ہیں، جدھر ہاتھ بڑھاتی ہوں کسی بند دروازے سے میرا سر ٹکرا جاتا ہے، جس چیز کو تھامنا چاہتی ہوں کوئی میرا سہارا چھین لیتا ہے۔ میرے راستے کے سارے نشان جانے کیسے آپ ہی آپ مٹ گئے ہیں ــــ وہ سارے سنگی ساتھی جانے کہاں رہ گئے جن کے سہارے میں روز اپنے گھر پہنچ جاتی تھی۔

گھر پہنچتے ہی میں خالد کو اس جہاراشٹرن لڑکی اور لڑکے کی کہانی سنانا شروع کر دیتی تھی۔ حالاں کہ دونوں بچے میری باتوں سے سخت بور ہوتے۔ آج میرے بچے میرا کتنا انتظار کر رہے ہوں گے! آج تک کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ میں رات کو بچوں سے دور کہیں سوئی ہوں۔ منو تو شام کو اپنے ہاتھ سے کھانا بھی نہیں کھاتا ــ گھر میں کتنے کام میری راہ دیکھ رہے ہوں گے، آج خالد کو کتنا تعجب ہوا ہوگا میرے گھر نہ پہنچنے پر! پھر بھی میری کمی کا احساس انہیں اس وقت ہوگا جب نیند آئے گی۔ کبھی میرے پاؤں دبائے بغیر انہیں نیند نہیں آتی، آج سے ان کی نیند

www.taemeernews.com

بھی گئی ـــــ اس گھر کے ساتھ جو مجھ سے دور چلا گیا ہے۔ میرا راج محل ـــــ جہاں میں سیتا کی طرح راج کرتی تھی ۔ کچن میں میرے ہاتھ کا بنا ہوا سالن رکھا ہے۔ الگنی پر میری میلی ساڑیاں پڑی ہیں۔ میز پر ہماری شادی کا ایک فوٹو ہے۔ میں اس سیدھے سادے کلرک کی بیوی بن کر کتنی خوش نظر آ رہی ہوں اس فوٹو میں، جیسے آج میرے سارے سپنے سچے ہوں گے۔ وہ اڑنے گھوڑے والا شہزادہ آ گیا جس کے لئے میں پیدا ہوئی تھی۔ جس کے لئے میں اپنے جسم اور روح کی ساری خوبصورتی، پاکیزگی اور محبت لئے بیٹھی تھی ـــــ اس آدمی کے لئے میں نے بیاہتا زندگی کا کڑوا بن باس قبول کیا تھا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ٹھنڈی ہتیلا آدمی مجھ میں خوبیوں کے سوا اور کچھ نہ چاہے گا۔ جیسے میں نیکی اور شرافت کی پتلی ہوں کہ مجھ سے کبھی نہ کوئی خطا ہو گی نہ جرم۔ انہوں نے گھر لاتے ہی مجھ سے کہہ دیا تھا " میں تمہیں محبت کے سوا اور کچھ نہ دے سکوں گی" اور میں ان کی یہ بات سن کر پھول کی طرح کھل اٹھی تھی۔ جیسے سچ مچ مجھے محبت کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔ اور وہ بھی کیسے سچے نکلے کہ انہوں نے میری جھولی میں اپنا اعتماد ڈال کر مجھ سے ہر چیز چھین لی اور پھر کبھی کوئی بات نکلتی تو بڑے اطمینان سے کہتے " شادی کے بعد عورت نہیں بہک سکتی اس لئے کہ اس کی زندگی میں کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی "۔

" ارے واہ یہ خوب تھیوری ہے آپ کی "۔ میرا جی جل جاتا تھا۔

" سب سے بڑی پیاس تو یہی رہ جاتی ہے کہ شوہر اس کی جانب سے مطمئن ہو کر آنکھیں پھیر لے"

" خیر ـــــ پھر بھی عورت اس معاہدے کی پابندی اخلاقی فرض سمجھ کر ہی کرتی ہے جو اس نے شادی کی صورت میں کیا ہے۔ اب تم ہماری ہی مثال لے لو...."

مگر ان کا یہ مذاق میں کہا ہوا جملہ بھی میرے دل میں برچھی بن کر اتر گیا تھا ـــــ تو میرا اور ان کا رشتہ صرف ایک اخلاقی فرض کو پورا کرتا ہے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں!

" یہ اخلاقی فرض بھی صرف عورت ہی پر لادا جاتا ہے ـــــ ان مردوں کے لئے یہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا جو دوسری عورتوں کو تحفے دیتے پھرتے ہیں، ان کے پیچھے پیچھے میلوں چلے جاتے ہیں۔"

" یہ دوسری بات ہے "۔ انہوں نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں کہا " شادی سے پہلے بعض

www.taemeernews.com

خوب صورت لڑکیوں میں اتنی غیر معمولی کشش محسوس ہوتی ہے کہ مرد اپنے سارے فرائض بھول جاتا ہے۔"

"جی نہیں، بعض لڑکیوں کی بات نہ کیجئے، ہر عورت مرد کو بے وقوف بنانے کی یہ صلاحیت رکھتی ہے۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"اچھا صاحب مانے لیتے ہیں۔" انہوں نے اپنے مذاق کا موڈ نہ بدلا، "مانے لیتے ہیں کہ آپ میں بھی وہ غیر معمولی صلاحیت تھی۔ لیکن افسوس کہ دو بچوں نے آپ کی صلاحیت باقی نہیں رکھی۔"

میں اس فضول بکواس کا کہاں تک جواب دیتی! مگر انہیں تو جیسے مجھے چھیڑنے کا ایک بہانہ مل گیا تھا۔

"آج کتنے راستہ بھولے آپ کو دیکھ کر؟" وہ اکثر مجھے چھیڑنے کو پوچھتے۔

"اس شاندار لباس اور میک اپ کو دیکھ کر لوگ کیسے نہ دیوانے نہ بنیں گے!" میں اپنی جگہ جگہ سے رفو کی ہوئی ساڑی اور دھواں میں اٹا ہوا چہرہ دکھا کر کہتی۔

جانے کیوں خالد مجھے ستانے پر تل گئے تھے۔ اگر وہ میرے بارے میں اتنی خوش فہمی کا اظہار نہ کرتے تو آج میں کیوں اپنا گھر بھول جاتی ــــ وہ گھر جو میرا ٹھکانہ تھا جہاں پہنچ کر میں اپنی ساری محرومیوں، ساری ناکامیوں کو بھول جاتی تھی ــ بچوں کی چیخ پکاریں، ان کے غصے اور ضد سے گھبرا کر مجھے یاد ہی نہ رہتا کہ صبح پھر وہی میلی ساڑی پہن کر اسکول جانا ہے۔ پھر موچی سے چپل سلوانا پڑے گی۔

یہ سب باتیں تو مجھے اس وقت یاد آتی تھیں جب پارسیوں والی گلی کے موڑ پر وہ گورا گدرا لڑکا اس مہارشٹرن لڑکی کے لئے ایک بڑا سا پیکٹ تھامے کھڑا ہوتا تھا ــ پھر وہ لڑکی ساڑی لہراتی، اجالا پھیلاتی، مسکراتی آتی تھی ــ اور لڑکے کے اسکوٹر کے پیچھے بیٹھ کر چلی جاتی ــــ نہ جانے کہاں؟

یہ لڑکیاں ایک تحفہ لینے کی خاطر کیسے کیسے اندھے غاروں میں چلی جاتی ہیں۔

شادی کر کے بھی تو ہر عورت کیسی بے وقوف بنتی ہے! خالد کی طرح سب ہی مرد بیوی

www.taemeernews.com

کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب کون اُن کی طرف نہیں دیکھے گا؟ اب یہ کہاں جا سکتی ہے۔! شادی کرنا کیسی حماقت ہے، اچھائی یہی ہے کہ زندگی بھر تحفے وصول کرتے رہو۔ اس بہار اشرٹن لڑکی کو دیکھو، کیسی قیمتی ساڑیاں پہنتی ہے، کیا اچھا میک اپ کرتی ہے۔ ایک ہم ہیں کہ آٹھ دن تک ابھی ایک ساڑی کو سنبھال سنبھال کر پہن رہے ہیں۔ اور دیر سے بھی گھر جائیں تو انہیں ہماری طرف سے کوئی تشویش نہیں ہوتی۔ اکثر میرا جی چاہتا ہے کہ گھر نہ جاؤں، میں اسکول ہی میں بیٹھی شام کو بچوں کا ہوم ورک دیکھتی رہتی، کسی سہیلی کے ہاں چلی جاتی، آتے وقت پھول خرید کر جوڑے میں لگاتی خوب شاپنگ ہوتی تھی اس دن۔ پھر میں اس خوف کو دل میں دبائے ہوئے آتی تھی کہ آج وہ ضرور پوچھیں گے کہ اتنی دیر کہاں رہیں آج؟ یہ پھول کس نے دیئے؟ یہ چپل کب خریدے؟ مگر وہ اخبار سے سر اٹھا کر بھی مجھے نہ دیکھتے۔ بچوں کے شور مچانے پر وہ نظر اٹھائے بغیر کہہ دیتے "منّا امی سے کہو پہلے ہمارے لئے چائے بنائیں"۔

"آج مجھے بڑی دیر ہو گئی" میں چاہتی تھی کہ اس بہانے وہ میرے بالوں میں لگے ہوئے پھول کو دیکھیں، میرے چہرے پر کھلتی ہوئی کلیاں دیکھ کر جل جائیں، مگر انہیں جانے کیسے اطمینان تھا میری طرف سے ــــ اور ان کے اس اعتماد کو باقی رکھنے کے لئے مجھے کتنے جتن کرنے پڑے تھے۔ ہر پہر گھر اپنی وفاداری کا اظہار ــ اٹھتے بیٹھتے ایثار اور قربانی کو تیار۔

کسی دن وہ کہتے "آج تم نے ٹفن میں کچی روٹیاں رکھ دی تھیں ــــ اب تمہیں کیا پروا رہی ہے ہماری"۔

اور دوسرے دن صبح ہی میں ان کا ٹفن تیار کرنے بیٹھ جاتی تھی۔

کبھی کبھی انہیں مجھ پر ترس بھی آ جاتا تھا۔ "آج اتنی خراب ساڑھی کیوں پہنی ہے؟"

آج ــــ آج میں نے خراب ساڑی پہنی ہے! تو کل کیا اچھی پہنی تھی ــ آج تمہاری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے جو تم نے مجھے دیکھا۔ میرے کپڑوں پر تمہاری نظر کیسے چلی گئی ــــ میں سوچتی، لیکن میں مسکرا کر ان سے صرف اتنا کہتی "کیا فرق پڑتا ہے؟ اب مجھے کون دیکھتا ہے جو اچھے کپڑے پہنوں۔ حالانکہ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں ان سے کہوں" میں تمہاری بیوی جو ہوں۔

www.taemeernews.com

میرے اوپر تمہاری دل داری کرنا اخلاقی فرض جو ٹھہرا، اس لئے میں خراب ساڑی نہ پہنوں تو کیا اس گورے لڑکے سے کوئی تحفہ لے آؤں بد"

یہ سارے مرد کیسے اچھے اچھے تحفے خریدنا جانتے ہیں۔ مگر شادی ہوتے ہی ان کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ انہیں نہ کوئی رنگ یاد رہتا ہے نہ اچھے کپڑوں کی پہچان ہوتی ہے۔ کون سی ساڑی؟ کیسا رنگ؟ یہ کتان کی ساڑی ہے؟ جارجٹ کیسی ہوتی ہے؟ بیوی کی فرمائش سنتے ہی ہر مرد کی مت کٹ جاتی ہے۔ وہ بیوی کی صورت دیکھنا چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے وہ اب ہر خطرے سے محفوظ ہو چکی ہے۔

ایک وہ لڑکا ہے۔ بدمعاش کیسے راہ چلتی عورتوں کو گھورتا ہے۔ جیسے ہر عورت کے بارے میں سوچتا ہو کہ اس پر کون سا رنگ جچے گا۔ اس جہاندیدہ لڑکی کے لئے جانے کتنے بازاروں کی خاک چھانتا ہے۔ کہاں کہاں سے بیچ لاتا ہے۔ جب ہی تو وہ لڑکی اتنی چمکتی دمکتی ہے سڑک پر۔ فضا کیسی نکھر سی جاتی ہے جس وقت وہ سڑک پر آتی ہے۔

ایک دن میں خالہ کو اس لڑکی لڑکے کا قصہ سنا رہی تھی کہ کیسے وہ دونوں روز پارسیوں والی گلی میں ملتے ہیں۔ لڑکا کتنی بے تابی سے اس کا انتظار کرتا ہے۔

خوب صورت کنواری لڑکیوں پر لوگ یوں ہی مرتے ہیں، ورنہ سڑک پر چلنے والی ہر عورت کو تو کوئی نہیں گھورتا۔" انہوں نے بے پروائی سے کہا تو میری جان جل گئی۔

"بس آپ تو ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"خاک بھی تو خوبصورت نہیں ہے وہ لڑکی۔ مجھ سے بھی کم رنگ ہے۔ اور کیا پتہ اب تک کتنی شادیاں کر چکی ہے۔ جانے کتنے بچے ہوں اس کے۔"

"ارے ہٹاؤ یہ باتیں۔" انہوں نے شیو کرنے کا برش رکھ دیا۔

"اب اتنا احمق بھی نہیں ہوگا وہ لڑکا کہ بال بچوں والی پر اپنی دولت لٹاتا پھرے۔"

اب سوچتی ہوں کہ اگر صبح وہ یہ بات مجھ سے نہ کہتے تو آج میں اپنا گھر کیوں بھولتی؟ میرے بچے میرا انتظار کرنا چھوڑ دیتے؟

www.taemeernews.com

مردوں کی تو ہر بات بے تکی ہوتی ہے۔ اب یہی بات لے لو کہ آج ہی اس مہاراشٹرین لڑکی کو نہ آتا رہ گیا تھا۔ اور وہ من کا کالا تن کا گورا لڑکا ایک بہت بڑا بنڈل تھامے انتظار میں بیٹھے بے قرار سا ہوا جا رہا تھا۔

میری نظریں تو صرف یہ کھوج رہی تھیں کہ پیکٹ میں کیسی ساڑی ہوگی۔ مگر اس پاپی نے جانے کیا سمجھا کہ میرا ہاتھ پکڑ کے اسکوٹر کے پیچھے بٹھا لیا ـــــ اب میں نے لاکھ اسے ڈرایا کہ میرے شوہر کا نام خالد ہے' میرے دو بچے ہیں مگر اس نے شاید اپنے کان بند کر لئے تھے۔

شام کو میں وہ منوں وزنی بنڈل تھامے بس اسٹینڈ پر کھڑی تھی تو بوجھ کے مارے میری کمر ٹوٹی جا رہی تھی۔ میں جلد سے جلد اس پیکٹ کو خالد کے مونہہ پر مارنا چاہتی تھی کہ او دو بے مجھے ذلیل ـــــ تم نے تو مجھے دو بچوں کی ماں بنا کر میرے آس پاس ایک حصار کھینچ دیا تھا!

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر بس کا نمبر پڑھنا چاہا۔ مگر وہ بس کہیں دکھائی نہ دی جو مجھے اپنے گھر تک پہنچانے کی حامی بھرتی ـــــ آج ساری بسیں کیسی اجنبی سی کیوں ہو گئی تھیں مجھ سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر کے وہ دوسرے مسافروں کو بھر بھر کے لئے جا رہی تھیں۔

وہ گلی کہاں گئی؟ وہ محلہ کدھر چلا گیا جہاں میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی؟ وہ سادہ سے چہرے کیوں چھپ گئے جو میرے اپنے تھے؟ میرا خالد اتنی دور کیوں چلا گیا جس کے آگے میں اپنی جیت کا سامان پھینکنا چاہتی تھی؟ آج وہ اخبار میں مونہہ چھپائے نہیں بیٹھ سکتا۔ آج میں اسے چونکا دوں گی۔ آج میں اسے جتا دوں گی کہ اب میرا راستہ گھیرے رہو' میرے اوپر سے اپنی نگاہوں کا پہرا نہ ہٹاؤ' اپنے تجسس کی زنجیر میرے پیروں میں ڈالے رہو' تاکہ میں گرتی پڑتی' بسوں کو الانگھتی' کاروں اور اسکوٹروں سے دامن بچاتی' ہزاروں مردوں کی پسندیدہ نظروں کو لوٹاتی شام کو گھر آسکوں۔

گھر آتے ہی مجھے کتنا اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب خالد کی ڈانٹیں سننے کو ملیں گی۔ ان کے طنز سہنے ہوں گے۔ یہ طنز' یہ کڑوی کسیلی باتیں میری زندگی میں شامل ہو چکی ہیں ـــــ اس زہر

www.taemeernews.com

کی طرح جس کا آدمی عادی ہو جاتا ہے۔ نہ ملے تو چین نہیں پڑتا ــــ میں بھی آج خالد کی گالیاں سننے کو بے قرار سی ہوئی جا رہی ہوں۔

ہر بار میرے قدم لوٹ پھر کے ایک غلط گھر کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ میں نے کتنی ہی بار سوچا کہ دستک دوں۔ مگر اندر شاید سب چین کی نیند سو چکے ہیں ــــ جیسے یہاں کسی کو کسی کا انتظار نہ ہو۔

ایک بار میری آہٹ پر کوئی بچہ اٹھ بیٹھا تھا۔ اسی لمحہ ایک مرد کی آواز نے کہا "دروازہ نہ کھول دینا منّو ــــ یہ تمہاری ممی نہیں ہو سکتیں، تمہاری ممی اتنی رات کو سڑکوں پر اکیلی کیسے گھوم سکتی ہیں! یہ تو ہوا کا جھونکا ہوگا ــــ چلا جائے گا۔"

اور میں ہوا کے جھونکے کی طرح پلٹ جاتی ہوں اور اپنا گھر ڈھونڈنے لگتی ہوں۔ میں اس رام کو تلاش کرتی ہوں جو میرا تھا جس نے میرے گرد تین لکیریں کھینچ دی تھیں ــــ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ سنہرے ہرن مجھے بہکانے کے لئے چاروں طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور پھر میں اس جال کے اندر الجھنے لگتی ہوں جو کسی راون نے میرے لئے پھیلایا ہے۔

www.taemeernews.com

ایک دن کیا ہوا ــــ"

ہوا بہت تیز چل رہی تھی ۔
گرم سرخ لُو کے بگولے سارے آسمان پر صبح ہی سے بکھر رہے تھے ۔
ایسا ہی ایک طوفان آج نوری کے دل سے بھی اُمڈ رہا تھا ۔
یہ زمین، چاند اور سورج اللہ میاں نے ایک بار بنا کر آسمان پر چپکا دیے ہیں۔ اب دنیا والے ہیں کہ نوری کی طرح انھیں اپنے ساتھ ہنستا ہوا بھی دیکھتے ہیں اور رُلا بھی دیتے ہیں ۔

نوری کا جی چاہ رہا تھا کہ آج سرخ آندھی ضرور آئے ۔ اتنی زبردست کہ ہر چیز تہس نہس ہو جائے ۔ قیصر کا مسکراتا ہوا چہرہ اور گھنے بال دھول میں نہا جائیں ۔ وہ دیکھنے میں جتنی پرسکون لگ رہی تھی، اتنا ہی غصہ اس کے اندر کھول رہا تھا ۔ اس بم کی طرح جو اندر ہی اندر آگ اور زہر سے بھر رہا ہو وہ بھی باہر سے تو قیصر کو بڑی بے ضرر سی نظر آ رہی تھی ۔ میٹھی میٹھی ــ دو بچوں کی ماں ہو گئی مگر ابھی تک ویسی ہی چھیل چھبیلی ہے ۔ دیکھنے میں بالکل لڑکیوں کی طرح لگتی ۔

بار بار قیصر کو اپنی طرف دیکھنے سے نوری تاڑ گئی کہ اب وہ کوئی نئی کہانی گھڑ رہا ہے ۔ قیصر منتظر تھا کہ وہ کمرے کی صفائی کرتے کرتے اس کے قریب آئے تو وہ نوری کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لے ۔ ایسے اچانک پیار سے بعض وقت نوری کے غصہ کا اُبال بیٹھ جاتا تھا ۔ پھر جو اس کا موڈ بدلتا تو وہ اپنی ہنسی سے ہر چیز کو اُجال دیتی تھی ۔ گھر سے لے کر قیصر کا دل تک ...

اور کسی صبح (وہ بھی ایسی صبح، جب شارداکا فون رات کو آتا تھا کہ صبح میری طرف ہو کے آنس جانا) تو قیصر کی آنکھ کسی برتن کے ٹوٹنے کی آواز سے کھلتی تھی ۔ دھپا دھپ بچے پٹ رہے ہیں ۔ چیزوں کی اٹھا پٹک ہو رہی ہے ۔ اس دن نوری اندر کی جلن سے تلملا کر ہر چیز کو جلا پھینکتی تھی ۔

www.taemeernews.com

سانسوں سے لے کر قیصر کے دل تک ــــ

قیصر کی نظروں کے تعاقب سے گھبرا کر وہ بستر کی چادر بدلتے وقت ٹھٹک گئی ۔

کیا ارادہ ہے آج ــ ؟

قیصر جانتا تھا کہ ایسے وقت نوری کی ہر بات کے پیچھے ایک اور بات ہوتی ہے ۔ صرف بات ہی کیا ، مصلحتوں کے تاش کی پوری گڈی ، جس میں محبت ، نفرت ، اور قیصر کو ہرانے ، جھٹلانے کے سارے پتے اُس نے سمیٹ رکھے تھے ۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ بات محض ایک بات ہو ۔

" اب سب بلاؤزوں کے گریبان اسی کاٹ کے رکھا کرو " اس نے بڑی جستجو کے بعد ایک اچھا سا جملہ ڈھونڈا اور مسکرانے کی کوشش کرنے لگا ۔

نوری نے برا سا منہ بنایا اور پھونکیں مار مار کر سائڈ ٹیبل پر سے دھواں اڑانے لگی ۔

" اونہہ ــ ہمارے پاس کیا ہے ــــ " وہ نوری کے جملے سے تلملا گیا مگر اچھا موڈ بنائے رکھا ۔

" ہاں ذرا کان لگا کے سنو تو معلوم ہو کہ ہمارے دل میں کیا ہے ؟ "

" کان لگانے کی کیا ضرورت ہے ! " نوری نے تکیوں کو جھٹکنے کے بہانے دھنا دھن پیٹ ڈالا ، " آپ کے دل میں جو کچھ ہے وہ میں میل بھر دور سے بھی دیکھ سکتی ہوں ۔

" اب اٹھیے ، ساڑھے نو بج چکے ہیں ۔ شاردا آپ کی راہ دیکھ رہی ہوگی "

" لو میں تو بھول ہی گیا " اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور اٹھ کھڑا ہوا ۔ جیسے شاردا کے پاس جانا اسے یاد ہی نہ تھا ۔

" شاردا کے بچوں کا اسکول میں ایڈمیشن کا سلسلہ ہے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں ۔ دس بار کہہ چکا ہوں ، پھر جانے کیوں مجھے بلا رہی ہے ؟ "

" گیارہویں بار پھر آپ کے منہ سے یہ بات کہنا اُسے اچھا لگتا ہے اس لئے بلا رہی ہے " نوری نے سارے کمرے کی دھول قیصر کے دل میں بھر دی تھی ۔ پھر بھی جانے آج کونسی صفائی پر تلی بیٹھی تھی ۔ دل پر انگاروں کی طرح بچھنے والی اس بات کا جواب قیصر کیا دیتا ! اس لئے کھسیا کر وہ

www.taemeernews.com

جلدی سے باتھ روم میں گھس گیا۔

ہاں، آج تو خوب منہ دھلے گا۔ خوب بال جمائے جائیں گے۔ آج شاردا کی برتھ ڈے جو ہے۔ رات شاردا نے فون پر یہ بات نہیں کہی تھی۔ مگر نوری بھلا تاریخ بھول سکتی ہے۔ وہ تو پورے سال اس دن کی یاد میں آنسو بہاتی ہے۔ دل جلاتی ہے۔ قیصر نہا کر نکلا تو غصہ میں تپتی ہوئی نوری کے جلتے ہوئے گالوں پر اپنے دونوں ٹھنڈے ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ چاہتا تھا کہ آج کسی طرح نوری کو ہنستا ہوا چھوڑ جائے۔ مگر نوری نے بڑی نفرت سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ جیسے وہ قیصر کی سچی نفرت برداشت کرلے۔ مگر جھوٹی محبت نہیں سہہ سکتی۔

"اچھا! اب ہمارا پیار بھی تمہیں بُرا لگتا ہے!"

قیصر غصہ میں بھنّاتا ہوا وارڈروب کھولنے لگا۔ جب اتنی بدمزاج بیوی ملے تو انسان کو حق ہے کہ وہ دنیا کی ہر عورت سے دل لگائے۔ اس گھر میں جتنا کم رہے اچھا ہے۔ آفس ساڑھے دس بجے سے ہے مگر وہ نو بجے ہی گھر سے چلا جاتا ہے۔ اور کسی دن اگر بھولے سے پانچ بجے آجائے تو شام تک نوری سے پانچ بار لڑائی ضرور ہوتی تھی۔ اس لئے قیصر مجبوراً شام کا وقت شاردا کے ہاں گزارتا تھا اور اسی لئے مجبوراً شاردا کے شوہر کو بھی اپنی شامیں کلب میں پیتے ہوئے گزارنا پڑتی تھیں۔ پھر رات کو ندامت کی کالک منہ پر لگائے قیصر گھر آتا تھا تو اس وقت تک نوری کا سفید چہرا بھٹی میں تپلے ہوئے کی طرح سرخ ہوجاتا تھا۔ چھوٹی سی بات بھی اس کا حلیہ بگاڑ دیتی تھی۔ سارا دن غصہ اور نفرت کی ایک مشین کھٹا کھٹ طنزیہ جملے ڈھالے جاتی۔ اور قیصر کی پہلی بات سنتے ہی وہ بندوق کی طرح تڑا تڑ گولیاں برسانا شروع کردیتی تھی۔

تب قیصر کو شاردا کے قہقہے یاد آتے۔ اس کی خوش مزاجی، قیصر کی ہر غلطی کو معاف کرنے کا انداز — لو — اب رات آگئی۔

نوری کروٹوں پر کروٹیں بدل بدل کر تکیہ آنسوؤں سے بھگوئے جاتی۔ اور قیصر آدھی رات تک آرم چیئر پر بیٹھا سگریٹ پھونکے جاتا۔ السٹریٹڈ ویکلی میں ہیما مالنی کا وہ فوٹو دیکھے جاتا جو شاردا سے بہت ملتا تھا — اور پھر وہ شاردا کے خیالوں میں کھو جاتا — اور نوری پچھتاوے کی آگ میں جلتی۔

www.taemeernews.com

بیچارا ! میرے غصہ سے ڈرا بیٹھا ہے۔

قیصر نہا کر نکلا مگر ندامت کا پسینہ پیشانی پر چمک رہا تھا۔ آج کتنا اُمس ہے۔ اب تو جولائی کا مہینہ آگیا — جانے کیوں ہر چیز میں گڑبڑ چل رہی ہے۔ ورنہ پہلے کبھی مئی کا مہینہ جولائی تک نہیں چلتا تھا ——— ۔ قیصر کی کار گیٹ سے باہر نکل رہی تھی تو نوری نے دیکھا کہ آسمان ایک غضب ناک آدمی پہ تلا بیٹھا ہے۔ مگر اس کے اندر تو بادل برسنا شروع ہو چکے تھے۔

آخ تھو — اس نے اپنی اوقات پر تھوکا — شرم سے ڈوب مر چڑیل — تیرا شوہر آج شاردا کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔ اس کے لئے تحفے خریدے جائیں گے۔ اس کے گھر کو پھولوں اور روشنیوں سے سجایا جائے گا۔

کمرے میں آکر وہ پلنگ پر لیٹی اور یوں رو پڑی جیسے کسی دوسرے بچے کے ہاتھ میں اپنا کھلونا دیکھ کر کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔

دوسرے کمرے میں اُس کی ساس ریڈیو سن رہی تھی۔ بیٹے کی کارستانیوں سے انجان بنی رہتی ہے۔ کیسے مزے میں جی رہی ہے یہ بڑھیا۔ نہ میاں کے مرنے کا دکھ نہ سوکنوں کا جلاپا۔ دن رات سیر سپاٹے، گھر آئی تو ریڈیو کھول کر بیٹھ گئی۔ جیسے ایک دن خبریں نہ سنیں تو دنیا کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ بڑی سوشیل ورکر بنتی ہے نا — اسی لئے تو بیٹا بھی اپنی من مانی کرتا ہے — اس گھر میں مظلوم تو صرف نوری ہے۔ بہت اچھا ہوتا جو قیصر کی شادی شاردا سے ہو جاتی۔ یہاں پر اس کی ساس کی روشن خیالی دھری رہ گئی کہ وہ ہندو بہو تو گھر نہ لائے گی۔ ماں کے ڈر سے قیصر نے نوری سے نکاح کا اقرار کر لیا ہوگا مگر اس کا دل تو نہ نہ ہی کرتا رہا ہے۔

دو بچوں کا باپ ہو گیا مگر شاردا کے گھر کے پھیرے نہیں چھوڑے۔ ہر وقت شاردا کی قسمت پر افسوس کیا جاتا ہے کہ اس کا شوہر بڑا تنگ نظر ہے، کنجوس ہے۔

نوری کو شاردا کے شوہر کی شرافت پر غصہ آتا۔ بے شرم ڈرپوک کہیں کا۔

دن رات کی کڑھن نے نوری کا حُسن بجھا دیا تھا۔ اُسے میک اپ یاد رہا تھا نہ ہنسی مذاق۔

www.taemeernews.com

نوری کو یوں دھیرے دھیرے بجھتے دیکھ کر بعض وقت قیصر شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔ ہر انسان کے اندر بھی ایک عدالت ہوتی ہے جو اسے کسی الزام سے بری کرتی ہے اور کبھی ساری زندگی کے لئے پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیتی ہے۔ ایسے ہی اندر کے کسی سمن کی اجرائی پر قیصر نے ایک دن بڑی لگاوٹ سے کہا تھا'

"ہر وقت اتنے خراب کپڑے کیوں پہنتی ہو۔! کبھی ہمارا بھی تو خیال کیا کرو"۔

"آپ کا خیال کرنے والے بہت ہیں" نوری ادبدا کے سفید ساڑی کے پلو سے چائے دانی پکڑتی تھی کہ قیصر کو ہر جگہ داغ ہی داغ نظر آئیں۔ "کون ہیں ــــ؟" قیصر غصہ میں پوچھتا۔

نوری کا جی چاہتا تھا کہ اتنی زور سے شاردا کا نام لے کہ ساری دنیا سن لے۔ مگر وہ آہستہ سے پوچھتی ــــ "کیا میں بھی اتنے ہی زور سے جواب دوں!"

نوری کو ڈر تھا کہ اس کی زبان سے شاردا کا نام سن کر وہ نڈر ہو جائے گا ــ کیونکہ قیصر تو یوں ظاہر کرتا تھا جیسے شاردا صرف اس کے کالج کے زمانے کی دوست ہے اور اب اس کے دوست کی بیوی بھی ہے۔ اور پھر شاردا اتنے سلیقے سے میک اپ کرتی ہے۔ اتنی اچھی نظمیں لکھتی ہے۔ اتنے مزے دار کھانے بناتی ہے ــــ اور شاردا ــــ شاردا ــــ شاردا ــــ

قیصر نوری کی ہر خوبی اٹھا اٹھا کر شاردا میں ٹانک دیتا تھا۔

اپنی آگ میں خود ہی کھولتی ہوئی نوری پلنگ سے اٹھی۔

قیصر سینٹ کی شیشی کھلی چھوڑ گیا تھا' الماری بھی کھلی پڑی تھی۔ آج اس نے کتنی شرٹس اور ٹائیاں نکال پھینکی تھیں۔

بہت بن سنور کر گیا ہے وہ ــــ نوری کے آنسو چھل چھل بہہ نکلے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو ــــ" اس نے سسکی روک کر پوچھا

"یہاں آکر معلوم ہوا کہ مجھے آج ہی دوپہر کے پلین سے بمبئی جانا ہے"۔ قیصر فون پر کہہ رہا تھا۔

"تو پھر شام کو ــــ" نوری نے خوش ہو کر پوچھا

"نہیں آج نہیں ــ کل شام کو واپس آؤں گا۔ تم گھبرانا مت' امّاں سے بھی کہہ دینا' خدا حافظ"

www.taemeernews.com

"خدا حافظ"

نوری نے آسمان پر تھی ہوئی آنکھوں میں ایک پلین دیکھا جو لمحہ لمحہ اس سے دور ہو رہا تھا۔ مگر نوری کو یوں لگا جیسے برسوں بعد قیصر اس کے پاس آ گیا ہے — پورا قیصر — جس میں کوئی حصہ دار نہ تھا — آج وہ شاردا کی برتھ ڈے کیسے بھول گیا۔

اطمینان کا ایک ٹھنڈا جھونکا نوری کے دل کی بند کلی کو کھلا گیا۔

نوری کی نگاہ آئینے پر گئی تو وہ ٹھٹک گئی — وہ کالی کلوٹی چڑیل میرا کیا مقابلہ کرے گی! اُسے یاد آیا کہ ایک بار کسی فنکشن میں شاردا نے قیصر کے بالوں کی تعریف کی تھی تو نوری کو قیصر کے بالوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ قیصر گنجا ہو جائے۔ جلدی سے بوڑھا ہو جائے تاکہ دوسری عورتیں اس کی طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔

"اماں، اماں" وہ ابھی بمبئی جا رہے ہیں پلین سے — کل شام واپس آئیں گے" وہ خوشی سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

"پلین سے — ؟ اللہ خیریت سے لائے" اس کی ساس کو بیٹے کا سفر کبھی اچھا نہ لگتا تھا۔ اب رات کو یہ اپنا بلڈ پریشر بڑھائیں گی — نوری نے جھنجلا کر سوچا — پھر جو اُسے ہنسی کا دورہ پڑا ہے تو کسی طرح نہ تھما۔ پہلے اس نے بچوں کو ستایا۔ اُن سے آنکھ مچولی کھیلی۔ پھر لان میں جا کر پڑوسن سے ہنسی مذاق کیے۔ آیا کی جہالت پر ہنسی — پھر شام کو اس کا بھائی آیا تو ہونے والی بھابی کی نقل کر کے اس نے سب کو ہنسایا۔

میاں گھر میں نہیں ہے تو کیسی چہک رہی ہے چڑیل! اس کی ساس نے سوچا۔ اور جب وہ بیچارا تھکا ہارا گھر میں داخل ہوتا ہے تو صورت پر کیسے ٹھیکرے برسنے ہیں۔

بہو کی ہنسی کسی ساس کو نہیں بھاتی۔ اس لئے اس کی ساس بھی اپنے کمرے میں جا کر خبریں سننے لگی — اور ریڈیو سے خبریں سنانے والا بھی جیسے اس کی ساس ہی سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ دہلی سے بمبئی جانے والا پلین آج شعلہ پوش ہو کر گر پڑا۔ کسی مسافر کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

اس خبر کے سنتے ہی نوری کی پھیکی ہوئی ہنسی بھی دل سے نکل بھاگی۔ اور پھر جانے کس خوف سے چلّا کر وہ سارے گھر میں بھاگتی پھری۔ کبھی پلنگ پر جا لیٹی۔ پھر قیصر کی شرٹس نکال نکال کر پھینکیں اور آخر میں سینٹ کی بوتل سینے سے لگائے بیچ صحن میں جا بیٹھی۔ چپ چاپ۔ جانے زمین پر کیا دیکھ رہی تھی۔

اُس کی سانس کی چیخوں سے پل بھر میں سارا محلہ اکٹھا ہو گیا۔ وہ سب اس کی روتی ہوئی ساس کو سنبھال رہے تھے۔ مگر نوری اسی طرح سینٹ کی بوتل ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔ غضب ناک گرمی کے شعلے اُسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ ہوا بند تھی اور آسمان پر آندھی کے بگولے ابھی تک تھمے ہوئے تھے۔ اُس کے بہن بھائی نوری کو رلانے کی ہر ممکن کوشش کر چکے تھے۔ مگر وہ کیا جانیں کہ موسموں کی طرح نوری کے دل میں بھی کوئی گڑبڑ چل رہی تھی کہ قیصر کے مرنے کی خبر آ گئی مگر نوری کے دل میں کہیں ایک آنسو کی بوند نہیں مل رہی تھی۔ اس کے سامنے تو ایک فلم چل رہی تھی۔ شاردا کے اجڑنے' برباد ہونے کی فلم — اب اس کی شاموں کو رنگین کون بنائے گا۔ اس کے کھانے رکھے رکھے خراب ہوا کریں گے — نوری کے آس پاس کھڑے لوگ اس کی جوانی پر ترس کھا رہے تھے۔

اُس کی پڑوسن نے نوری کو غور سے دیکھ کر سوچا۔

"بیچاری کے لئے شوہر نے کچھ نہیں چھوڑا ہے شاید اپنا غم بھی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد گیٹ کی طرف سے ایک نیا شور بلند ہوا۔ لوگوں کے ہجوم میں گھرا ہوا قیصر اندر آیا اور اُس سے لپٹ گیا — "نوری — میری نوری میں آ گیا"

قیصر کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔ سینٹ کی بوتل اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ خوشی سے بے حال ہو کر قیصر کی باہوں میں سما گئی۔

"میں بمبئی نہیں گیا تھا' شاردا کے ہاں پارٹی میں تھا" قیصر نے کہا۔

"کیا بمبئی نہیں گئے تھے —" اس نے جیسے قیصر کے بھوت کو چھو لیا ہو — وہ اچھل کر پیچھے ہٹی اور زمین پر بیٹھ کر رو پڑی — نہیں نہیں ایسا مت کہو —

باہر صبح سے تھمی ہوئی آندھی اب ہر چیز کو تہ و بالا کرنے پر تل چکی تھی۔

www.taemeernews.com

اسٹل لائف

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلتے۔ اکیلے گھر میں کیا کریں گے"۔ جاتے جاتے صادق کی بیوی آمنہ نے کہا۔

اکیلا ــــ؟ اس نے چاروں طرف دیکھ کر سوچا۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ میں آمنہ کے ساتھ نہ گیا۔ اس نے خوفزدہ ہو کر سوچا۔ اس کے باوجود صادق کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا کچھ حصہ آمنہ اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گئی ہے۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ "زو" کے بندروں کو اچھلتے کودتے دیکھ رہا ہے۔ اور پھر اتنے بڑے گھر میں تنہا بیٹھا اخبار بھی پڑھ رہا ہے۔ جانے کیوں یہ احساس اب اس کے ساتھ رہنے لگا تھا کہ وہ ٹکڑوں میں بکھر رہا ہے۔ جیسے پرانی دیواروں کا چونا غیر محسوس طور پر چپکے چپکے جھڑتا رہتا ہے۔ اس کے بھی ٹکڑے ٹوٹ رہے ہیں۔

صبح شیو کرتے وقت صادق کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ آفس پہنچ گیا ہے۔ سخت لوہے کی کرسی پر بیٹھا شرما صاحب کے طنز برداشت کر رہا ہے۔ مگر آمنہ کی آواز پر چونک پڑتا۔

"ساڑھے دس ہو گئے۔ آج آپ پھر لیٹ ہو رہے ہیں"۔

ارے ــــ؟ وہ فوراً ہینگر سے بشرٹ یوں اُتارتا جیسے اس کا کچھ حصہ بشرٹ ہی میں لپٹا رہتا ہے۔ اور پھر وہ آفس پہونچ گیا۔ اس کے باوجود بار بار یہ دھوکہ ہوتا جیسے وہ ابھی گھر ہی میں کھانے کی میز پر بیٹھا ہے۔

اپنے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا احساس اب صادق کے لئے اذیت ناک بنتا جا رہا تھا۔ آمنہ اور بچوں کے جاتے ہی اُسے خیال آیا کہ انہیں روک لیتا۔ آپا پکنک منانے جا رہی ہیں تو انہیں جانے

www.taemeernews.com

دو ۔ بھائی جان نے کار کیا خریدی ہے کہ اترائے اترائے پھرتے ہیں ۔ اور آمنہ تو جیسے قید میں رہتی ہے۔ مجال ہے کہ تفریح کا کوئی موقع چھوڑ دے ۔

لیکن جانے سے پہلے آمنہ نے اس سے کئی بار پوچھا تھا کہ آپا جان کے ساتھ "زد" دیکھنے جاؤں یا نہیں ؟ اور ہر بار اس نے کہنا چاہا کہ "نہیں ۔۔۔ مت جاؤ"

"چلی جاؤ بچوں کی تفریح ہو جائے گی" ۔ اپنی آواز پر وہ خود چونک پڑا تھا ۔

یہ کون بول رہا ہے ۔۔۔ ؟ یہ بات آمنہ سے کوئی اور آدمی کہہ رہا تھا جو اس کے وجود کی پرچھائیں بن کر اس سے دور ہٹ رہا تھا ۔ ایسے الگ الگ حصوں میں بانٹ رہا تھا ۔ تب اسے خیال آیا کہ آمنہ ٹھیک کہہ رہی تھی ۔ اب میں اکیلا ہوں ۔ میرا کچھ حصہ آمنہ کے ساتھ چلا گیا تھا ۔ اور بہت سا ڈھیر آفس میں شرما صاحب نے فائلوں میں سمیٹ لیا ہے ۔

" یہ ساری فائلیں کل تک چٹ اپ کرنا ہے ۔ یاد رکھئے "

ان فائلوں کو بھلا میں بھول سکتا ہوں ! جو فائلیں آفس میں ڈوری سے بندھی رکھی ہیں یا ان کے ساتھ میں خود بندھا ہوا ہوں ۔۔۔ آفس کی لائیٹ بند ہے ۔ کمرے میں اندھیرا ہے اور دروازے پر قفل لگا ہوا ہے ۔۔۔ اتنا ظلم ۔۔۔ ؟ صادق کی سانس گھٹنے لگی اور بند دروازوں پر اپنا سر مارنے لگا۔

تو اب سر میں درد شروع ہوا ۔۔۔

"ڈیڈی مور کیسے بولتا ہے ۔۔ میاؤں ۔۔۔ ؟

پپو اپنے پاس کھڑے ہوئے جانے کس آدمی کو اپنا ڈیڈی بنا کر اس سے باتیں کر رہا تھا ۔ وہ سوچ رہا ہوگا ، "ڈیڈی کیوں نہیں آئے یہاں ، میری باتیں سننے کے لئے ۔ میرے ساتھ بھالو دیکھنے کے لئے ۔ بس اب ہم اسی آدمی کو ڈیڈی بنالیں گے اس وقت ۔ (پپو کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ؟

ممکن ہے وہ سب اب آرہے ہوں ۔

صادق نے کھڑکی کھولی ۔۔۔ وہ آگئے ۔۔۔ وہی کار ۔۔۔ بھائی جان کی سفید بش شرٹ ، آمنہ کی سرخ ساری ۔۔۔ مگر وہ ہوتے تو مجھ سے منہ موڑ کر آگے کیسے چلے جاتے ۔

www.taemeernews.com

سڑک کی بھیڑ بھاڑ ـــ بسوں کی قطار ۔ سائیکلوں اور آٹو رکشاؤں کا شور ـــ اور پٹرول کی بُو میں بسی ہوئی وہ لڑکی، جس کے چہرے پر آنکھوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ ان کھوجتی ہوئی آنکھوں کو میں روز اپنی بس میں دیکھتا ہوں۔ کسی کے انتظار میں بے چین بے قرار آنکھیں۔ بس میں آنے والے ہر آدمی کو اٹھ کر وہ بے قراری سے دیکھتی ہے اور مایوسی کے ساتھ بیٹھ جاتی ہے۔ وہ کہاں ہے جس کا لڑکی کو انتظار ہے ۔ کون ہے ؟ وہ آفس پہنچ کر بھی یہی بات سوچے جاتا کسی دن وہ اس لڑکی کے پاس آ بیٹھے تو مجھے کتنا سکون ملے گا !

ایک دن لڑکی کے برابر والی سیٹ پر وہ عورت آ بیٹھی جو عموماً ہر بس میں کہیں نہ کہیں سے ضرور آ دھمکتی ہے اور آتے ہی دوسروں کے شخصی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دیتی ہے ۔

تمہارا مرد آنے والا ہے کیا ـــ ؟ اس نے لڑکی کی چاروں طرف کھوجتی ہوئی نظروں کو بھانپ کر پوچھا ۔

لڑکی پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ۔ وہ اپنی سیٹ پر جھک کر آہستہ سے بولی

"کوئی نہیں آئے گا ۔ یہ تو میری عادت ہے"

صادق چونک پڑا ـــ اسے لڑکی پر رحم آنے لگا ۔ بے چاری ـــ اس کا بھی کچھ حصہ کسی سڑک پر رہ گیا ہے ۔ میری طرح ۔

اکیلے گھر میں سچ مچ اب صادق کا جی گھبرانے لگا ۔

اماں خواہ مخواہ پرسوں بمبئی چلی گئیں ۔ گھر کیسا سُونا ہو گیا ہے ۔ جاتے وقت اماں کتنا گھبرا رہی تھیں ۔ جیسے وہ دو ہفتے کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں ۔

"میں کہیں بھی جاؤں مگر دل گھر ہی میں رہتا ہے" ۔ اماں کی اس بات پر صادق چونک پڑا ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اماں بھی اب ٹوٹ رہی ہیں ۔

ٹرین میں بیٹھنے کے بعد اماں نے کھڑکی کے باہر ہاتھ نکال کر صادق کا ہاتھ پکڑ لیا تھا ۔ پھر اچانک انجن نے وسل دی تو اماں کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی ۔ اور پھر آہستہ آہستہ اماں کا ہاتھ صادق کے ہاتھ سے پھسلتا گیا ۔ جیسے برف کا ٹکڑا آپ ہی آپ پانی بن کر غائب ہو جاتا ہے ۔

www.taemeernews.com

اماں کا ہاتھ بھی صادق کے ہاتھ سے جانے کب الگ ہوا۔ تھوڑی دیر بعد یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھی اماں کے پاس ٹرین میں بیٹھا ہے۔ اور ٹرین کھیتوں، جنگلوں، ندیوں، راستوں کو کاٹتی ہوئی دوڑ رہی ہے۔

جیب میں پلیٹ فارم کا ٹکٹ ٹٹولتے وقت صادق کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ٹرین میں ہے یا پلیٹ فارم پر ــــ وہ آفس میں شرما صاحب کے طنز بھی سن رہا ہے اور بس میں اس لڑکی کے سامنے بھی بیٹھا ہے جو اپنے بچھڑے ہوئے وجود کی تلاش میں ہے۔

جب آدمی اتنے ٹکڑوں میں بٹا ہو، بیک وقت اتنی جگہ موجود ہو تو بھلا وہ کسی ایک کا کیسے ہو سکتا ہے! مگر آمنہ کا اصرار تھا کہ صادق بس اس کا ہو رہے۔ میری باتیں سنو ــــ میری صورت دیکھو ــــ مجھے پیار کرو۔ وہ اس کے سب حکم مانتا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ اسے بہت سے حکم ماننا ہیں۔ انسانوں کے، خدا کے، سماج کے۔ (یہ فائلیں آپ کو کل تک پٹ اپ کرنا ہیں، یاد رکھئے)

یہ سب میرے آقا ہیں جنھوں نے اپنی اپنی زنجیروں میں میرے سارے ٹکڑے باندھ رکھے ہیں ــــ

اسی لئے آمنہ ایک دن بڑی پریشانی کے ساتھ اپنی ساس سے کہہ رہی تھی۔

اماں! یہ جانے کیوں ایسے کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ہیں، کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہئے!

ڈاکٹر! اس کے سامنے امید کی لو چمکنے لگی۔

ایک بار کسی چوراہے پر کار نے ایک بوڑھے کو کچل دیا تھا۔ اس کے بدن کے تین چار ٹکڑے الگ الگ بے حس و حرکت پڑے تھے، جیسے کینوس پر اسٹل لائف ــــ لوگ اس بھیانک منظر کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ مگر ایک چھوٹا سا بچہ وہاں کھڑا چلا رہا تھا۔

"دادا کو جلدی سے کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ ڈاکٹر دادا کو پھر جوڑ دے گا"

کیا ڈاکٹر مجھے بھی جوڑ دے گا! صادق نے سوچا، ممکن ہے وہ اماں سے پوچھے کہ ان کے باقی ٹکڑے کہاں کہاں ہیں؟

www.taemeernews.com

گویا کہ صادق نے اخبار اٹھا لیا۔

چاند تک جانے والے خلا باز موت اور زندگی کی کشمکش میں گرفتار تھے۔ ان کے راکٹ میں کوئی ٹکنیکل خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

اخبار میز پر رکھا اور پل بھر میں صادق راکٹ کے اندر تھا۔ ہزاروں کل پرزوں والے اندھیرے خول میں پھنسا ہوا ۔۔۔ اس کے باوجود اس کے سر سے آج سارے بوجھ اتر گئے تھے۔ کیونکہ آج اسے چاند کو اپنے پیروں تلے روندنا تھا ۔۔۔ وہ چاند جو رام چندر جی کے بچپن میں ناقابل حصول تھا۔ جسے توڑ کر لانے کا جھوٹا وعدہ ہر شاعر نے اپنی محبوبہ سے کیا تھا۔ صادق کے چاروں طرف خلاء تھی، سرد اور بے مہر ۔۔۔ نیچے' بہت نیچے زمین ایک حقیر تارے کی طرح ٹمٹما رہی تھی۔ بس اتنی سی دنیا! اس نے ناک سکوڑ کے دیکھا اور پھر صادق کو بے حد خوشی ہوئی دنیا کے اس اختصار پر ۔۔ آج دنیا کے سارے بکھیڑوں سے نجات مل ہی گئی۔ وہ یہاں تک آ گیا! یہ کیسی انوکھی خوشی تھی۔ اپنی ذات کا احساس ساری کائنات پر محیط تھا۔ عرب فلسفیوں نے عجم والوں سے کہا تھا کہ کائنات موہوم نہیں ہے موجود ہے' مگر یہ بات اب پھر غلط ثابت ہو گئی۔ کائنات موہوم ہے۔ ہو چکی ہے ۔۔ صادق نے سوچا " میں جو کائنات کے حصار کو توڑ کر دور نکل آیا ہوں ۔۔۔ میں نے خدا' محبت اور گناہ کو بہت نیچے چھوڑ دیا ہے۔ اپنے تمام حواسوں سمیت' آزادی کا ذائقہ چکھنے کے لئے۔

" ہلو ہلو " مائیک کہہ رہا تھا ۔ " زمین کی طرف لوٹ آؤ' آگے خطرہ ہے "۔

صادق کو جیسے کسی نے شوٹ کر دیا۔

نہیں نہیں ۔۔ اب میں واپس جانا نہیں چاہتا ۔۔

لیکن کٹی ہوئی پتنگ کی طرح بے سہارا ہو کر وہ نیچے کی طرف گرنے لگا۔

" یروشلم فتح ہو گیا " صادق نے اخبار اٹھا کر دوسری خبر پڑھی اور اپنی بے بسی کا درد اس کی رگ رگ میں جاگ اٹھا ۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ یروشلم کو کسی نے ڈھا دیا؟ ۔۔ دیوار گریہ گر پڑی ۔۔۔ آنسوؤں کا سیلاب ۔۔ اب ہم کہاں کہاں روتے پھریں گے! جانے آمنہ اور بچے اس وقت کہاں ہوں گے! جانے میں خود اس وقت کہاں ہوں؟ کبھی صادق کو ایسا

www.taemeernews.com

لگتا جیسے وہ ایک یہودی ہے اور دیوار گریہ کے نیچے کھڑا قہقہہ لگا رہا ہے۔ گولان کی پہاڑیوں پر مریوں کے ساتھ بھٹک رہا ہے۔ شہ صاحب بن کر اپنے آپ کو ڈانٹ رہا ہے۔ ہائے میری آزادی۔

آگے خطرہ ہے ـــ یروشلم فتح ہو گیا ـــ اب اس کے چاروں طرف بندر اچھل کود میں معروف ہیں۔ اماں جس ٹرین میں جا رہی تھیں وہ رک گئی ہے۔ آگے خطرہ ہے۔ اماں کے ساتھ صادق کا ایک ہاتھ بھی چلا گیا ہے۔ اور بس میں بیٹھی ہوئی لڑکی اس کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہے۔ نہیں یہ بھی وہ نہیں ہے۔

لیکن وہ تو آتش کی فائلوں میں بند، سا اندھیرے کمرے میں رکھ دیا گیا ہے۔ ان فائلوں کو مت چھوؤ ـــ اس اندھیرے کمرے کو مت چھوؤ جہاں تم ایک ڈوری سے بندھے پڑے ہو۔

آپ بھی ساتھ چلتے اکیلے کیا کریں گے۔

اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے بار ان کے سگریٹ سلگا لیا ـــ آگے خطرہ ہے ـــ یروشلم فتح ہو گیا ہے ـــ میں بھی کہاں کہاں بھٹکتا پھرا! چاند کے اندھے غاروں میں ـــ خلاء کے بے مہر دھندلکے میں۔ گولان کی پہاڑیوں پر ـــ یروشلم کی عبادت گاہوں میں۔ بندروں کے پنجروں میں۔ کہاں کہاں سے لوٹ آیا ہوں ـــ

لو ـــ وہ سب چیختے چلاتے آ گئے۔

"اُفوہ ـــ بہت تھک گئے"

"ڈیڈی، مور کیسے بولتا ہے ـــ میاؤں"

"ڈیڈی، شیر آدمی کے چھوٹے چھوٹے پیس کر کے کھا لیتا ہے"

"ڈیڈی، میں آپ کے لئے ریڈ گلاب لایا ہوں، سچ ـــ

(آج پپو بے انتہا خوش ہے)

صادق نے لرزتے ہاتھوں سے پھول پکڑا تو وہ نیچے گر پڑا اور گرتے ہی سرخ سرخ پنکھڑیاں بن کے بکھر گیا۔ کٹے ہوئے انسانی اعضاء کی طرح ـــ کینوس پر اسٹل لائف کی طرح۔

"پپو، میرے بیٹے! یہ کیا ہوا ـــ یہ دیکھو ـــ دیکھو ـــ"

www.taemeernews.com

صادق نے بڑی اُمید بھری نظروں سے پپو کی طرف دیکھا' مگر پپو یہ کیوں نہیں کہتا کہ
ڈیڈی کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ ڈاکٹر ڈیڈی کو پھر جوڑ سکتا ہے۔
(تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے ٹکڑے نہیں جوڑے جائیں گے؟)

[redacted]

www.taemeernews.com

اجنبی چہرے

تھوڑی دیر بعد وہ سب چہرے بھول جاتی تھی۔

بیٹھے بیٹھے اچانک نمو کو یاد آتا کہ وہ اپنے سب بہن بھائیوں کے چہروں کی تفصیل بھول چکی ہے۔ اب وہ کہیں مل جائیں تو جانے وہ پہچان سکے گی یا نہیں؟ کوئی اس سے پوچھ بیٹھے کہ بڑے بھائی گورے ہیں یا کالے؟ تو وہ کیا جواب دے گی ــــ؟ اسی لئے تو میکے جانے کے نام سے اس کا دم نکلتا تھا۔ رضا اس بات پر خوش ہوتا کہ نمو اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ میکے والے کہتے تھے کہ جانے کیسی محبت کرنے والی سسرال ملی ہے کہ نمو اپنا میکہ بھول گئی۔ اور وہ ڈرتی تھی کہ کسی دن وہ اماں کو نہ پہچان سکی تو ــــ!

اپنی اس کمزوری پر وہ سوچتے سوچتے بیمار سی رہنے لگی تھی۔

بھلا یہ بھی کوئی تک ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے ساتھ رہنے والوں کو اچانک بھولنے لگیں۔

آدمی صرف اپنے چہرے سے ہی تو پہچانا جاتا ہے۔ ورنہ دلوں کا حال تو ایکسرے سے بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کارڈیوگراف بھی کیسی اچھی چیز ہے۔ کتنی بار نمو کا جی چاہا کہ وہ دل کے کسی شدید مرض کا بہانہ کر کے اپنے شوہر رضا سے کہے کہ اس کے دل کا کارڈیوگراف کروا دیں۔

وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آنکھوں کے ساتھ ساتھ کیا دل نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے! سنا ہے اس مشین پر سنیما کے پردے کی طرح دل کے اندر چھپی ہوئی ایک ایک لکیر نظر آتی ہے۔ کیا پتہ اس کے دل میں بھی چھپا ہوا بہت کچھ نکلے اور وہ رضا کے آگے مزید پشیمان ہو۔

اللہ جانے یہ مرض کب اور کیسے شروع ہوا تھا۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ شادی سے پہلے تو وہ ہر ایرے غیرے کو جھٹ پہچان لیا کرتی تھی۔

www.taemeernews.com

اسکول کے زمانے کی سہیلیاں کہیں ملتیں تو وہ ایک جھلک دیکھ کر ادھر دوڑتی ۔ کوئی پاس پڑوس کی خالہ گھر میں آتیں تو انہیں ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ مخاطب کر کے سلام کرتی ۔ بڑے تاؤ کو اس نے منجھلے یا چھوٹے تاؤ نہ کہا۔ حالانکہ یہ پانچوں بھائی اس غضب کی مشابہت رکھتے تھے کہ اکثر خود ان کی بیویاں دھوکہ کھا جاتیں ۔ اور تو اور بڑی آپا کی چودہ اولادوں کے ایک سے چہرے اس نے ہمیشہ الگ الگ یاد رکھے ۔ جب کہ خود بڑی آپا کو یاد نہ رہتا کہ یہ منو ہے چنو ــــ گڈو ہے یا پپو ۔

مگر جانے اچانک کیا ہوا نمو کے دماغ کا وہ حصہ ہی کچھ خراب ہو گیا جہاں لوگوں کی صورتیں محفوظ رہا کرتی ہیں ۔ اور کم بخت یہ مرض ایسا تھا کہ کسی سے کہو اور اپنا مذاق بنوا لو ۔

اکثر ایسا ہوا کہ اچانک رضا ڈرائنگ روم سے چلانے لگا ۔

"نمو ذرا دیکھو تو آج کون آیا ہے ہمارے گھر"

اور نمو پر جیسے بجلی گر پڑتی ۔

"کیا آج "وہ" پھر آ گیا ۔؟ کہیں اس کی زبان سے آج پھر کچھ اور نکل جائے ــــ ممکن ہے رخشی ہو ۔ کٹنی شادی سے پہلے رضا کا رستہ گھیرتی تھی ۔

اب بھی کیا پیچھا نہ چھوڑے گی!

من من بھر کے پاؤں رکھتی ۔ اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی وہ کمرے میں پہنچتی تو اپنے سامنے ایک اجنبی عورت کو دیکھ کر اور گھبرا جاتی ۔

کون ہے ــــ یہ کون ہے ــــ ؟ مارے خوف کے وہ کانپنے لگتی ۔ سارا بدن پسینے میں بھیگ جاتا ۔ اور سرخ چہرے سے چھلکتا ہوا خون چھپائے نہ چھپتا ۔

"اوئی ایسا بھی کیا دل کمزور ہو گیا ہے تمہارا کہ خوشی بھی برداشت نہیں ہوتی ۔" آنے والی بی بی ہنس ہنس کر کہتی تو نمو اور گھبراتی ۔

ممانی بیگم' طاہر کی بہن ــــ نہیں اس کی چھوٹی نند ہے ۔ تو کیا اسے سلمیٰ کہوں ؟ ــــ اپنی بے بسی پر تلملا کے وہ آنے والی سے لپٹ کر سچ مچ رونے لگتی تھی ۔

"اوئی اب بس کرو ۔ تین مہینے کا بچہ بھی کوئی ایسی چیز تھا کہ تم رو رو کر اپنے آپ کو

www.taemeernews.com

ہلکان کئے دیتی ہو۔ اللہ تمہیں اتنے بچے دے گا کہ گنتے گنتے بھول جاؤ گی "

سب ہنسنے لگتے اور وہ گھبرا کے سوچتی ـــ کیا بچوں کو بھی بھول جاؤں گی! کیا مجھے اپنے بچوں کی شکلیں یاد نہ رہیں گی ـــ؟ اچھا تو یہ چھوٹی آپا ہیں! یا اللہ تو نے سارے چہرے اتنے ایک سے کیوں کر دیئے ہیں کہ الگ الگ یاد رکھنا چاہو مگر سب گھال میل ہو جاتے ہیں۔

اب یہی دیکھ لو کہ بڑی آپا اور چھوٹی آپا میں بھی کوئی فرق ہے۔ بس ذرا بڑی آپا کا رنگ صاف ہے۔ مگر چھوٹی آپا کے مقابلے میں وہ کتنی موٹی ہیں، سچ مچ انھیں منوں سے تولنا پڑے۔ مگر جانے کیوں نمو دونوں آپاؤں کو الگ الگ یاد نہ رکھنے پاتی۔ بس صرف یہ یاد رہتا کہ چھوٹی آپا جہاں دل کے زخموں پر پھائے رکھنے میں ماہر ہیں، بڑی آپا وہیں دل پر گھاؤ لگانے سے کبھی نہیں چوکتیں۔ نمو ان دونوں بہنوں کا فرق اسی وقت جانتی جب وہ کسی سے بات کر رہی ہوں۔ ورنہ یہ ہوتا کہ چھوٹی آپا کی ناک بڑی آپا کے چہرے پر جڑ جاتی۔ کبھی بڑی آپا کی آنکھیں بالکل چھوٹی آپا کی لگتیں۔ اور وہ گھبرا کے سوچتی کہ آنکھیں تو بڑی آپا کی ہیں۔ اب انہیں بڑی آپا کہوں یا چھوٹی اپیا ـــ!

اللہ جانے باقی لوگ کس طرح ہر ہر چہرے کو الگ الگ یاد رکھتے ہیں۔ اتنے سے دماغ میں اتنی جگہ کہاں سے آجاتی ہے کہ لائبریری کی طرح ہر ہر صورت کو الگ الگ خانوں میں رکھتے پھرو۔

پھر نمو سوچتی کہ اگر کسی دن رضا کو پتہ چل جائے کہ اس کا دماغ اتنا کمزور ہے تو ـــ! پوری سسرال میں بات پھیل جائے گی۔ اس کی نندیں تو پہلے ہی ہر بات پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔ اب اور انگلیوں پر نچائیں گی ـــ اور خود رضا ـــ (جس کی وہ سر سے پیر تک ہو چکی ہے) کتنا پچھتائے گا۔ کیا اسے کوئی اچھی بھلی صحیح و سالم عورت نہ ملتی کہ اس نے مجھ ادھوری کا انتخاب کیا! اور پھر کیا ہی جان سے چاہتا ہے۔ دنیا میں ایسے مرد کتنے کم ہوں گے جو ہر بار اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکرا سکیں۔

یا پھر ممکن ہے سب ہی مردوں کی یہ عادت ہوتی ہو۔

یہ مردوں کی ملتی جلتی عادتیں ہی تو انہیں الگ الگ نہیں کر پاتیں۔

یہیں پر ساری گڑبڑ ہوتی ہے۔

جب گھر میں نمو کے بیاہ کا شور مچا تو وہ لاکھ لاکھ سوچتی۔ مگر کسی ایسے مرد کا تصور ذہن میں

www.taemeernews.com

نہ آتا جو "اس کے" سوا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ اور وہ تھک کے ہار جاتی کہ اب تو اپنے پتوار رکھ دینے ہی چاہیے نیا پار لگے کہ ڈوبے۔

جب "وہ" نہیں ہے تو اب کوئی بھی سہی۔

مگر ہوا یہ کہ نمو کا دولہا "وہ" نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اسی کی طرح ہنستا، ایسی ہی باتیں کرتا۔ اسی طرح اس کی تعریف کرتا۔ یوں ہی نمو کو دیکھ دیکھ کر مسکرائے جاتا۔

نمو کو یقین ہو گیا کہ مردوں کی عادتوں اور پیار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر اس نے خواہ مخواہ "اس کے" لئے رو رو کر جان گنوائی۔

یہی بات جب اس نے شادی کے کئی مہینے بعد اپنی ایک راز دار سہیلی آفتاب کو سنائی تو اس نے بڑے طنز کے ساتھ کہا۔

"یوں کہو تم اب اسے بھول گئیں۔ چلو اچھا ہوا۔ ورنہ عورت کے لئے زندگی بھر کسی یاد کو سنبھال کر رکھنا بڑا کٹھن کام ہے"۔

"ارے واہ ــــ نہیں نہیں ــــ میں اسے کیسے بھول سکتی ہوں ــ!"

نمو نے سوچا ــــ آفتاب مجھ سے جل گئی ہے۔ وہ خود بھی تو "اس" پر مرتی تھی نا ــــ حالانکہ میں اب بھی "اسے" دن میں دس بار یاد کرتی ہوں۔ مگر جانے کیا بات ہے کہ "اس" کا تصور کرو تو رضا کے نقش ابھرنے لگتے ہیں۔

پھر ایک دن وہ اکیلی گھر میں بیٹھی ننھے ننھے کپڑے سی رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ تو بھلا ــــ ایسے وقت مجھے اٹھانے کون آ گیا ــــ وہ اپنے پیٹ کا منوں بوجھ اٹھائے گئی اور دروازہ کھول کر پوچھ بیٹھی۔

"آپ ــ؟ آپ کون ہیں ــــ؟"

"اس" نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گردن جھکائے واپس چلا گیا۔

تب نمو نے سوچا ــــ یہ تو وہی تھا ــ بالکل ویسا۔ مگر شاید "وہ" نہ ہو۔

تو پھر "وہ" واپس کیوں چلا گیا! میری حالت بھی تو ایسی ہو رہی ہے، وہ منہ نہ پھیر لیتا تو کیا

www.taemeernews.com

کرتا۔ مگر میں نے اسے پہچانا کیوں نہیں ۔ ! ہائے میری آنکھوں کو کیا ہو گیا تھا، کہیں ایسا تو نہ ہو کہ میں اب سب ہی صورتیں بھولنے لگوں ؟ اور وہی ہوا ۔۔۔ وہ دن اور آج کا دن، نمو کے ذہن سے ہر چہرہ محو ہونے لگا۔ صرف زبان سے کہی ہوئی بات یاد رہتی۔ یا دل پر لگائے ہوئے زخم نہ سوکھتے۔ باقی صورتیں تو سب کی ایک سی تھیں۔ جانے کیسے لوگ صورت دیکھ کر اپنے دوست دشمن کو پہچان لیتے ہیں۔ اسے تو سب چہرے ایک سے لگتے تھے۔ اپنے آس پاس کے نام وہ بار بار زبان سے دہرا کے یاد کرتی جاتی تھی کہ فلاں آدمی وہی ہے یا کوئی دوسرا ہے۔

نمو کو لوگوں کی یادداشت پر رشک آتا تھا کہ دیکھتے ہی ہر آدمی کو پہچان لیتے ہیں۔ اور ایک وہ خود ہے کہ دیوانوں کی طرح ہر طرف جانے کیسے ڈھونڈے جاتی تھی۔ ایک بار یونہی خود کو نہ پہچاننے پر اس کی نند نے طنز کیا تھا۔

"بھابی کی نظروں میں تو بس ایک ہی صورت بس گئی ہے۔ اب کوئی اور کیوں نظر آئے گا۔!"

نمو جانتی تھی کہ ہنس کی چھری کی طرح کٹیلی نند کو اپنے بھائی کے چھن جانے کا بڑا دکھ ہے اور وہ معصوم سمجھتی ہے کہ ہر عورت کی نظروں میں صرف اس کا شوہر ہی بسا ہوتا ہے۔

حالانکہ جو چیز سامنے ہو اسے کوئی کیوں ڈھونڈنے میں جان گنوائے گا۔ مگر یہ بات اپنی نند سے کہنے کی تو نہ تھی۔ لوگوں کو تو طعنے دینے سے کام تھا ۔۔۔ "ارے اب تو بڑی بیگم صاب بن گئی ہیں نجمہ بیگم۔ بھلا ہمیں کیوں یاد کریں گی۔ اتنے قیمتی زیور کپڑوں میں چھپ کر غریب آدمی کب یاد رہتے ہیں ۔۔۔!"

"خدا کے لئے ایسا نہ کہو" ۔۔۔ وہ سچ مچ اپنے آنسو پونچھ کر کہتی۔

میں کسی کو نہیں بھولی۔ میرے دماغ پر کچھ اثر ہو گیا ہے۔ سچ مچ نمو کو شک ہو رہا تھا کہ کوئی سایہ اس پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ یہ جادو ٹونا "اسی" نے کروایا ہوگا۔ کیوں کہ وہ اکثر خوابوں میں نمو کو نظر آتا تھا۔ گھر میں چاروں طرف اس کی صورت ڈوبتی ابھرتی۔ جیسے ابھی یہاں تھا۔ ابھی وہاں تھا۔ تو اب رضا کے فوٹو میں چھپ کر مسکرا رہا ہے۔ ذرا دیر بعد سنو تو کوئی دھم دھم سرگرشیوں میں پکارتا۔

نمو ۔۔۔ نمو ۔۔۔ وہ چونک کر دیکھتی تو سامنے رضا کھڑا مسکرا رہا ہے۔

خوف کے مارے اس کی چیخ نکل جاتی تھی۔ ۔۔۔ یہ "وہ" ہے یا رضا ۔۔۔!

www.taemeernews.com

ممکن ہے اس نے رضا کا روپ دھار لیا ہو ۔

پھر ایک دن وہ اپنی بھاوج کے ساتھ چپکے سے شاہ جی کے ہاں گئی ۔ پانچ روپے گئے بھاڑ چولھے میں ۔ شاہ جی کی فیس دینے کے بعد اس کے دل میں قرار تو ضرور آجائے گا ۔

مگر شاہ جی نے آگ اور بھڑکا دی ۔

پانچ جھرانوں کا چلّہ کھینچنے کے بعد انہوں نے کہا ۔

" تو نے کسی بزرگ کی بے ادبی کی ہے، جس کی سزا میں تیرے دل کا چین اڑ گیا ہے ۔ اور یہ کہ تو جسے اپنا سمجھتی ہے وہ بھی تیرا نہیں ہے ۔ پانچ پیسے کا گنڈا اس نے اپنے دل کے پاس لٹکا لیا تھا ۔ مگر اپنی قسمت پر پہروں روئے جاتی ۔

جانے کس وقت اس نے کسی بزرگ سے بے ادبی کی ہوگی ۔ جناتوں کے بادشاہ اپنے اڑن کھٹولے پر بیٹھے کہیں جا رہے ہوں گے ۔ جلالی صورت، شاہی لباس ۔ ممکن ہے نہو کے گھر آتے ہوں ۔ اور اس نے کوئی ڈھونگی فقیر سمجھ کر انہیں دھتکار دیا ہوگا ۔ " آپ ۔ ؟ آپ کون ہیں ۔ ؟ "

کہتے ہیں جناتوں کو خالی ہاتھ لوٹا دینے کی بڑی سزا ہوتی ہے ۔ بے ادبی کرنے والا خود بھی خالی ہاتھ رہ جاتا ہے ۔

جبھی تو وہ بھی میرا نہیں ہوگا جسے میں اپنا سمجھتی ہوں ۔

شاہ جی نے چار گنڈے دیئے تھے کہ رضا کے پلنگ کے چاروں پائوں تلے دبا دو ۔ اور وہ دعا جو صبح سویرے رضا کے منہ پر پھونکنا پڑتی ۔ اللہ مارا کیسا جان جوکھوں کا کام ہوتا ۔ وہ منہ قریب لے کر جاتی تو میاں جانے کس خوش فہمی میں پڑ جاتے، اور ہنسی ہنسی میں اس دن کی دعا پھر رہ جاتی تھی ۔

ادھر پلنگ کے چاروں کونوں کی حفاظت کرنا بھی بڑا مشکل کام تھا ۔ کیوں کہ نہو کی ساس کو ضد تھی کہ مہترانی جھاڑو دینے آئے تو سب پلنگ کھینچ کھینچ کر اپنی جگہ سے ہٹا دے ۔ جیسے ایک کونے میں جھاڑو نہ لگی تو قیامت آجائے گی ۔ پتہ نہیں لوگ ظاہری صفائی پہ کیوں اتنا مرتے ہیں ۔ کبھی اپنے اندر بھی تو جھانک کر دیکھیں کہ کتنی گندگی سمیٹ رکھی ہے ۔

رفتہ رفتہ نہو پر ایک اور خوف چھانے لگا کہ کہیں وہ رضا کو نہ بھول جائے ۔ ہائے جوگیوں

www.taemeernews.com

ہو گیا تو کیا ہوگا ؟ وہ تو کہیں کی نہ رہے گی ۔ تو بھلا ایک شخص دل و جان قربان کر دے ہمارے اوپر، اپنا خوشی کو ہماری خوشی بنالے، ہماری اُداسی پر خود رونے بیٹھ جائے ۔ اور ہم ہیں کہ ایک دن اچانک اسے پہچان نہ سکیں ۔

اب رضا کا چہرا ہر وقت ذہن میں محفوظ رکھنے کے لئے وہ کیسے کیسے جتن کر ڈالتی ۔ صبح وہ آفس جانے کے لئے اسکوٹر باہر نکالتا تو نمو پاس کھڑی بار بار اسے دیکھے جاتی ۔

"کیا بات ہے ——؟" کئی بار رضا ٹھٹک کر پوچھتا ۔ پھر کوئی جواب نہ پاکر پانچ روپے کا ایک نوٹ اسے تھما دیتا ۔

" اچھا تو آج پھر سلمیٰ کے ساتھ پکچر کا پروگرام بنا ہے ؟ جاؤ عیش کرو ۔ اللہ نے تمہاری قسمت میں عیش لکھا ہے تو ہم رد کرنے والے کون ہوتے ہیں ۔"

نمو بے دلی سے نوٹ لے لیتی اور کیا کیا اس کا جی چاہتا کہ اس نوٹ کے عوض وہ ذرا سا مسکرا دے ۔ مگر تو بہ کیجئے ۔ دل کا چور تو مارے ڈالتا تھا ۔ وہ جاتے وقت رضا کو بھرپور نظروں سے دیکھ کر یاد کئے جاتی ۔

دائیں گال پر زخم کا نشان —— اور گردن پر سیاہ تل ——

شام کو وہ سب کام چھوڑ کر کھڑکی میں چلی جاتی اور لاکھ یاد کرنے پر بھی یاد نہ آتا کہ آج رضا سیاہ پینٹ پہن کر گیا ہے یا سفید !

کپڑے ہی تو ایک ایسا امتیازی نشان ہیں کہ جھٹ کسی شخص کو پہچان لو ۔

اگر رضا کالا پینٹ پہن کر آفس جائے گا تو کالا ہی پینٹ پہن کر واپس آئے گا نا ! واہ یہ تو بڑی آسان ترکیب مل گئی رضا کو پہچاننے کی ۔

نمو نے جلدی سے کمرے میں آکر رضا کی الماری کھولی ۔ کھونٹیوں پر دیکھا ۔ کالا پینٹ کہیں نہیں تھا ۔ بس آج تو وہ رضا کو سڑک کے موڑ سے ہی پہچان لے گی ۔ کالا پینٹ —— سفید شرٹ —— دائیں گال پر زخم کا نشان —— اور گردن کے نیچے —— اللہ ! میں کہیں یہ سب باتیں بھول تو نہ جاؤں گی —— بس اب دس منٹ اور رہ گئے ہیں ۔ وہ سارے گھر میں یوں حیران پریشان سی گھوم رہی

www.taemeernews.com

تھا جیسے کسی بڑی خبر کی منتظر ہو۔

دروازے پر اسکوٹر کا ہارن گونج اٹھا۔ ہارن کی آواز پر نمو دروازے کی طرف بھاگتی اور اسکوٹر تھامے اس کے ساتھ ساتھ اندر آتی۔ اس وقت وہ کتنا خوش ہوتا تھا۔ کسی دن وہ اپنی ساس کے بتائے ہوئے کسی کام میں الجھ کر نہ اٹھتی تو رضا کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔

آج بھی نمو دروازے کی طرف لپکی ــــ مگر پردے کے نیچے سے سفید پینٹ میں چھپی اجنبی ٹانگیں دیکھ کر واپس آگئی۔

"کیا بات ہے۔ آج مجھے دیکھ کر منہ کیوں پھیر لیا ــــ؟"

نمو آواز سن کر پلٹی ــــ دائیں گال پر زخم کا نشان، اور گردن کے نیچے...

"اوہ آپ! میں سمجھی جانے کون ہے۔" وہ سچ مچ سہمی جا رہی تھی۔

"تو گویا اب نئے سرے سے تعارف کروانا پڑے گا آپ سے؟" رضا شرارت سے مسکرایا تو وہ اور سہم گئی ــــ یا اللہ اب کیا ہوگا!

کہیں انہیں معلوم ہو گیا کہ میں انھیں نہیں پہچانا تو!

کپڑے بدل کر رضا باہر آیا' اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ نمو پر ڈالی۔

"یہ تمہاری صورت پر ٹھیکرے کیوں برس رہے ہیں آج۔ اتنا بھی کیا کام ہے کہ بال سنوارنے کی فرصت نہیں ملتی' نہ کپڑے بدلنے کی۔ ہزار بار کہا کہ آج کل چوڑی دار پاجامے اور شرٹ کا فیشن ہے۔ مگر جب دیکھو وہی فرتوس ساریاں لپٹی ہوتی ہیں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔

دوسرے دن نمو نے بڑے اہتمام سے کپڑے پہنے۔ سنگار کیا ــــ یہ چوڑی دار پاجامہ اور تنگ شرٹ مجھ پر کیسا سجے گا ــــ یہ تو نوعمر لڑکیوں کا لباس ہے۔ مگر وہ مجھے جانے کون کون سے روپ دیکھنا چاہتا ہے۔

ابھی نمو آئینے کے سامنے سے ہٹی نہ تھی کہ رضا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ارے آج تو رخشی آگئیں ہماری قسمت جگانے۔"

www.taemeernews.com

نمو نے پلٹ کر دیکھا' اچانک رضا گھبرا گیا۔ یوں جیسے کسی نے اسے کھینچ مارا ہو۔

"ارے توبہ ـــــ لو آج میں تمہیں بھول گیا ـــ ایسا لگا جیسے ـــ جیسے رخشی ـــ"

رضا ہنسنے لگا۔ مگر نمو رو پڑی۔

نہیں نہیں ـــــ وہ بھی مجھے نہیں پہچانتا ہے۔ وہ بھی زبردستی کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہے۔ شاہ جی نے ٹھیک ہی تو کہا تھا تو جسے اپنا سمجھتی ہے وہ بھی تیرا نہیں ہے ـــــ اب ساری زندگی وہ بار بار یہی کہتا رہے گا'

"ارے آج تو رخشی آگئیں ہماری قسمت جگانے ـــــ لو آج میں تمہیں بھول گیا نمو"

[redacted]

www.taemeernews.com

مینکما

"مینکما، تم اتنی بوڑھی کیسے ہوگئیں ــــ؟"

آج مجھ سے راجا نے پوچھا تھا ــــ اپنے کمرے میں اکیلی پڑے پڑے میں سوچ رہی ہوں کہ میں اتنی بوڑھی کیسے ہوگئی۔ میری جوانی دبے پاؤں کب سرک گئی ــــ بڑھاپا کیسے قریب آیا ــــ؟ مجھے کچھ یاد ہی نہیں آتا۔

باہر زوروں کا مینہ پڑ رہا ہے۔ میرے پڑوس میں رہنے والی لڑکی اپنی کھڑکی میں کھڑی کب سے گنگنا رہی ہے ــــ "میں نے لاکھوں کے بول سہے سنوریا تیرے لئے"۔

تھوڑے دنوں بعد اسے پتہ چلے گا کہ صرف لاکھوں کے بول ہی نہیں سہنا پڑتے، ان گنت دکھ بھی اٹھانا پڑتے ہیں۔ اس سنوریا کے لئے جو کبھی ہمارا نہیں ہوتا۔

باہر کتنا شور ہو رہا ہے۔ بالکرشنا اور کٹی کے بچے چلا رہے ہیں۔ کٹی کی بہو دنتا اپنے پتی سے لڑ رہی ہے۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ جس وقت وہ دنتا سے ہنس کر کوئی بات کرے گا تو دنتا اپنا سارا غصہ بھول جائے گی۔ دنیا کا ہر عیش اسے ہیچ نظر آئے گا۔ دنیا کی ہر خوش قسمت عورت اپنے سے کم تر لگے گی۔ جانے بھگوان نے ہمارے دماغوں میں یہ چیز کیوں بھر دی ہے۔ ہمیں اس بات پر کتنا ناز ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کی عزت ہیں، اپنے پتی کا غرور ہیں، اپنے بچوں کے رکھوالے ہیں ــــ سب شاستروں میں عورت کا سچا روپ اسی طرح دکھایا گیا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی ان لکیروں کو پھلانگ سکے اور جس نے ایسی حماقت کی وہ رنڈی کہلائی ــــ راجا بن گئی ــــ عورت کا سب سے شرمناک روپ ــــ لوگ ان عورتوں پر ترس کھاتے ہیں، کہتے ہیں ان کی ماؤں نانیوں پر جو وقت پڑا تھا اسے بھول جاؤ ــــ ان پر رحم کرو اور انھیں اپنے گھروں میں جگہ دے کر ان کا قصور بھلا دو ــــ کیوں ــــ کیوں بھلا دو ــــ؟

www.taemeernews.com

تاکہ وہ ستی ساوتری بن کر میری طرح زندگی کے دوزخ میں جلتی رہیں۔ ایسی باتیں سوچ کر میں لرز جاتی ہوں۔ جانے کیوں میرا پاپی من ہمیشہ اوندھی سیدھی باتیں سوچا کرتا ہے۔ اب تو میں اپنی اتنی تھامے بیٹھی ہوں۔ ساٹھ برس کی بڑھیا ـــــ مجھے تو اپنی زندگی پر بڑا مان کرنا چاہیئے۔ اپنے ایثار اور قربانی پر ـــــ مگر جانے کیوں، اب مرتے سمے، مدتوں بعد، آج مجھے راجا نظر آئی ـــــ اس نے میرے من کو پھر گندہ کر دیا۔

آج مجھے بہت سی پچھلی باتیں یاد آ رہی ہیں۔

مینہ کتنا تیز ہو گیا ہے۔ بچے اسکول جانے کی بجائے گھر میں شور مچا رہے۔ کہتے ہیں زور کی بارش ہو رہی ہو تو پریم کے ٹوٹے رشتے یاد آتے ہیں ـــ یاد آتے ہوں گے۔ مجھے تو کبھی نہ معلوم ہوا کہ پریم کیا چیز ہوتا ہے ـــ کیسے انسان ایک صورت کی یاد لئے ساری زندگی بتا دیتا ہے۔ کسی کو اپنی جان، اپنی زندگی سمجھنے لگتا ہے۔ ساری کہانیوں اور فلموں میں یہی باتیں دوہرائی جاتی ہیں ـــ لیکن مجھے کوئی صورت کیوں نہ یاد رہی۔ کوئی تو ہوتا جسے آج مرتے سمے میں یاد کرتی کہ اس نے مجھے چاہا۔ سنسار کی ہر چیز سے زیادہ مجھ سے پیار کیا ـــــ مگر ہمارے اندھرا میں ماؤں کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کی بیٹی ماں باپ کے گھر جوان نہ ہو۔ میکے سے جاتے وقت اس کے دل میں کسی اور کی صورت نہ بیٹھ جائے۔ میرے ماں باپ نے بھی ایسی ہی جلدی مچائی تھی۔ جبھی تو مینہ برس رہا ہو تو میرے دل میں کوئی ہوک نہیں اٹھتی۔ میں اپنا میکہ یاد کر کے لگتی ہوں ـــــ جب سے گاؤں چھوڑ کر میں ان کے ساتھ شہر آئی ہوں مجھے برسات میں اپنا میکہ بہت یاد آتا ہے۔ شہر والوں کے لئے تو برسات ایک عذاب ہے۔ بارش کی قدر تو ان گاؤں والوں سے پوچھو جو زندگی کا ہر داؤ اچھی فصلوں پر لگاتے ہیں۔

میں اس وقت گیارہ بارہ برس کی ہوں گی۔ بس ایسی عمر تھی کہ کسی کے نام پر سارے بدن میں سنسنی دوڑ جاتی تھی۔ اور اپنے دولہا کے ذکر پر جانے کیوں سارے بدن کا خون پسینہ ہو کر میرے چہرے پر آ جاتا تھا۔

ہندی خاندانوں میں کوئی اتنی سیانی بیٹی کو گھر میں نہیں بٹھاتا۔ مگر میرے نائنا (باپ) بھی کیا کرتے؟ اس سے پہلے وہ بیس بیس ہزار دے کر دو بیٹیوں کے دولھوں کا مول کر چکے تھے۔ میرے

www.taemeernews.com

لئے ایک اچھا سا دولہا لانے کو پیسہ جمع ہو رہا تھا۔ اس زمانے میں میری ماں اور باپ دونوں روز دیول میں جاکر دعائیں مانگتے کہ فصلیں اچھی ہوں۔ بیڑی کے پتوں کی تجارت میں خوب نفع ہو تاکہ میرا بیاہ ہو سکے ـــــ میں ان سے دور گھر میں کتاب کھولے بیٹھی رہتی تھی۔ مگر میرا من بھگوان سے کہے جاتا ـــــ جانے کیوں مجھے اپنے بیاہ کا بڑا ارمان تھا۔ بڑی جلدی تھی۔ شاید میں اتنی جلدی نہ مچاتی اگر مجھے پڑھنے کے بہانے ماں بار بار کوٹھے پر نہ بھیجا کرتی۔ میں ہزار باتیں سمجھنے پر بھی یہ بات سمجھنے کی کوشش نہ کرتی کہ جب نائنا آتے ہیں تو ماں یہ کیوں چاہتی ہے کہ میں اب ان کے کمرے میں نہ آؤں!

اور کوئی کیا جانے کہ کوٹھے پر پڑھتے پڑھتے میں کیا دیکھتی تھی ـــــ؟

حلیتم چاچا کا مکان بالکل سامنے تھا۔ ہمارے کوٹھے کے سامنے والے کمرے میں وہ دونوں رہتے تھے۔ وہاں سے چاچا اور راجا کے چونچلے دیکھ کر میں لوہے کی طرح تپنے لگتی۔ مجھے یوں لگتا کہ ذرا سا دھکہ بھی لگا تو میں چٹاخ سے پھٹ جاؤں گی۔

پھر کتاب ایک طرف ڈال کر میں اپنے دولھا کے انتظار میں کھو جاتی تھی۔ دل ہی دل میں راجا کی طرح بننے سنورنے ہزار منصوبے میں نے بنا لیے تھے۔ میں نے تو ساریوں کے رنگ تک ویسے ہی سوچ رکھے تھے جیسی ساریاں راجا پہنتی ہے ـــــ وہ کتنی خوبصورت تھی دن بھر بنے جاتی۔ گنگنائے جاتی۔ میں نے اپنے گھر میں کسی عورت کو اتنا بنتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میری بہنیں بھی سسرال جاتی تھیں تو سسکیاں لیتی ہوئیں، لوٹ کر آتی تھیں تو آنکھیں ملتی ہوئیں ـــــ ایسا لگتا کہ بیچاریوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ گھر میں رہنے والی شریف عورتیں کیوں نہیں بنتیں۔ ایک بار میں نے ماں سے یہ بات پوچھنا چاہی پھر ٹال گئی۔ کیونکہ میرے ایسے سوالوں پر وہ ہمیشہ غصہ بھری نظروں سے مجھے دیکھتی تھیں۔ اور کوئی ایسا محنت طلب کام میرے سپرد کر دیتیں کہ ایسی فضول باتیں فوراً دماغ سے نکل بھاگتیں۔

اور پھر اپنے آس پاس دیکھ کر میں چپکے چپکے وہ منظر یاد کرنے لگتی تھی جب حلیتم چاچا اپنے ہاتھ سے راجا کو کچھ کھلا رہے تھے۔ ایک بار انہوں نے راجا کے جوڑے میں بینی سجائی تھی ـــــ پھر میں

www.taemeernews.com

ہزاروں کی ونڈلی ہو کر نیچے اترتی تھی۔ تو مجھے سندتا چاچی کی وہ بات یاد آجاتی ــــ "جوانی میں عیش کرلیں حرام زادیاں۔ بڑھاپے میں مکھیاں بھنک جاتی ہیں۔ مرتے وقت کوئی اپنا سرہانے نہیں ہوتا۔"

سندتا چاچی چار بچوں کو لئے اکیلی گھر میں پڑی رہتی تھیں۔ دن رات چولہے چکی میں لگی ہیں۔ منہ پر خاک اڑ رہی ہے۔ ساری پھٹ گئی ہے۔ مگر وہ ہر بات سے بے خبر بھینس کا دودھ دوھ رہی ہیں۔ آنگن میں جھاڑو کر کے چھرنے سے رنگولی بنا رہی ہیں۔ بچوں کے کپڑے دھو رہی ہیں۔

ماں کہتی تھی کہ جب سندتا چاچی بیاہ کر ہمارے گھر آئیں تھیں تو ان سے زیادہ سندر لڑکی پورے گاؤں میں اور کوئی نہ تھی۔ میں بڑے غور سے ان کے سوکھے مرجھائے چہرے کو دیکھ کر سوچتی کہ کہیں طلیشم چاچا نے سندتا چاچی بدل تو نہیں دی! کیا پتہ انھیں کوئی ایسا جادو آتا ہو کہ اچھی بھلی چاچی کو ایسا بدصورت بنا دیا اور اس چڑیل راجا کو اپسرا کر دیا ہے۔ راجا کو جلنے چاچا چڑیل کب بنائیں گے! اب تو وہ سچ مچ اپسرا لگتی ہے۔ میں نے اتنی خوبصورت، ایسی ہنس مکھ عورت پھر کہیں نہیں دیکھی۔ (ویسے ہنس مکھ عورت تو شاید ہوتی ہی نہیں؟)

مجھے اس دن کا کتنا انتظار تھا جب میں ایک دن راجا کو بھیک کا ٹھیکرا لئے ایک اندھی بھکارن بنا دیکھوں گی۔ وہ مجھ سے بھیک مانگے گی تو میں نفرت سے منہ پھیر کے کہوں گی۔ "کیا تم یہ سمجھتی تھیں کہ میری چاچی کو رولا کر ساری زندگی ہنستی رہوگی؟"

ایک بار ماں نے دور سے راجا کو دیکھ کر کہا تھا

"کم بخت اچھی خاصی صورت شکل کی ہے مگر کیسی اپنی مٹی پلید کر رہی ہے!"

ماں کی بات سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا تھا۔ اب میں ان سے کیا کہتی کہ ذرا کوٹھے پر چل کر دیکھو۔ اگر اس راجا کی مٹی پلید ہو رہی ہے تو شگفتہ کس چیز کا نام ہے ــــ؟ پھر میں چاچی کی دلجوئی میں لگ جاتی تھی جو اپنے دھان پان بدن کی پوری قوت لگا کر گیلے اوپلوں کو پھونکتی تھیں۔

اس بات کے کئی مہینے بعد ایک دن میں نے سامنے دیکھا تو جیسے دھنک نکل آئی ــ راجا بنی سنوری، ایسے پیارے روپ میں کھڑی تھی کہ دس گز دور سے میں ایک دم اس پر مر مٹی۔ میں نے اس کے لئے جتنی نفرت جمع کی تھی، وہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ وہ اپنے گھر میں اکیلی تھی۔ ہمارے

www.taemeernews.com

گاؤں کے نوکروں نے بھی رنڈی کے ہاں کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے نوکر بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ کوئی اس کے گھر نہ جاتا تھا۔ مگر آج اچانک اسے یوں تنہا دیکھ کر مجھے اس پر بے حد ترس آیا۔ پھر جب اس نے اشارے سے مجھے بلایا کہ میں اس کے پاس آؤں تو مجھے دنیا کی بہت بڑی دولت مل گئی۔ اسے قریب سے دیکھنے اور چھونے کی تمنا جانے کب سے میں اپنے دل میں دبائے بیٹھی تھی۔

میں تیزی سے نیچے بھاگی، جہاں چولہے کے پاس ماں بیٹھی سندتا چاچی کے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

"ماں — ماں وہ راجا ہے نا — وہ —"

"چپ — چپ —" ماں نے اتنی زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ میں آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ "کہیں کنواریاں رنڈیوں کا نام لیتی ہیں! تیری آنکھیں پھوڑ دوں گی جو تو نے پھر کبھی راجا کو دیکھا۔ چل جلدی سے چولہا سلگا۔"

میں سہم کر دیوار سے چمٹ گئی۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ ماں نے مجھے پاپ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ہے۔ اگر میں کہیں راجا کے ہاں چلی جاتی تو —! وہ مجھے چھو لیتی تو —؟ میں جو بند کلی کی طرح پاک ہوں — راجا سے بلند ہوں — چاہے میرا من کیسی ہی گندی باتوں سے بھرا ہو — کسی کو کیا پتہ —!

"اری سندتا، صبر کر بہن — بھگوان پاپ کی سزا کچھ نہ کچھ سنسار میں بھی دیتے ہیں" — ماں چاچی کو سمجھا رہی تھیں۔

"بھابی، یہ چڑیلیں کچھ دوا کھلا دیتی ہیں کہ آدمی اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔ ان کا دیوانہ بن جاتا ہے۔" چاچی نے آنسو پونچھ کر کہا۔

میں نے اماں کی بھاجی چھنتے میں سوچا کہ سندتا چاچی اپنے پتی کو قصوروار کیوں نہیں ٹھہراتیں۔ دیوانہ بنانے کی جو دوا راجا کے پاس ہے وہ دوا چاچی کو کیوں نہیں ملتی۔ میں یہ بات آگے بڑھ کر ماں سے پوچھنے والی تھی۔ مگر ان کا غصہ یاد کر کے پیچھے ہٹ گئی۔

"اجی بھگوان کے باندھے ہوئے بندھن بھی کہیں ٹوٹتے ہیں۔ چار دن عیش کر لے، مگر میرا پتی بڑھاپے میں تو میرا ہی ہوگا۔" چاچی نے فخر سے کہا اور آنسو پونچھ کر بیٹھ گئیں۔

www.taemeernews.com

"کیوں ـــ جوانی میں کیوں نہیں ـــ؟" میں پھر چاچی سے پوچھنے لپکی اور جلدی سے اپنے
باغی دماغ کو چپ کر کے بیٹھ گئی۔ چاچی بیچاری کتنی سیدھی ہیں۔ جانے کس نے ان کے دل میں یہ
بے تکی باتیں بٹھا دی ہیں کہ بس ان ہی باتوں پر یقین کیے بیٹھی ہیں۔ سُنا ہے جب ریشم چاچا اس کسبن کو
لائے تو چاچی نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ چاچا سے بھی نہیں ـــ جنھوں نے ان کی شادی کے زیور اور
کپڑے اس کسبی کو پہنا دیئے تھے۔ ریڈی خاندانوں میں کسی مرد نے ایسی جرات نہ کی ہوگی ـــ کیونکہ
لڑکے کا پورا مول لڑکی والے دیتے ہیں مگر چاچا کو یہ باتیں کون یاد دلاتا ـــ!

آج پچاس برس بعد بھی وہ دن میری آنکھوں میں روشن ہیں۔

کہتے ہیں مرنے سے پہلے من کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شاید موت میرے پاس آ رہی ہے ـــ آج
راجا نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ یہ کہتے وقت وہ کیسی حقارت سے مجھے دیکھ رہی
تھی۔ آخر اس نے اپنی جوانی کو کن رسیوں سے باندھ کر رکھا ہے!

اونہہ ـــ میں ان گندے خیالوں کو دل سے نکال کر دوسری کروٹ لیٹ جاتی ہوں۔ بھگوان
کو یاد کرتی ہوں۔ مجھے اپنے تینوں بیٹے آتے ہیں جو میری ارتھی اٹھائیں گے۔ مگر وہ سب تو مجھ سے
خفا ہیں۔ شاید انھیں میرے مرنے کی خبر بھی نہ ہوگی۔ میرا داماد بھی تو بیٹی کی صورت نہیں دیکھنے نہیں
دیتا ـــ اسے یہ شکایت ہے کہ میں نے اپنی سب دولت بیٹوں میں بانٹ دی ہے۔ اسے کچھ نہیں دیا۔
یہ کیسی حماقت ہو گئی مجھ سے ـــ! میں نے اپنی دولت کیوں لٹا دی۔ کیوں ان لوگوں کو سونپ دی
جو اس کے مستحق نہ تھے۔ مجھ سے کوئی خوش نہیں ہے۔ میری بوڑھی ماں کے غصہ اور ضد سے بھی سب
عاجز تھے۔ ان کی حماقتیں دیکھ کر میرے ناننا (باپ) اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ نہ جانے کیسے انھوں
نے اس ضدی چڑیل بڑھیا کے ساتھ زندگی گزاری ـــ؟ اب یہی بات میرا پتی اپنے بچوں سے کہتا
ہے۔ بیٹوں کو بھی تعجب ہے کہ ایسی بیوقوف ماں کے پیٹ سے اُن جیسے ہوش مند انسان کیسے پیدا ہوئے!
شاید سب ہی مائیں بڑھاپے میں ایسی ہی کوڑے میں ڈالنے کی چیز بن جاتی ہیں۔! مجھے
اپنے احمق بننے کا وہ پہلا دن یاد آ رہا ہے جب میں نے پہلی بار پتی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ تب میں نے
جانا میری نانی اور ماں نے اپنے آپ کو اتنا حقیر کیوں سمجھا ہوگا! میرا بس چلتا تو میں اپنے پتی کے اوپر

www.taemeernews.com

سے اپنی دس زندگیاں نچھاور کر کے پھینک دیتی ۔ وہ تو سچ مچ مجھے اپنے ہاتھ سے نوالے کھلا سکتا تھا ۔ ساری زندگی مسند پہ بٹھائے رکھتا ۔ لیکن میری سسرال کھیوں کا چھتہ تھی ۔ تین کمروں کے گھر میں پندرہ بیس رہتے تھے ۔ دن رات چیخ و پکار ہوتی ۔ رات میں ایک بجے سے پہلے تو سونے کی فرصت بھی نہ ملتی تھی ۔ اور گھر میں ایسا کونسا کونہ تھا جہاں وہ بڑے بھائیوں اور کنواری بہنوں سے چھپ کر میرے بالوں میں بینی لگاتے ! اس لئے میری فرمائش پر وہ جو رنگین ساریاں اور پھولوں کے گجرے لاتے تھے وہ ایک کونے میں چھپا دیتی تھی ۔ اتنے بڑے گھر کے کام دھندے میں لگ کر مجھے تو اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ بالوں میں کنگھی کر لوں ۔ کسی وقت سیندور کا بٹو لگانے آئینے کے سامنے جاتی تو میری ساس چلاتی "

"کسبیوں کی طرح ہر وقت آئینہ کیوں دیکھے جاتی ہے ری ۔ چل آنگن میں جھاڑو دے "۔

لیکن میرے دل کے ارمان پھر بھی نہ دبتے ۔ جب سب سو جاتے تھے تو میں راجا کی طرح سنگار کرتی ۔ ویسی ہی ساری پہنتی ۔ پھر وہ دن زندگی میں لوٹ کر کبھی نہ آئے ۔ اور جب رما میری گود میں آئی تو میرے شوق بھی کم ہونے لگے ۔ اس لڑکی نے تو قسم کھائی تھی کہ اپنی دادی کی طرح مجھے ایک منٹ چین سے نہ بیٹھنے دے گی ۔ کسی وقت میں سوچتی تھی کہ رنڈیوں کے بچے نہیں ہوتے ' اسی لئے تو عیش کرتی ہیں چڑیلیں ۔ ساس سسرے کی شرم نہ گھر کا کام کاج ۔ لیکن بڑھاپے میں اس عیش کا خمیازہ بھگتتی ہیں ۔ یہ سوچ کر میں رما اور اس کے بھائی رتنم کو کلیجے سے لگا لیتی تھی ۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں ۔ بھگوان نے مجھے سب کچھ دیا ہے ۔

پانچ برس بعد میں بچوں کو لے کر میکے گئی تو کوئی مجھے نہ پہچان سکا ۔ میری ساس نے اور تینوں بچوں نے مل کر میری رگ رگ سے خون نچوڑ لیا تھا ۔ میرا رنگ روپ سب کھنڈر بن گیا تھا ۔ ماں نے بستی کی ہر عورت کو وہ دکھ سنائے جو میں نے سسرال میں اٹھائے تھے ۔ جو ہر ماں بڑھاپے کے دوسروں کو سناتی ہے ۔ ماں کی باتیں سن کر سندتا چاچی نے بڑے غرور سے کہا تھا ۔

"ارے پتی تو جس چھری سے گلا کاٹے اس چھری کا بھلا ـــــ ہماری بیٹی کوئی کسبی تھوڑی تھی کہ صرف عیش کرنے سسرال گئی تھی ۔ سسرال کو اپنا بنانے اور بچے پیدا کرنے میں تو مصیبت اٹھانا ہی پڑتی ہے "۔

www.taemeernews.com

میکے آکر مجھے معلوم ہوا کہ بلیشم چاچا کا کاروبار بیٹھ گیا ہے۔ اس لئے راجا انہیں چھوڑ کر ایک دوسرے سیٹھ کے پاس چلی گئی ہے۔ اس سیٹھ نے اسے کار بھی دی تھی۔ چاچا پھر اپنے گھر آگئے تھے مگر اس شان کے ٹھاٹھ سے جیسے کوئی ملک فتح کرکے لوٹے ہوں۔ دن رات چاچی پر برستے، بچوں پہ گرجتے، لات مار کے کھانے کے برتن پھینک دیتے تھے۔ چاچی بیچاری دم سادھے، سر جھکائے سارے گھر میں دوڑتی پھرتی تھیں۔ من ہی من میں بہت خوش ہوتیں کہ لو دیکھو بھولا بھٹکا پتی آخر میری پناہ میں آگیا۔

مجھے بلیشم چاچا کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں تو سمجھی تھی وہ اب زندگی بھر چاچی کو صورت نہ دکھائینگے اپنے کئے پر ہمیشہ پچھتائیں گے۔

چاچی اپنے پتی کے واپس آنے کی خوشی میں دیول گئیں تو میں بھی ان کے ساتھ گئی۔ پوجا کے بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک دیوی کھڑی تھی۔ اتنی خوبصورت جیسے بھگوان نے کوئی روپ دھارا ہو۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تو میں گھبرا کے پیچھے کو ہٹ گئی ـــــ وہ راجا تھی ـــــ ستی ساوتری کی طرح سر پہ پلّو ڈالے، نگاہیں جھکائے، جانے وہ بھگوان سے کیا مانگنے آئی تھی۔ شاید اب اسے اپنے بڑھاپے کی فکر ہو۔ اولاد کی کمی محسوس کر رہی ہوگی۔ مگر اتنے دنوں میں اس نے اپنی عمر کچھ اور کم کر لی تھی۔ کھلے پھول کی طرح شاداب تھی۔ ویسا ہی کسا کسا بدن، وہی ہوش ربا مسکان کہ بدھاتا بھی اپنے اصول بھول کر جھٹ اس کی مراد پوری کر ڈالیں۔ اسے دیکھ کر میرے من میں آگ سی بھڑک اٹھی۔ بھگوان اسے اپنے کئے کی سزا کب دیں گے! یہ کب تک یوں ہی مسکرائے جائے گی۔

وہ پوجا ختم کرکے میرے پاس سے گزری تو چاروں اور پھول سے مہک اٹھے۔ ایک بار پھر بھگوان کے سامنے بیٹھ کر میرے پاپی من میں یہ گندا خیال ابھرا کہ راجا کتنی اچھی ہے۔ کیسے مزے میں جی رہی ہے ـــــ! اور پھر سہم کر میں نے اس خیال کو بھگوان کے دھیان میں ڈھکیل دیا۔

اس کے بعد جب میں سسرال گئی تو بھگوان نے سچ مچ میرے دن پھیر دیئے۔

انہیں مدراس کے ایک فلم اسٹوڈیو میں ملازمت مل گئی تھی۔ اب میں اپنی ساس نندوں سے

www.taemeernews.com

وہ ایک چھوٹے سے گھر کی مالکن تھی ۔ بچپن سے سینت سینت کر رکھے ہوئے ارمان پورے کرنے کا زمانہ آگیا تھا۔ مگر اب بچے بڑے ہو رہے تھے ۔ رتنا ہائی اسکول کا امتحان دینے والی تھی ۔ اس لئے جب میں اچھی اچھی ساریاں پہن کر پھول سجا کر ان کی راہ تکتی تو رما کو پڑھنے کے لئے اوپر بھیج دیتی تھی ۔ شاید وہ جانتی بھی نہ ہوگی کہ جب بس کے ان کا آنے میں تو ہم اسے کسی کام میں کیوں لگا دیتے ہیں ! مگر انھیں اب کسی وقت فرصت ہی نہ تھی کہ وہ گھڑی چین سے بیٹھ کر ہنسی مذاق کریں ۔ رما کے بیاہ کی فکر انھیں کھائے جارہی تھی ۔ وہ شام میں بھی دوسرے آفس میں جاکر کام کرتے تھے ۔ پھر جب رتنم نے بھی ہائی اسکول پاس کر لیا تو میں نے اپنی اچھی ساریاں رما کے بیاہ کے لئے اٹھا کر رکھ دیں ۔ اب تو میں بھی اس عمر سے نکل گئی تھی جب ہر چیز پر من مچل اٹھتا ہے ۔ اس وقت چار بچوں کو پڑھانا کوئی ہنسی کھیل تھوڑی تھا ۔ اتنی ذمہ داریاں بڑھنے سے وہ چڑ چڑے ہو گئے تھے اور اپنی ہر پریشانی کا ذمہ دار مجھے ٹھہرانے لگے ۔ ان فکروں نے مجھے بھی نڈھال کر دیا تھا ۔ ڈاکٹر کہتے تھے میرا دل کمزور ہے ۔ مجھے اچھی غذا کھانا چاہیئے ، آرام کرنا ضروری ہے ، مگر چار بچوں کی ماں کیسے اچھی چیزیں کھا سکتی ہے ۔

ان ہی دنوں کوئی گاؤں سے آیا تو سنا تھا کہ راجا اس سیٹھ کے پاس سے بھی چلی گئی ہے ۔ اس نے ایک بچی کہیں سے لے کر پال لی ہے ۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی ۔ اب چڑیل کو معلوم ہوگا کہ عیش کرنے کی سزا کیا ہوتی ہے ۔ اولاد اور پتی کے بغیر زندگی کیسے گزرتی ہے ! گھر سنسار کی فکریں جتنی جان لیوا ہوتی ہیں اتنی ہی پیاری بھی ہیں ۔ جس دن رتنم امتحان میں اچھے مارکس لاتا تھا تو خوشی اور غرور کے مارے میں سہلنے جاتی تھی ۔ جس دن وہ غصہ میں کھانا اٹھا کر پھینک دیتے تھے تو ان کے بھوکے رہنے پر میں ساری رات روتی تھی ۔ پھر میں ان کے پاؤں چھوتی ، ساری ہوئی اور ان ہوئی خطاؤں کی معافی مانگتی تب وہ ہنس پڑتے ۔ ہمارے من بھگوان نے ایسا ہی بنایا ہے کہ پتی کو سدا اونچا بٹھائے رکھنے پر ہی شانتی ملتی ہے ۔ ان کے چرنوں میں پڑ جانے میں ہی ہماری بڑائی ہے ۔ جیون کا سارا سکھ آنند ہے ۔ چاہے وہ مجھ سے کتنا ہی لڑتے ہوں مگر کبھی ایک منٹ کو بھی میرا دل نہ چاہا کہ میں ان سے دور جا کے میکے میں راج کروں ۔ یہ سب میرے دل کا چین تھے ۔ میرا غرور تھے ۔ جبھی تو میں نے اپنے ٹکڑے کر کے ان سب میں بانٹ دیئے ۔

www.taemeernews.com

مکرتک قرض میں ڈوب کر جب ہم نے رتنم کا بیاہ کیا تو وہ اپنی ہمت کھو بیٹھے تھے۔ اس وقت میں نے انھیں ڈھارس بندھائی کہ اب ہم رتنم کا بیاہ کر کے اس کے جہیز سے اپنا گھر بھر لیں گے۔ سب قرض اتار دیں گے۔ لڑکیاں پرائی ہیں مگر بیٹے تو اپنے ہوتے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ بات اتنی غلط نکلے گی کیونکہ ابھی رتنم انجنیئر بھی نہ بنا تھا کہ اس نے اپنی کلاس کی ایک لڑکی سے بیاہ کر لیا۔ وہ ہمارے چرن چھونے آیا نہ اس کی بہو نے میری چوکھٹ پر قدم رکھا۔

اب تو بیس برس گزر گئے اس بات کو ـــــ جانے رتنم اس گھر کا بیٹا تھا بھی یا نہیں! میں کمرے میں لگی اس کی تصویر دیکھتی ہوں تو رتنم کو پیدا کرنے سے لے کر اسے انجنیئر بنانے تک کے سب دکھ ایک دم جاگ اٹھتے ہیں۔

رتنم نے بیاہ کر لیا تو مجھے بالکرشنا اور کنتی سے بھی کوئی امید نہ رہی۔ اسی ڈر سے میں نے ان دونوں کے بیاہ جلدی جلدی کر ڈالے۔ ان کے جہیز رکھنے کو میرے گھر میں جگہ نہ رہی۔ ان کے بچوں سے گھر بھر گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب بھگوان سے کیا مانگوں! میں نے تو اپنی بہوؤں کو اٹھ کر پانی پینے بھی نہ دیا۔ ان کے لئے الگ الگ کمرے بنوائے تاکہ بیٹا بہو کے بالوں میں پھول سجا سکے۔ مگر بہوئیں مجھ سے پھر بھی خوش نہ رہیں۔ بڑھاپے میں انسان کا دماغ ٹھکانے پر تھوڑا رہتا ہے۔ میں بھی اس پاگل پن میں جانے کیا کر بیٹھتی ہوں کہ بیٹوں اور بہوؤں کو ہمیشہ مجھ سے شکایت رہتی ہے۔ مجھے کام دھندا کرتے دیکھ کر بہوئیں چپکے چپکے ہنستی ہیں کہ اس بڑھیا کو کتنی ہوس ہے۔ خود کام کرتی ہے ہمیں کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی۔

مجھے جانے کیوں اپنے گھر سے اتنی محبت ہے! کوئی بچہ گلاس توڑ دے تو چھناکا میرے دل پر لگتا ہے۔ بہو جھنڈا جلا دے تو میرے دل پر چرکے لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تم اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل کیوں جلاتی ہو۔ وہ کیا جانیں کہ یہ باتیں میرے لیے کتنی اہم ہیں۔ میں نے اس گھر کے ذرے ذرے کو کتنی محنت سے جمع کیا ہے۔ اس سے بھی بڑا کوئی دکھ ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے پسینے چھین لے: جو کہتے ہیں کہ ساس بہوؤں سے جلتی ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ بڑھاپے میں ہمارا گھر لوٹ کر کتنی

www.taemeernews.com

بڑی سزا ہمیں ملتی ہے ۔

اب میں اکیلی اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہوں ۔ شاید اب تو سب ہی اس بات کے منتظر ہوں کہ میں مرتے وقت اپنا خزانہ کس کے حوالے کروں گی ! میرا سجا بنا گھر اب اصطبل بن گیا ہے ۔ میں کسی بات پر غصہ کروں تو بیٹا شکایت کرنے آجاتا ہے ۔

" آپ ہر وقت سدھا کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہیں ؛ آپ کہیں تو ہم آج ہی آپ کا گھر چھوڑ کر چلے جائیں "۔

یہ سن کر میں سہم جاتی ہوں کہ کہیں یہ بات ان کے باپ تک نہ پہنچ جائے ۔ وہ تو مجھ پر غصہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں ۔ وہ بھی کیا کریں ـــــ ایک بوڑھے نکھٹو انسان کو غصہ آئے تو وہ نہ کماؤ بیٹوں کو ڈانٹ سکتا ہے نہ نک چڑھی بہوؤں کو ـــــ بھگوان' جیون اتنا لمبا کیوں کر دیتا ہے کہ اس کا کوئی مصرف سمجھ میں نہ آئے ۔

جب کوئی کام نہ ہو تو میرا دماغ ہمیشہ اوندھی سیدھی باتیں سوچنے لگتا ہے ۔ کبھی سوچتی ہوں کہ شاید ایسی بھی عورتیں دنیا میں ہوں گی جو ہمیشہ سکھی رہیں ۔ ہمیں تو کبھی چین سے سونا بھی نصیب نہ ہوا ۔ میرے پوتے ہنس کر پوچھتے ہیں کہ پڑدادا (بڑی اماں) تمہارا خزانہ کہاں ہے ۔ ہمیں کب دوگی ؛

آج مجھے یہ سب باتیں کیوں یاد آرہی ہیں ؟

اگر میں شام کو ایک فلم کی شوٹنگ دیکھنے بہو کے ساتھ نہ جاتی تو مجھے کچھ بھی یاد نہ آتا ۔ میں روز کی طرح کسی نہ کسی طرح سو ہی جاتی ۔ آج بہو کی چھوٹی بچی کو سنبھالنے کے لئے میں اس کے ساتھ ایک فلم اسٹوڈیو میں گئی تھی کیونکہ مجھے سچ مچ کی ایکٹرسوں کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ میرا بیٹا فلم بناتا ہے اس لئے ہم بڑے ٹھاٹ سے وہاں جاکر بیٹھ گئے ۔ ایک سے ایک خوبصورت لڑکیاں وہاں گھوم رہی تھیں ۔ مگر ایک لڑکی کے پیچھے تو ساری خدائی ٹوٹی پڑتی تھی ۔

میری بہو نے چپکے سے مجھے بتایا کہ یہی وہ ہیرو ئن ہے جو دس بارہ لاکھ پر بمبئی سے کام کرنے آئی ہے ۔

" مگر اس کی صورت میں ایسی کونسی خوبی ہے کہ اتنا روپیہ کماتی ہے " ؛ میں نے تعجب سے پوچھا ۔

www.taemeernews.com

"اونہہ! کسبی کی ذات ہے۔" میری بہو نے کان میں کہا۔

"اری ماں یہ بچاریاں کیا جانیں کمانا ـــــ ان کی پالنے والیاں ہوتی ہیں چالاک ـ انہیں اداکاری کے داؤ پیچ سکھا کر خود عیش کرتی ہیں۔"

اتنی دیر میں وہ عیش کی ٹھیکہ دار ایک خوبصورت سی کار میں آگئیں۔ سب کھڑے ہو گئے۔ پروڈیوسر نے خود بڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ اتریں۔ ہزار سلاموں کا نگاہوں سے جواب دیتی ـــــ یوں جیسے کوئی مہارانی چلی آرہی ہو ـــــ بے حد قیمتی ساری پہنے، گہرا گہرا میک اپ کیے ـــــ لوگ "ہٹو بچو" کرتے ان کے لئے راستہ بنا رہے تھے کہ بے بی کی ممی آرہی ہیں۔ جب وہ ہمارے قریب سے گذریں تو میں چلا پڑی۔

"راجا ـــــ راجا ـــــ!"

راجا نے اتار کے مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ پھر اپنے کسے کسے سینے پر ساری سنبھالتی، مسکراتی، لجاتی وہ میری طرف بڑھی۔

"تم ـــــ! تم یکتا ہو ـــــ! اتنی بوڑھی کیسے ہو گئیں ـــــ؟"

اندھیرے کمرے میں لیٹی ہوئی میں سوچ رہی ہوں کہ اتنی بوڑھی کیسے ہو گئی ہے ـــــ یہاں اکیلی کیوں پڑی ہوں ـــــ؟

www.taemeernews.com

دوربین

"ذرا دیکھنا دینکاچاری، سلوجا میرے کتنے قریب ہے، میں ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا ہوں" بڑے بھیا کے دوست نارائنا نے دوربین آنکھوں سے لگا کر کہا۔

اور میں دوربین میں جھانکنے کی بجائے اپنی بیوی سلوجا کو دیکھنے لگا۔ جو نارائنا کے بہت قریب چلی آئی تھی اور مجھ سے بہت دور آنگن کے اس پار چولہے کے نیچے بیٹھی امباڑے کی بھاجی چن رہی تھی۔

"اونہہ، احمق، اس کے اندر دیکھو" نارائنا نے میرا سر دوربین سے لگایا اور زور سے چلایا "سلوجا، ذرا دیکھو اس دوربین کے کمال ــــ ابھی تم میرے بالکل پاس آگئی تھیں اور انہیں اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی"۔

نارائنا کی آواز سن کر سلوجا اچھل پڑی ــــ جانے دوربین کو دیکھ کر یا ساری کے اس بنڈل کو دیکھ کر جو نارائنا کے ہاتھ میں تھا۔

"ابھی وہیں رہو سلوجا" میں نے ہاتھ کر دوربین کے اندر فوکس جماتے ہوئے کہا۔
"ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تم میرے کتنے قریب آسکتی ہو"۔

مگر سلوجا ایک ہی جست میں اتنا بڑا آنگن پار کر کے نارائنا کے پاس آکھڑی ہوئی ــــ نارائنا نے دوربین کا فوکس بدل دیا اور مجھ سے کہا ــــ "اب دیکھو ــــ"

"ارے ــــ!" اتنی ذرا سی چھنگلیا جتنی سلوجا جیسے مجھ سے میلوں دور کھڑی تھی۔

"کیا جادو ہے یہ ــــ؟" میں نے سخت تعجب بھرے لہجے میں کہا، اور گھبرا کے دوربین آنکھوں سے ہٹالی۔

"نارائنا بھائی! تم نے سلوجا کو اتنی دور کیسے کر دیا! وہ مجھے بڑی مشکل سے ملی ہے بھائی"

www.taemeernews.com

"اور کتنی آسانی سے وہ چلی گئی" نارائنا ہنسنے لگا۔ اونچا، گونجتا ہوا بے جھجک اور بے رحم سا قہقہہ —

"ذرا میں بھی تو دیکھوں" سلوچنا نے بھیگے ہاتھ ساڑی سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"آؤ ہم دکھائیں" نارائنا نے دوربین سلوچنا کے ہاتھ میں تھمانے سے پہلے سلوچنا کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے اوپر اٹھایا — پھر اس کے بدن کا زاویہ درست کیا اور پھر اس کے چہرے سے اپنا چہرا ملا کے پوچھا'

"نظر آ رہا ہے کیا —؟"

"آں ہاں — بہت کچھ —" اور سلوچنا ایک ایسا تماشہ دیکھنے لگی جو میں اسے کبھی نہ دکھا سکا۔ یہ سب نارائنا کا کرم تھا۔ وہ دراصل میرے بڑے بھائی کا دوست تھا۔ ایک بار چھٹی کی بے رونقی میں وہ ہم سے ملا تھا۔ اور ہم دونوں اسے بہت پسند آ گئے۔ بڑے بھیا نے بتایا تھا کہ نارائنا بڑے کھلے دل اور کھلے ہاتھ کا آدمی ہے۔ شراب کا بیوپاری ہے اور ریس کا دیوانہ — مگر اتنے اچھے آدمی کی بیوی شادی کے صرف ایک سال بعد اسے چھوڑ کر کسی اور مرد کے ساتھ چلی گئی تھی۔ یہ صدمہ نارائنا نے بڑی مشکل سے سہا۔ اس نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ صرف ریس کے گھوڑے یا اور دوستوں کی بیویوں سے دل بہلاتا رہا۔ مجھے اس بے چارے پر ترس آیا۔ سلوچنا کو بھی اس کی سونی زندگی رُولا گئی۔ اس لئے وہ ہم سے ایک ہی گھنٹے میں خوب بے تکلف ہو گیا۔

پھر ایک دن وہ ہمارے گھر آیا اور آتے ہی اس نے سلوچنا سے دوستی کر لی۔ اسے حیرت انگیز کہانیاں سنا کر' ٹافیاں اور کیک کھلا کر' مزے دار کھانوں کی ترکیبیں بتا کر — گیت سنا کر' ستار بجا کر' فلم اسٹاروں کی نقلیں اتار کر —

وہ تو ہر فن مولا تھا۔ دلوں کو جیتنے کا فن سیکھنے کے لئے جانے اس نے کتنے جتن کیے تھے۔ مگر اپنی پتنی کے جانے کے بعد — ورنہ ایسا انسان تو کرشن کنھیا ہوتا ہے۔ عورتیں اس کی دیوانی ہوتی ہیں۔ اس کے پگ پگ پر پلکیں بچھاتی ہیں۔

یہ سلوچنا نے برجستہ کھڑکی سے بھاگنا کیوں سیکھا ہے؟

www.taemeernews.com

آپ نے بھی غور کیا ہوگا کہ بعض لوگوں میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ وہ پل بھر میں آپ کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ بس نارائنما کی شخصیت بھی ایک دیو کی طرح ہمارے اوپر محیط ہوتی گئی۔ اور میں نے جانے کب خود بخود اس کے آگے اپنے آپ کو ایک احمق اور ناسمجھ ناتجربہ کار انسان مان لیا۔ سلوجا کی پسند کے لطیفے سناتے ہیں وہ بار بار میری طرف دیکھ لیتا تھا۔ جیسے یہ بات طے ہو چکی ہو کہ وہ میرا پکا دوست ہے۔ اسی لئے میری بیوی کو خوش رکھنا اس کا فرض ہو۔

اس دن بھی وہ چلا گیا تو سلوجا ایک دم چپ سی ہو گئی۔ اور میں صبح کے باسی اخبار میں دل ہلا دینے والے قتل کی خبر پڑھتے پڑھتے لرزنے لگا۔ پھر ہمارے آس پاس ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی کپکپا دینے والی ہوا زور پکڑنے لگی۔ اس وقت کھڑکی کے راستے دھوپ کی ایک سنہری تلوار میرے اور سلوجا کے بیچ آ کھڑی ہوئی۔ ہواؤں کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ ایسی ہوا جو شعلوں کو بھڑکاتی ہے۔ سارے گھر میں گرد و غبار کا طوفان کھڑا کر دیتی ہے اور کبھی کبھی تو مدتوں سے سینت سینت کر رکھے ہوئے کھلونے اڑا دیتی ہے۔ ہوا کی تیزی سے گھبرا کے سلوجا نے سارے دروازے کھڑکیاں بند کرنا چاہیں۔ پھر دو کپ کافی لا کر میرے سامنے آ بیٹھی۔

"اب کی سنکرانتری پر تمہارے لئے بھی ویسا ہی ڈبل نٹ کا پینٹ خریدوں گی، جیسا نارائنما کا ہے" سلوجا نے کافی میں ڈالنے والی شکر بھی اپنے لہجے میں گھول لی تھی۔

"مجھے نہیں چاہیئے ——" میں نے جل کر کہا۔

"ہاں وہ تو بہت مہنگا پڑا ہوگا" —— سلوجا اس وقت اس عالم میں تھی جب وہ دیکھتی تھی میری صورت اور اسے نفرت آتی تھی کوئی اور صورت۔ گرم کافی کے گھونٹ سے میری زبان جل گئی اور میں نے دھوپ کی سنہری تلوار پر کافی کا کپ پٹک کر کہا،

"کیا انگارے گھولے ہیں کافی میں —— اتنی گرم ——!"

میری بات پر سلوجا کو ہنسی آ گئی۔ دراصل اس کی ہنسی بہت دیر سے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔ سلوجا کی ہنسی جو میرے لئے کبھی روشنی تھی کبھی شعلہ، کبھی دل تھی کبھی جان —— ہنستے ہنستے اسے چھینکا لگ گیا اور کھانستے کھانستے وہ رک کر بولی،

www.taemeernews.com

"جانے کون مجھے اس وقت یاد کر رہا ہے"۔!

"مگر مجھے تو وہ ذرا اچھا نہیں لگتا۔ روز آجاتے ہیں اپنی شان دکھانے کے لئے"۔ میں نے کافی کا کپ رکھ کر سگریٹ سلگاتے میں کہا۔

"تو ہم کیا غریب ہیں ــــ؟" سلوچا تنک کر بولی۔

"میں کسی کا احسان لینے والی نہیں ہوں۔ بس بار کسی کو دوں گی تو ایک بار لوں گی"۔

"اچھا اچھا، بہت ہو چکا لینا دینا"۔ میں نے پھر اخبار اٹھا کر دل ہلا دینے والے قتل کی خبر پڑھنے لگا۔ مگر اصل میں سلوچا کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ سلوچا۔ آنکھیں تھیں کہ آئینے تھے۔ عرفان کے، یقین کے ــــ اور میں آئینہ در آئینہ اسے دیکھ رہا تھا۔

جانے کیوں میرا جی چاہتا تھا کہ سلوچا بھی میرے ساتھ نارائنا سے اپنی شدید نفرت کا اظہار کرے۔ مجھے مجبور کرے کہ میں نارائنا سے دوستی چھوڑ دوں۔ اس کا گھر میں آنا جانا بند کرا دوں۔ کیونکہ مجھے وہ آنکھیں اچھی نہیں لگتی تھیں جو سلوچا کی طرف دیکھیں۔ سلوچا بڑی معصوم تھی، بڑی شرمیلی۔ ہر چیز کو پاپ پُن کی ترازو میں تولنے والی۔ ہر صبح اٹھ کر سب سے پہلے پوجا کرنے والی۔

ابھی سال بھر پہلے تک میرے سلوچا کے بیچ میں پانچ چھتوں کا فاصلہ تھا۔ اور میں ساری ساری رات چھت پر ٹہل ٹہل کر سوچتا تھا کہ یہ فاصلہ کیسے طے ہوگا؟ سلوچا کا باپ بیڑی کے پتے کا بیوپاری تھا۔ اس لئے وہ اپنی بیٹی کے لئے بھی ایک سیٹھ جی دولہا ڈھونڈ رہا تھا۔ ادھر میرے پاس پانچ سو روپے کی ایک لیکچرر شپ تھی اور ایم۔ اے کی ایک معمولی سی ڈگری۔ مگر سلوچا کہتی تھی مجھے سونے کا منگل سوتر اور کتان کی ساریاں نہیں چاہیئں ــــ اور پھر سلوچا کی پوجا رنگ لائی ــــ وہ بھگوان جو پتھر کی مورت بنے چندن کے سنگھاسن پر چپ چاپ بیٹھے نظر آتے ہیں، جانے کیسے اپنے سنگھاسن سے نیچے اترے اور ہم دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دی ــــ سلوچا کے گلے میں جھوٹے موتیوں کا منگل سوتر دیکھ کر مجھے خیال آتا، وہ کتنی اونچی ہے، کتنی دل والی ہے۔

ہماری کہانی سن کر نارائنا خوب ہنسا اور سنجیدگی سے بولا۔

"تم بھولے راجہ ہو وکٹما چاری ــــ کیا سچ مچ اس کے وعدے پر یقین کر بیٹھے۔ اسے اب ہر چیز

www.taemeernews.com

چاہیئے میرے بھائی ۔ مگر تمہیں پانے کے بعد۔"

"نہیں نارائنا بھائی' وہ ایسی نہیں ہے۔"

"ہم بھی یہی سمجھتے تھے یار ۔۔۔ بس اسی دھوکے میں رہے۔ اچھا اب کل اتوار کے دن ہم اپنی دوربین لے کر آئیں گے اور تمہیں سلوجا کو بڑا اور چھوٹا کرنے کا تماشہ دکھائیں گے۔"

اتوار کے دن نارائنا اپنی اسکوٹر پر لدا پھندا آگیا۔ اس کے گلے میں دوربین لٹک رہی تھی اور اسکوٹر کی باسکٹ میں کیک' مٹھائی' سبزیاں اور پھل تھے۔ وہ ہر اتوار کو اسی طرح بہت سا کھانے کا سامان لے کر آنے لگا۔ میں شرمندہ ہو کر کہتا

"نارائنا بھائی! اتنا تکلف کیوں ۔۔۔ خواہ مخواہ کی فضول خرچی ۔۔۔" اور وہ بڑے پیار سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا۔

"کیا یہ میرا گھر نہیں ہے چاری! تمہارے گھر ذرا سا سکون ڈھونڈنے آجاتا ہوں۔ اور تمہیں یہ سمجھانے کہ عورت ذات پر کبھی بھروسہ مت کرو۔ مگر میرے آنے سے سلوجا کو کوئی تکلیف نہیں ہونا چاہیئے۔"

اب میرے کہنے کو کیا رہ جاتا! مجھے نارائنا کی تنہائی پر ترس آتا۔ اسے ایک عورت نے جو دھوکا دیا تھا اس پر غصہ آتا۔ اتنا اچھی طبیعت کا آدمی۔ جانے اس کی بیوی کیوں چلی گئی ۔۔۔ سلوجا' نارائنا کے تحفوں سے بہت خوش ہوتی تھی ۔ کچن میں باسکٹ رکھ کر وہ کبھی مٹھائی چکھتی' کبھی اچار ۔۔۔ سلوجا کچن میں چلی جاتی تو نارائنا میرے بال پکڑ کے بڑی محبت سے چہرہ اوپر اٹھاتا تھا۔

"چاری بھیا' ابھی تم بہت بھولے بھالے ہو' ہم سے تجربہ حاصل کرو۔"

پھر نارائنا پکچر کی تجویز رکھتا۔ پکچر کے بعد ہم دونوں کو کسی اچھے سے ہوٹل میں لے جاتا جہاں ہم دونوں کو سلوجا کی پسند کے دہی بڑے اور پکوڑیاں کھانا پڑتیں۔ میری بوریت کو بھانپ کر نارائنا مسکرانے لگتا۔

"تمہیں مرچ بہت لگ رہی ہے نا! یار ہمیں بھی بہت مرچیں کھانی پڑتی تھیں' السر ہو گیا تھا میرے پیٹ میں۔"

www.taemeernews.com

رات کو نارائنا چلا گیا تو میں دوربین کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دوربین سے دیکھو تو ریس کھیلنے کھیلنے والے کو اپنی جیت بالکل قریب لگتی ہوگی ـــــ اور ہار جیسے سینے پر چڑھی چلی آتی ہو۔ گھبرا کے میں نے دوربین رکھ دی۔ مگر جانے کیوں بعض وقت دماغ وہی سوچے جاتا ہے جسے سوچنے کو دل نہ چاہے۔ میں بھی بس نارائنا کے بارے میں سوچتا تو میرا دل آپ ہی آپ اندیشوں سے بھر جاتا تھا۔ جب نارائنا ہمارے گھر میں ہوتا تھا تو مجھے سلوجا بہت خوبصورت نظر آتی تھی۔ اس کی باتوں میں، ہنسی میں چال میں ایک نیا پن آجاتا تھا۔ اور پھر نارائنا سلوجا کو کیسے نئے انداز میں پکارتا تھا ـــــ جیسے سیٹی بجا رہا ہو ـــــ "سالو ـــــ جاجاجا ـــــ آآآ ـــــ

ایک دن میں نے بھی سلوجا کو یوں ہی پکارا ـــــ سالو ـــــ جاجاجا ـــــ آآآ ـــــ اور سلوجا نے غصہ بھرے انداز میں مڑ کے کہا ـــــ "آپ مجھے یا ایسے کیوں پکارتے ہیں"؟

اچھا! تو سلوجا کو یہ انداز پسند نہیں ہے۔ میں مطمئن ہو گیا۔

کبھی کالج میں بیٹھے بیٹھے میرا دل اندیشوں سے بھر جاتا اور مجھے یوں لگتا جیسے میں بے وقت کبھی گھر پہنچ جاؤں تو وہاں مجھے نارائنا بیٹھا ہولے گا۔ مگر وہ تو صرف اتوار کے دن آتا تھا۔ میری چھٹی خراب کرنے۔ سلوجا بھی ہر اتوار کو اس کے آدھمکنے پر بہت خفا ہوتی تھی۔ اس کے باوجود اتوار کے دن صبح سویرے سلوجا کا سنگار کرنا، پھولوں کی بینی خریدنا اور سارے گھر کو اپنے چہرے کی طرح چمکانا اور ہر اسکوٹر کی آواز پر دروازے کی طرف دوڑنا۔

ایک اتوار کو ـــــ وہ دروازے کے سامنے گوبر کا چھڑکاؤ کر کے رنگولی بنا رہی تھی ـــــ میں نہا کر باتھ روم سے نکلا اور اس کی گیلی رنگولی پر پاؤں رکھتا ہوا چلا گیا۔

"ایو سوامی!" سلوجا سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"اس راستے سے سب سے پہلے بھگوان اندر جاتے ہیں"ـــ

"کونسے بھگوان؟" جانے کیوں مجھے بے حد غصہ آگیا۔

"کیا ـــــ؟" سلوجا سر اٹھا کر خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اور پھر میری غصہ بھری نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے سر جھکا لیا۔ دھیرے سے رنگولی کے رنگوں کو گہرا کرتے ہوئے بولی،

www.taemeernews.com

"کیا تمہارے دل میں دو دو بھگوان بستے ہیں ــــ؟"

"ہاں، آج کل ہر من میں کئی کئی بھگوان بسے ہوتے ہیں" ــ اندر کر کپڑے بدلتے ہوئے مجھے شرمندگی نے گھیر لیا۔ سلوجا کو میری زبان سے دکھ پہنچے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ میں نے دوربین اٹھائی اور دھوپ میں بیٹھی ہوئی سلوجا سے کہا۔

"اچھا تو آؤ سلوجا ــ یہاں کھڑی ہو جاؤ۔ ہم دیکھتے ہیں تمہارے من کیا ہے!"

مگر سلوجا ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اسی طرح جھکی زمین پر نئے پھول کھلاتی رہی۔

اب جو دور جا کر میں نے سلوجا کو دیکھا تو تیز دھوپ نے میری آنکھوں میں مرچیں سی بھر دیں۔

"سلوجا، اب آؤ تم مجھے دیکھو ــ" میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کیا دیکھوں! میرے پاس تو کھڑے ہو۔ پاس کی چیز کو دوربین سے مت دیکھو، وہ بالکل دھندلی نظر آتی ہے"ــ

دھندلی ہی نہیں، خوفناک بھی ــ میں نے دل میں سوچا۔

ابھی سلوجا کی آنکھیں کتنی بڑی ہو گئی تھیں، ایک گہرے کنویں جتنی ــ اگر سلوجا کی آنکھیں سچ مچ اتنی بڑی ہو جائیں تو وہ میری طرف کتنے غور سے دیکھ سکتی ہے۔ اور گھبرا کے میں نے دوربین آنکھوں سے لگا لی۔

"مجھے دوربین سے بار بار مت دیکھو ــ" سلوجا نے گھبرا کے چہرا ہاتھوں میں چھپا لیا ــ

"میں جیسی ہوں ٹھیک ہے۔ بڑا چھوٹا کرنے سے تو گڑبڑ ہو جاتی ہے"ــ

اگلے اتوار کو نارائنا آیا تو میں نے کہا،

"تمہاری دوربین تو بڑی دلچسپ ہے۔ آدمی کو کبھی بڑا اور کبھی چھوٹا کر کے دیکھ سکتے ہیں۔"

"اس کے لئے دوربین کی ضرورت نہیں ہے"ــ اس نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"میں نے یہ فن تجربے سے سیکھا ہے"ــ وہ باتیں مجھ سے کر رہا تھا مگر اس کی نظریں کچن میں کام کرتی ہوئی سلوجا پر لگی ہوئی تھیں۔ ہم جانے کن کن مسائل پر بحث کر رہے تھے۔ فلسفہ وجودیت پر، اندرا گاندھی کی پالیسی پر، بلڈ کینسر، زکام سے بچنے کی دوائیں اور ریس کے گھوڑوں کا شجرۂ نسب۔

www.taemeernews.com

وہ مجھے بار بار سگریٹ آفر کر رہا تھا۔ اور ہر بار سگریٹ لیتے وقت میرے جھجکنے پر وہ بے مجھے غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں جھجک رہے ہو آج سگریٹ پینے سے۔ کیا اس میں زہر ہے ؟"

میں نے کہنا چاہا ۔۔ "میں جانتا ہوں نارائنا بھائی کہ اس سگریٹ میں زہر نہیں ہے۔ مگر اس کے سوا اور کہاں کہاں زہر گھل گیا ہے۔ کیا دیکھ لوں !

مگر میں نے کچھ نہ کہا۔ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے کر اپنی رگ رگ میں زہر گھولتا رہا ۔۔ آج مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے نارائنا کسی اندرونی بے چینی سے گھبرایا جا رہا تھا۔ اس کے وجود کے گرد اس کی ذہانت اور برتری کا جو حصار سا بنا رہتا تھا آج وہ ٹوٹتا نظر آ رہا تھا ۔۔ آخر اپنے آپ کو روکنے کے باوجود وہ کچن میں پہنچ ہی گیا۔

" اری سلو، تیرے ہاتھ کا کھانا کھانے کے لئے ایک ہفتہ بھوکا رہتا ہوں میں ۔۔ اور کتنی دیر لگائے گی تو ۔۔ ؟"

تب میں نے سوچا، اب مجھے بھی دیر نہیں کرنا چاہیئے ۔۔

آج چار برس بعد نارائنا مجھے اتفاق سے بازار میں ملا۔ حسب عادت دوربین گلے میں لٹکائے اسکوٹر کے پیچھے باسکٹ میں کیک، سنترے اور مٹھائیوں کے پیکٹس رکھے۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑے خلوص سے آگے بڑھا۔

" ہیلو وینکٹا چاری ۔۔ کیسے ہو ۔۔ بہت دُبلے ہو گئے ۔۔ ہمیں بھول گئے کیا ۔۔ ! میں تو اپنی بزنس کے سلسلے میں چار برس تک یورپ میں رہا ۔۔ اور سناؤ۔ تمہاری مسز کیسی ہیں ۔۔ ؟ کیا نام ہے اس کا ۔۔ ونیتا ۔۔ ! کانتا ۔۔ ؟"

"سلوچنا تھا ۔۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "مگر اب وہ میری مسز نہیں ہے"۔

" ارے ۔۔ کیوں ۔۔ ؟" وہ اچھل پڑا ۔۔ اچانک جیسے کسی دلی صدمے سے اس کی آواز بیٹھ گئی۔ اور اس نے بڑے دھیمے لہجہ میں پوچھا ۔

www.taemeernews.com

"یہ کب ہوا ــــ؟"

اب میں نے بڑی نفرت سے اسے دیکھا اور اس کے پاؤں کی طرف تھوک کر کہا:

"ان ہی دنوں، جب تم اس پر عاشق ہوئے تھے۔"

"میں ــــ؟" اس نے اسکوٹر کے پیڈل پر پاؤں رکھ کر بڑے تعجب سے کہا۔

"نہیں وینکٹاچاری! میں تو اب کسی عورت پر عاشق نہیں ہو سکتا۔ میں تو صرف ان روحوں میں جھانکتا ہوں جو جھوٹ کی نقاب اوڑھے رہتی ہیں۔ میں نے تو تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں ایک تماشہ دکھا رہا ہوں ــــ" نارائنا نے اسکوٹر اسٹارٹ کی اور آگے بڑھ گیا۔

■■

www.taemeernews.com

بھیروں کے سُر

میں سر جھکائے ستار تھامے بیٹھی ہوں اور بابا میرے پاس بیٹھے بڑے غور سے بھیروں کے سُر پہچان رہے ہیں ۔۔۔ سا۔ کھرج ' رے۔ رکھب ' گا۔ گندھار ' ما۔ مدھیم ۔۔ سات کومل سروں کا رس ساگر میری انگلیوں سے بہہ رہا ہے ۔ اور بابا آسمان کی طرف منھ اٹھائے سگریٹ کے دھوئیں میں اُجالے کی کوئی کرن ڈھونڈھ رہے ہیں ۔

جاگو موہن پیارے ۔۔۔ میں گنگنانے لگتی اور بابا چونک کر میرے سر پہ دھپ رسید کرتے ۔۔۔ "بڑی آئی تان سین کی بیٹی"۔۔۔

وہ پھر راگ کی دھن میں کھو جاتے ۔

یہ کون سا راگ ہے ؟ وہ دھیرے سے آنکھیں کھول کر پوچھتے ۔

راگ کوئی بھی ہو مگر بابا کو بالآخر راگ میں کبھی نہ کبھی پناہ مل جاتی ۔ اسی لئے تو بابا رات کو جب اخبار کے آفس سے آگ اور خون میں ڈوبی ہوئی خبروں کو سمیٹتے تھکن سے چُور گھر آتے ہیں تو ستار کی آواز پر ان کے قدم میرے کمرے کی طرف اٹھ جاتے ہیں ۔ وہ آنکھیں بند کر کے جیسے کسی اور دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں بھیروں کے تمام سُر بابا کو ایک انجانے رس ساگر میں ڈوبا دیتے ۔ رات دھیرے دھیرے سرکنے لگتی ' دور کہیں بھیروں کی تانیں اجالا سا بکھیرنے لگتیں ۔۔۔ جاگو موہن پیارے ۔۔۔ تو آگئے آپ ! کچھ گھر کا بھی ہوش ہے ۔ گیس ختم ہو گئی ۔۔۔ ابھی تک کھانا نہیں بنا ہے آج ! ممی کی چنگھاڑ پہ ہم دونوں اچھل پڑتے ۔ بابا گھبرا کر کھڑے ہوتے اور پھر بے بسی سے بیٹھ جاتے ۔ جیسے گیس ختم ہو جانے پر وہ کچھ بھی نہ کر سکتے ہوں ۔ ممی کی غصے سے بھری ہوئی صورت سے بچنے کے لئے وہ گردن جھکا دیتے ۔

www.taemeernews.com

ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ان گنت دکھ درد' بابا کا لرزتا کانپتا بیمار دل' وہ کہاں تک دور رہتے۔ ان کا دل دو بار چلتے چلتے رک گیا۔ ڈاکٹروں نے بہت سے انجکشن لگائے' دوائیں کھلائیں' پھر میں نے جا کر پکارا ــــ

"بابا آنکھ کھولئے ــ پٹنہ میں ایک ٹرین الٹ گئی ہے۔ سو آدمی مر گئے"۔

"ارے کب؟" بابا سچ مچ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

بابا کا دل ساری دنیا کے حادثوں کے دکھوں کا گودام تھا کیونکہ وہ ادیب تھے' وہ ایک اخبار کے ایڈیٹر بھی تھے۔ بابا کے لئے ساری دنیا کے فاصلے سمٹ گئے تھے۔ ٹیلی پرنٹر' ٹیلی گرام اور ٹرانسسٹر' بابا کو دنیا کی ہر ہولناک خبر پل بھر میں پہنچا دیتے تھے۔ پھر ان کا بلڈ پریشر کچھ اور اوپر پہنچ جاتا۔ وہ ایک ہاتھ سے دل کو تھامے دوسرے ہاتھ سے لکھتے رہتے۔

بابا کو دیکھ کر میں سوچتی وہ دن کتنے اچھے ہونگے جب کسی عزیز کے مرنے کی خبر بھی برسوں بعد پہنچتی تھی۔ لوگ کتنے مزے سے جیتے ہوں گے۔ دنیا میں کچھ ہوتا رہے' ان کی بلا سے!

جب میں چھوٹی سی تھی اور بابا آسمان جتنے' تو میں ان کی ٹانگوں سے لپٹ کر پوچھتی

بابا۔ آپ میرے جتنے کب ہوں گے؟

بابا کو زور کی ہنسی آجاتی' حالانکہ وہ میرے کئی سوالوں پر کہتے تھے ــ "تو جب میرے جتنی ہو جائے گی تو بتاؤں گا"ــ

لیکن جب میں بابا جتنی ہوئی تو ان سے کچھ نہ پوچھا۔ ان سے بہت کچھ چھپانا پڑا۔ خود بابا کی بیماری کا راز جو میرے اور شفتی کے سینے پر انگارے کی طرح دہک رہا تھا لیکن ممی کہتی تھیں ــ یہ سب ڈھونگ ہے۔ ان کا دل تو ہمیشہ سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ جبھی تو ممی کے ہر طنز کو وہ چپکے سے سہہ جاتے ہیں۔ ممی کی چیخ و پکار پر وہ صرف اس وقت نظر اٹھاتے تھے جب وہ پڑھ نہ سکیں اور کتاب رکھ کر ٹرانسسٹر کھول لیتے۔ کیا خبر آئی ــ اخبار کیوں نہیں آیا ہے؟

یہ دونوں فکریں ان کو سخت بے چین رکھتی تھیں۔ اخبار کی دہشت تک خبروں کو پڑھ کر وہ اوپر رکھتے ــ افوہ ــ کتنی تباہی ــ اور پھر وہ اس تباہی' ناانصافی کے خلاف قلم اٹھا لیتے ــ کسی

www.taemeernews.com

سیمینار کی تیاری کرتے' کسی جلسے میں پہنچ جاتے۔ ممی ان کے کاموں سے بہت الجھتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں بابا لاپرواہ اور کٹھور ہیں۔ کسی کے دُکھ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ عزیزوں' رشتہ داروں میں شادی بھی ہوتی' گھر میں مہمان آتے تو ہر بار ان کا نئے سرے سے تعارف کروانا پڑتا بابا سے۔ ممی شرمندہ ہو کر ڈرائنگ روم سے اٹھ جاتیں۔

ہے بھگوان ـــ میرے نصیب میں کیسا بے حس آدمی لکھا تھا۔

صبح ناشتے کے وقت جب بابا اخبار سامنے رکھے انڈے کی بجائے اچار کی پھانک اٹھا لیتے تو ممی فکر مند ہو کر انہیں سناتیں کہ پڑوسن نے ٹیبل فین توڑ کر واپس کیا ہے۔

اونہہ ـــ پرائے ہاتھوں میں جا کر تو چیزیں ٹوٹ ہی جاتی ہیں ـــ بابا لاپرواہی سے کہتے وہ عینک سرکا کر ممی کے غصے سے تمتماتے ہوئے چہرے کو بہت کم دیکھتے تھے۔ البتہ ممی جس دن کسی چمکیلے رنگ کی ساری پہن کر پھولوں کا گجرا لگاتی تھیں تو بابا ان کے بالوں کو سونگھ کر پلو تھام لیتے ـــ یہ کونسا رنگ ہے؟

کوئی بھی ہوگا ـــ تمہیں کیا؟ ممی ان کے ہاتھ سے پلو کھینچ لیتیں۔ بابا انہیں بڑے دکھ سے دیکھتے' ان کے ہونٹ کپکپا کر رہ جاتے اور ممی بابا سے کچھ اور دور ہٹ جاتیں۔

بچے سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اب اکیلے بابا تھے اور ساری دنیا کے دکھوں کا بوجھ' ان کا بدن سوکھتا جا رہا تھا۔ ذرا سی بات پر دل پنکھے کی طرح ڈولنے لگا۔

منی ابھی بہت چھوٹی ہے نا اس لئے وہ بابا سے بہت باتیں کرتی تھیں۔

بابا ـــ آج ہمارے اسکول میں فینسی ڈریس شو ہے' آپ بھی ممی کے ساتھ آئیے نا ـــ؟ میں مہترانی بنوں گی۔

تجھے مہترانی بنا دیکھنے کو تو میرا بھی بہت جی چاہ رہا ہے ـــ مگر کیسے آؤں بیٹا ـــ الیکشن کی وجہ سے آفس میں کام بہت ہے نا ـــ! وہ بڑے دُکھ سے کہتے۔

اونہہ ـــ کام کام کام ـــ بابا کے ذمے لوگوں نے کتنے کام لگا دیئے تھے۔

بابا' ابھی آپ بھی اس پلین میں تھے نا جو فلسطینیوں نے اغوا کر لیا ہے؟

www.taemeernews.com

ایک دن میں نے بابا کی اداس صورت دیکھ کر پوچھا ــــ آج بابی اسی پلین کو ساٹھ مثل ایسٹ میں اڑاتے پھر رہے تھے اعلان کر دیا تھا کہ ان کے دشمنوں نے ان کی شرطیں نہ مانیں تو ٹھیک گیارہ بجے وہ پلین کو تباہ کر دیں گے۔

پچیس عورتیں، گیارہ بچے ــــ بابا کے ہاتھ میں سگریٹ کانپ رہا ہے۔ ان کا سوکھا کمزور بدن لرز رہا ہے۔ اب گیارہ بجنے میں سات منٹ ہیں۔

ہیلو ــــ ہیلو ۔ کوئی نیوز آئی ؟

بابا کی نظریں گھڑی پر ہیں اور پل پل ان کا بلڈ پریشر بڑھتا جا رہا ہے۔

میں گھبرا کے ستار کے تاروں پر انگلیاں مارتی

جاگو موہن پیارے

بابا سچ مچ جاگ پڑتے ۔ آنکھیں موند کر بھیرویں کی دھن میں کھو جاتے۔

یہ کونسا راگ ہے ؟

یہ وہ راگ ہے بابا جو آپ کو ساری دنیا میں کھوئی ہوئی بابا کار سے بچا کر میری طرف لے آتا ہے۔ راگ چاہے کوئی بھی ہو بابا کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ وہ اپنے تمام دکھوں کی کڑواہٹ ستار کے تاروں میں گھول دیتے ہیں مگر کب تک ۔ کیونکہ وہ اندر ہی اندر بجھ رہے تھے۔ ان کی بیماری ہم نے بابا سے بھی چھپائے رکھی تھی۔ جب ان کے بہت سے میڈیکل چیک اپ ہوتے تو ہم لوگ بہت گھبراتے کہ بابا اپنی بیماری جان نہ جائیں۔ مگر انھیں شاید اس بات کی بھی فرصت نہ تھی۔ جیسے جیسے ان کا بدن گھل رہا تھا وہ اور تیزی سے کہتے "

آج ستار نہیں بجاؤ گی ؟

میں ستار بجاتی ۔ بابا سگریٹ تھامے فرش پر آ بیٹھتے۔

بھگوان کے لئے ــــ ! ممی سگریٹ ہاتھ سے چھین کر پھینک دیتیں۔

سگریٹ نہ پینے والے بھی مرتے ہیں ــــ وہ لاپرواہی سے کہتے ۔ آنکھیں بند کر کے سُروں کی کھوج میں نکل جاتے" پھر وہ آنکھیں کھول کر کہتے تھے ۔ ۔

www.taemeernews.com

"بیٹا ستار بجانا مت چھوڑنا کیونکہ دنیا کی تمام دشائیں راستہ ہیں۔ منزل نہیں ــــ منزل تو صرف بھیرویں کے سُروں میں چھپی ہوئی ہے"۔

بابا کو ہر وقت کتابوں میں گھرا دیکھ کر میں ان کے پاس آ بیٹھتی۔

لفظوں کے اس بیوپار میں تو صرف گھاٹا ہی گھاٹا ہوتا ہے نا۔ پھر کتابیں سکھنے سے آپ کو کیا فائدہ ــــ ؟

بابا مجھے غور سے دیکھتے اور پھر اپنے سگریٹ والے ہاتھ کو ٹھوڑی پر ٹکائے کہتے۔

بیٹا تم کہتی ہو نا کہ میں دنیا کی ہر خبر پر کیوں دکھی ہوتا ہوں' تو بس' میں اسی لئے لکھتا ہوں۔ اپنے لکھے ہوئے ہر لفظ کو ایک طویل سفر پر روانہ کرتا ہوں جیسے تمہاری بھیرویں کے سُر کالی اندھیری رات میں سے ایک اور صبح ڈھونڈ لاتے ہیں ــــ میرے الفاظ بھی ساری دنیا میں بھٹکے ہوئے ہیں۔ شانتی کی تلاش میں ــــ

بابا کی باتیں میری سمجھ میں نہ آتیں ان کا جو نقطۂ نظر تھا' ان کی جو آئیڈیالوجی تھی اس کی مخالفت کرنے والے بہت تھے۔ وہ بابا کی توہین کرتے' ان کے نظریوں کی دھجیاں بکھیرتے۔ سچ بولنے پر بابا کے اخبار کو بند کر دیا جاتا ــــ

جبھی تو ممی جل کر کہتیں

انھوں نے زندگی بھر سوائے بگاڑنے کے کچھ نہیں کیا۔

مگر بابا کہتے تھے کہ ہم جس دنیا میں جی رہے ہیں وہاں ہر چیز میں نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہاں صرف وہ نامرے میں ہے جس کے پاس جھوٹ ہے، دوسرے کا حق دبانے کا اختیار ہے۔

بابا دنیا کے ہر حادثے پر' ہر موت پر ایک گولی کھاتے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ بیٹا ستار بجانا مت چھوڑنا کیوں کہ اس کائنات کا سارا حسن ہمارے اندر زندہ ہے' ہماری ذات سے پیدا ہوتا ہے' اسی لئے بابا ہر راگ کو پہچاننے کی کوشش کرتے تھے۔

یہ کون سا راگ ہے ؟

آپ خود ہی پہچانئے ــــ میں ستار پر اپنی انگلیوں سے راگ کی صورت کچھ اور اجاگر کر دیتی تھی۔

 www.taemeernews.com

"یہ تو کوئی بن بلایا مہمان ہے۔ زبردستی روح کی گہرائیوں پہ چھائے جاتا ہے۔" وہ سگریٹ سلگا کے آنکھیں بند کر لیتے تھے۔

ایک رات بابا گھبرائے ہوئے میرے کمرے میں آئے۔

"کیا سوگئی بیٹا — آج ستار نہیں بجاؤگی —؟"

"کیوں بابا — آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے!" میں گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔

"میری طبیعت تو ٹھیک ہے — مگر تم نے کچھ سنا! کرشن چندر کو پھر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔"

اچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب بابا بھی اپنا دل تھام کر بیٹھنے والے ہیں۔ اب ڈاکٹر تک کے انھیں زبردستی بستر پہ لٹا جائے گا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے! بابا بستر پر لیٹ کر بھی اخبار پڑھتے رہیں گے۔ ٹرانسسٹر ان کے سینے پر رکھا ہوگا اور وہ فون ہاتھ میں تھامے لوگوں سے خبریں سنتے رہیں گے۔

ایک شام، بابا قتل و غارت گری کی خبروں میں نہائے، سرخ چہرا اور تھکا بدن لئے آئے۔

"کیا منی کا بخار اتر گیا —؟" انھوں نے منی کے سرہانے بیٹھ کر بڑے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور کسی اندرونی تڑپ سے بے قرار ہو کر بولے۔

"تم نے کچھ سنا بیٹا! آج شاہ فیصل کو کسی نے قتل کر دیا — اُف! اتنی بربریت —

"چھوڑ دو منی کا ہاتھ — کٹھور — ظالم —" . نے بابا کا ہاتھ نفرت سے جھٹک دیا۔ تم نے تو ساری دنیا کے دکھوں پر رونے کا ٹھیکہ لے لیا ہے نا۔ بھاڑ میں جائیں تمہارے بیوی بچے۔"

ممی کی چیخ پہ بابا اچھل پڑے۔ پہلے پیچھے کی طرف پلٹے اور پھر یوں جھک گئے جیسے شرم کے مارے سر نہ اٹھانا چاہیں۔

"بابا — بابا —" میں نے چلا کر کہا — "ذرا سنیے تو — کرشن چندر کو پھر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ بمبئی میں ایک ٹرین الٹ گئی۔ عرب مجاہدین نے ایک پلین اغوا کر لیا — بابا، بچا لیجئے یہ کونسا راگ ہے؟ — مگر بابا اپنا جھکا ہوا سر نہیں اٹھاتے۔ وہ سارے سنساریں پھیلے ہوئے دکھوں کو چھونے چلے گئے ہیں۔ اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جو بھیرویں کے سروں میں ملتی ہے۔ [redacted]

www.taemeernews.com

چابی کھو گئی

ایک چھوٹی سی چابی تھی۔
میز کے خانے میں، ایک چھوٹی سی ڈبیہ کے اندر رکھی تھی۔
کئی بار میں نے یاد کیا۔ یہ چابی کس تالے کی ہے۔ میری میز کے خانے میں دوا کی خالی ڈبیہ میں کہاں سے آئی؟
پھر سوچا، چابی ہمیشہ حفاظت سے رکھنا چاہیئے۔ کوئی نہ کوئی قفل اس سے کھل ہی جاتا ہے۔ پڑا رہنے دو۔ کیا پتہ میری آتما کی طرح کسی اور قفل کے اندر بھی بہت سارے بھید، خواہشیں، شک اور اندیشے بند ہوں، کسی کنجی کے انتظار میں۔ میں جو ایک زمانے سے کھو رہی ہوں۔ سوچ رہی ہوں کہ میرے اندر کیا ہے!
یہ جو لوگ میرے سامنے بیٹھے ہیں، ہنس رہے ہیں اور رو رہے ہیں، کیا واقعی ہنسی ان کے دل کے جھرنوں سے پھوٹ رہی ہے، کیا واقعی آنسو ان کے دل میں چھپے ہوئے تھے!
میں ان کے دلوں میں کیوں نہیں جھانک سکتی۔ میں انسان کے بدن کو چیر کے اس کی آتما کو کیوں نہیں دیکھ سکتی! اپنی بے بسی پر مجھے جھنجلاہٹ بھی ہوتی ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔ بعض وقت جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ دوں۔ ڈاکٹری کی پڑھائی اور اودیش کی محبت۔ ماں کا ایثار — اس زندگی کے معنی آخر کیا ہیں؟ بعض باتیں کتنی ناقابل فہم اور حقیقت سے دور لگتی ہیں! حقیقت کیا ہے؟ بس یہی میں کھوجنا چاہتی تھی۔
اس وقت جب میں اودیش کی محبت میں سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ اس کے سارے وعدوں، دعووں اور خواہشوں کو مانتے وقت۔ بعض وقت یہ باتیں مجھے عجیب سی لگتی ہیں۔ ہر

www.taemeernews.com

وقت اودیش کے خیال میں کھوئے رہنا' زندگی کے ہر دور میں' ہر دن میں اسے شامل کرنا۔ یہ کتنا بڑا کام تھا۔ کتنا مشکل کام اور میں نے کتنی آسانی سے اپنی تمام چابیاں اودیش کو تھما دی تھیں۔ ایک ایسے لاابالی لڑکے کو جو بقول عمی بالکل ناسمجھ تھا۔ جو نہیں جانتا تھا کہ زندگی کے سارے دن ایسے روپہلے' چمکیلے' رنگیلے نہیں ہوں گے جیسے اب ہیں۔ مگر میں نے تو کبھی یہ نہیں سوچا۔ اپنی اور اودیش کی محبت کو تولنے کے لئے کبھی ترازو نہیں اٹھائی۔ اس کے باوجود میرا دل شک سے بھرا ہوا تھا جیسے یہ سب ڈھونگ ہے' فراڈ ہے۔ اس دنیا سے' اس چھل کپٹ والے سنسار سے میرا کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ جب تک میں انسان کے دل کو نہیں دیکھوں گی' میرا اودیش سے بھی کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ جس وقت وہ میرے پاس ہوتا ہے مجھے اپنی محبت کا سو سو طرح سے یقین دلاتا ہے تو میں اور وسوسوں میں ڈوب جاتی ہوں۔ آخر میں یہ کیسے سمجھوں کہ اودیش کے دل میں صرف میں ہوں۔ اس کی تو ہر چیز بند پڑی ہے۔ ایک چابی کے انتظار میں جو نہ جانے کس میز کے خانے میں سو رہی ہے۔

میڈیکل کالج کے ڈاکٹر سوری نے ایک بار ڈسیکشن ہال میں ہم سے کہا تھا "مرد اور عورت دونوں انسان ہیں' اس کے باوجود اُن کے جسموں کا خون اُن کی فطرت کا فرق بن جاتا ہے اور یہیں سے انسانی جسم پر ریسرچ کو الگ الگ کیا جاتا ہے"۔

ہال میں بیٹھے ہوئے ہم سب لڑکے لڑکیاں منہ اٹھائے ڈاکٹر سوری کے نوٹس لے رہے تھے۔

"اگر آپ کسی مرد کا بدن کھول کر دیکھیں تو"۔۔۔

اور میں کانپ اٹھی۔

کیا میں اودیش کا ڈسیکشن کروں! اس کا دل کھول کر دیکھوں! اس رات میں بار بار اودیش کے بدن پر نشتر چلاتی رہی۔ ڈاکٹر سوری کے بتائے ہوئے تمام نشانوں کو میں نے اپنے لمبے لمبے ناخنوں والی انگلیوں سے ٹٹولا۔ مگر مجھے کچھ نہ ملا۔

"جب من کی آنکھیں کھل جائیں تو آتما کو شانتی مل جاتی ہے"۔

www.taemeernews.com

یہ بات ایک میں نے اپنی دادی سے سُنی تھی ۔

من کی آنکھیں ! میں بھی اپنی من کی آنکھیں کھولوں گی کہ سب کا من دیکھ سکوں ــــ

اور نیشن کا دل دیکھ سکوں، جانے میں اس میں ہوں بھی یا نہیں !

اور کیا !" مرد کی محبت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ــــ ممکن ہے وہ صرف زبانی محبت کا ڈھونگ رچا رہا ہو، اور اس کے دل میں کوئی اور سرخ گلاب جیسی عورت بھی ہو !

میں ڈاکٹر کیسے بنوں گی جب تک انسان کے دل کا بھید نہ جانوں ۔ میں کسی کا روگ کیسے مٹاؤں گی ۔

کیا اوپری دواؤں سے انسان کا دکھ دور ہو سکتا ہے !

لیکن مجھے من کی آنکھیں کھولنے والی چابی کہیں نہ ملی ۔ سارے کونے ٹٹول ڈالے ۔ مکڑیوں کے جالے بھرے اندھے کمروں میں گھومتی پھری ۔ اور پھر ایک رات یوں ہوا کہ میں سوتے سوتے سے چونک پڑی، یوں لگا جیسے نور کا ایک ہالہ مجھے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے ۔ بڑی سنہری روپہلی سی رات جگمگا رہی تھی اور میرے سامنے ہر چیز آشکار ہو کر بے حد صاف شفاف، ننگی دھڑنگی موجود تھی ۔ میں اپنے بستر سے اوپر اٹھنے لگی ۔ چاروں طرف دیکھا ــ ہر چیز کو، تہہ کو، اس کی حقیقت کو، جو میرے سامنے عیاں تھی ۔ اپنے تمام لبادے اتارے ہوئے ۔

مجھ میں اب ایک بے پناہ طاقت آگئی تھی کیونکہ میری آنکھوں کی جوت آج ہزار گنا بڑھ گئی ہوئی تھی ۔ اب میں ہر چیز کے اندر کا حال دیکھ سکتی تھی ۔ اس گھڑی کے اندر کیا بھید ہے جو یہ مسلسل حرکت کئے جا رہی ہے ! میرے پاس والے پلنگ پر ممی سو رہی تھیں ۔

میری ممی جو اٹھارہ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھیں مگر اس کے بعد انہوں نے کسی مرد کی طرف نہیں دیکھا ۔ بس مجھے پالنے میں لگی رہیں ۔ روز صبح پوجا کے بعد ممی ایک سرخ گلاب ڈیڈی کے فوٹو کے پاس رکھ دیتی ہیں ۔ بعض وقت میں گھبرا کے سوچتی کہ کہیں یہ ممی کا روٹین تو نہیں بن گیا ہے ؟ روز ایک گلاب فوٹو کے پاس رکھنا ۔ کیا سچ مچ ممی ڈیڈی کے خیال کو سینے سے لگا کر سوتی ہیں جو صرف اٹھارہ برس کی عمر میں ممی کو اکیلا چھوڑ گئے ۔! آج میں ممی کے اوپر پھیلا ہوا بلانکٹ اٹھا کر دیکھوں گی، میں بستر سے اٹھی ــ اندھوں کی طرح ــ آج میری آنکھیں دنیا کی تلخ حقیقتوں کو دیکھنے سے جل رہی

www.taemeernews.com

تھیں۔ میرے ہاتھ میں دلوں کو کھولنے والی چابی آگئی تھی۔

نہیں — میں نے ممی کے بلانکٹ کو چھو کر چھوڑ دیا۔

میں سب سے پہلے اوردیش کو دیکھوں گی۔ کیونکہ میں نے اپنے دل میں اسے بند کر کے چابی ایک میز کے خانے میں رکھ دی ہے۔ کیونکہ میں نے زندگی بھر کے لئے اس کی ہو جانے کا وعدہ کیا ہے۔ جس طرح میں نے سدھو سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ سدھو کتنا خوفناک لگتا ہے، درندوں کی طرح — جیسے مجھے موقع ملتے ہی پھاڑ کھائے گا۔ بعض لوگوں سے جانے کیوں آپ ہی آپ ڈر لگتا ہے۔ یہ ڈر کہاں سے آتا ہے؟ کیوں آتا ہے؟ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا — ایک بار مجھے کلاس میں سدھو سے پن لینا پڑا تھا۔ دوسرے دن وہ پن لینے آیا تھا تو میں نے بلاؤز کے گریبان کو ٹٹول کر کہا:

"شاید میں گھر بھول آئی ہوں۔ تمہیں یاد ہے کل میں نے کونسا بلاؤز پہنا تھا؟" اور سدھو نے مجھے بڑی کٹیلی طنزیہ نظروں سے دیکھ کر کہا تھا،

"نہیں — اگر یاد رکھتا تو وہ یاد بھی کہیں کھو جاتی"

اس دن مجھے خیال آیا کہ میز کے خانے میں رکھی ہوئی چابی کہیں سدھو کی نہ ہو۔ شاید اسے بھی بھول جانے کی عادت ہو تبھی تو آئے دن نئی نئی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا ہے اور پرانی دوستوں کو جیسے پہچاننا بھی مشکل ہے دوسروں کے لئے۔ کبھی تیمر کے ساتھ کبھی ردپا کے ساتھ۔ انجم کہتی ہے کہ مجھے تو سدھو کی داڑھی سے بڑا ڈر لگتا ہے۔

اس لئے کالج میں داخل ہوتے وقت ایک دن میں اوردیش سے لپٹ گئی تھی۔

"وہ دیکھو، سدھو آ رہا ہے۔ مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے"

"میں تمہارے ساتھ ہوں" اوردیش نے میرا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

"اپنے راستے جانے والوں سے ہمارا کیا کام!"

لیکن آج میں اوردیش کو دیکھوں گی۔ اپنی من کی آنکھوں سے۔ معلوم تو ہو کہ میں اس کے دل میں ہوں بھی یا نہیں؟

www.taemeernews.com

اب میں اپنی آنکھیں بند رکھوں گی ۔ اور صبح سے پہلے اودلیش کو دیکھوں گی۔

مگر جانے کیا بات ہوئی !

اُجالا پھیلا تو ہر چیز غائب ہو چکی تھی ۔ میری آنکھوں کی غیر معمولی جوت ' نور کا ہالہ — ہر چیز ختم ہو گئی تھی۔

اور میں وہی چھوٹی چھوٹی آنکھوں والی لڑکی ' گوگلز لگائے کالج کی طرف جا رہی تھی تو میرے ساتھ لوگوں کا ہجوم تھا ۔ سائیکلوں پر ' کاروں میں ۔ پیدل ' سب اپنے دلوں میں ہزاروں بھید چھپائے ' چہرے پر جھوٹے رنگ ملے چل رہے تھے ۔

ہاسپٹل آئی تو کوری ڈور میں سدھو کھڑا ایک میگزین دیکھ رہا تھا ۔

—— آج تھو —— میں فوراً لائبریری کی طرف مڑ گئی تاکہ دوسرے راستے سے اندر جاؤں ۔

بعض وقت جانے کیوں ایسا گمان ہوتا ہے جیسے کوئی ہمارے ساتھ چل رہا ہے ' کوئی ہمیں گھور رہے جا رہا ہے ۔ اب پلٹ کر دیکھیں گے تو کوئی سامنے کھڑا ہوگا ۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا ۔ جب بھی میں نے پلٹ کر دیکھا اودلیش آرہا تھا ۔ جب نظریں اٹھائیں اودلیش نظر آیا — اودلیش اودلیش — یوں لگتا جیسے وہ میری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے ۔ ایک دن میں اسے من کی آنکھیں کھول کر دیکھوں گی اپنی آتما کی شانتی کے لئے جس دن میرے من کی آنکھیں کھلیں گی میں دوڑی ہوئی اس کے پاس جاؤں گی ' ایک مرد کے دل کا ڈسیکشن کرنے تاکہ میری بے قرار آتما کو شانتی مل جائے ۔ اس طرح میں ساری دنیا کو پہچان لوں گی ' ہر چیز کی حقیقت جان لوں گی ۔

" آپ بتائیے اس بیماری کی اصل وجہ کیا ہے ؟ "

ہاسپٹل میں ڈاکٹر باری ہماری پریکٹیکل کلاس لے رہے تھے ۔ ہمارے سامنے میز پر چودہ پندرہ برس کا لڑکا لیٹا ہمیں بڑی مایوسی سے دیکھ رہا تھا ۔ میں نے گلے میں پڑا ہوا اسٹیتھسکوپ اس کے سینے پر رکھا اور اچانک مجھے دھکا سا لگا ۔ میرے چاروں طرف نور کا ایک ہالہ سا پھیلنے لگا ۔ سنہرے ' روپہلے تارے سے جگمگا رہے تھے ۔ ہر طرف پھیلی ہوئی ڈیٹول کی ناگوار بُو ایک مدہوش سی خوشبو میں بدل گئی تھی ' ہر چیز جیسے اُلٹا رخ ہو کر میرے سامنے کھلی پڑی تھی ۔

www.taemeernews.com

میرے من کی آنکھیں کھل چکی تھیں ۔ میں لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس کے دل میں زندگی کی خواہش ایک دیئے کی طرح ٹمٹما رہی تھی' لیکن موت اس کے قریب کھڑی تھی ۔

"ڈاکٹر اس مرض کا نام ہے زندگی کا یقین ۔۔ اسے یقین دے دو وہ ٹھیک ہو جائے گا"

اور میں وہاں سے بھاگی ـــ اودیش کو ڈھونڈنے ۔ پاگلوں کی طرح میں نے ایک ساتھ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگیں ۔

بڑے ہال میں سدھو کھڑا تھا ۔ ایک اینگلو انڈین لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالے ـــ شاید اُسے جنم جنم ساتھ دینے کا یقین دلا رہا ہو ۔ اس نے اپنی لمبی داڑھی کو سیاہ جالی سے باندھ رکھا تھا اور بند گلے والا سویٹر پہنے تھا ۔ لیکن ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں اس کی آتما کو میں نے دیکھ لیا ـــ اُس کا دل سورج کی طرح میرے سامنے روشن تھا اور اس کے اندر انجم کھڑی تھی ۔ انجم جو سدھو کی طرف دیکھ کر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی ۔

دیکھا ـــ آج کیسے کیسے بھید عیاں ہو رہے ہیں ۔ اور وہ کہاں ہے اودیش ـــ اودیش یہاں ہے ـــ ؟ کیا اودیش آیا ہے ۔ ؟ میں سارے ہاسپٹل میں بھاگتی پھر رہی تھی ۔

کیا ہوا ـــ ؟ کیا ہوا ـــ ؟

میرے پیچھے لڑکے لڑکیوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا وہ سب حیران تھے کہ آج میں دیوانوں کی طرح اودیش کو کیوں ڈھونڈ رہی ہوں ۔ حالانکہ میں نے اپنے اور اودیش کے پیار کو سارے میڈیکل کالج سے چھپایا تھا ۔ ہم بظاہر صرف دوستوں کی طرح ملتے تھے ۔ لیکن آج میں اودیش کے دل میں چھپی ہوئی شبیہ کو دیکھ لوں گی ۔

"آج اودیش ہاسپٹل نہیں آیا؟"

ہے بھگوان ـــ اب کیا کروں .... اتنے لوگوں سے کیسے پیچھا چھڑاؤں ؟ گھبرا کے میں ٹائلٹ روم میں گھس گئی ـــ سامنے بہت بڑا آئینہ تھا اور اس کے اندر میں کھڑی تھی ـــ سورج کی طرح واضح ۔ زمین سے آسمان تک اجاگر کی ہوئی ۔ میرا دل سرخ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس کے بیچ میں سدھو کھڑا تھا ۔ لاپروا ۔ بے مہر ۔ خوفناک ـــ

www.taemeernews.com

رات کو میں نے گبرا کے جلدی جلدی میز کا خانہ کھولا اور دوا کی ڈبیا نکالی ـــــــ مگر
وہ چابی کہیں کھو گئی تھی۔

[redacted]

www.taemeernews.com

چلی گئی

"کون تھی وہ؟" اس کے جاتے ہی شاہد نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"جانے کون تھی؟" میں نے فائل کھول کر لاپروائی سے کہا۔ بھائی جان نے دہلی جاتے وقت نوٹس دیئے تھے کہ ان کی کوئی اسٹوڈنٹ آئے گی اُسے دے دینا' وہی لینے آئی تھی"۔ میں پھر فائل پر جھک گیا۔

"ہائے! کیا چیز تھی یار" شاہد نے آہ بھر کر خلا میں گھورتے ہوئے کہا ـــ اور پھر زور کی سانس لی ـــ "چلی گئی"۔

اس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی۔ سارا کمرہ مہکا گئی اپنے وجود سے"۔

شاہد کی بات سن کر میں نے غیر ارادی طور پر زور سے سانس لی۔ واقعی کمرے میں ایک مانوس سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ حالانکہ ہر وقت اس کمرے میں پرانی فائلوں کی اور میرے پسینے میں بھیگے ہوئے ساکس کی بدبو رہتی ہے ـــ اس لئے بار بار مجھے فین کی اسپیڈ بڑھانا پڑتی ہے۔ مگر کمرے کا فین بھی ہمارے چپراسی سندرم کی طرح آئے دن کا روگی ہے۔

یہ کیسی خوشبو تھی' کس کی خوشبو تھی۔ جیسے میں اس خوشبو سے واقف ہوں' مگر اسے دیکھنا بھول گیا۔

"ہرنی تھی' ہرنی ـــ" شاہد نے اپنی فائل کے کور پر ایک ہرنی کا اسکیچ بناتے ہوئے کہا

"اتنی خوبصورت آنکھیں تم نے پہلے کبھی دیکھی ہیں؟"

"میں نے اسے نہیں دیکھا" بڑی شرمندگی کے ساتھ میں نے کہا۔

"کیا تم نے اُسے نہیں دیکھا؟" شاہد کو سخت تعجب ہوا۔

www.taemeernews.com

"کیوں جھوٹ بولتے ہو یار! ابھی تم نے اس سے اتنی باتیں کیں میرے سامنے۔ اور وہ تو تمہیں بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی! سچ" شاہد نے ہرنی کے ایکشن پر بڑی بڑی آنکھیں بناتے ہوئے کہا۔

"ہاں مگر صورت نہیں دیکھی" میں شاہد سے بالکل سچ کہہ رہا تھا۔ جب سندرم نے کہا کہ ایک عورت کچھ کاغذ مانگنے آئی ہے تو میں نے اُسے اندر بلالیا۔ اور نوٹس اس کے حوالے کردیئے۔ ممکن ہے اس کا چہرہ بھی دیکھا ہو، مگر نہ جانے کیوں مجھے اس کے چہرے میں کوئی دلچسپی نظر نہ آئی اصل میں آج انکم ٹیکس والوں نے ہماری فرم پر بہت بڑا الزام لگا کر میرے ہوش اڑا دیئے تھے۔ شاید اسی لئے اتنی خوبصورت لڑکی پر بھی میں کوئی توجہ نہ دے سکا۔ یہ کیسی حماقت ہوگئی مجھ سے۔ ایک شاہد ہے کہ پل بھر میں اس کی آنکھیں تک دیکھ ڈالیں۔

شاہد اس معاملے میں بڑا تیز ہے جب بھی آفس میں کوئی خوب صورت لڑکی آتی ہے تو وہ فوراً اس کے کام کی ذمہ داری سنبھال لیتا ہے۔ پھر چند منٹ کے بعد دیکھو تو کوکا کولا چلا آرہا ہے، کبھی کینٹین سے چائے منگوائی جارہی ہے۔

"مجھے پیلے رنگ سے نفرت ہے۔ مگر اس پر پیلی ساڑی غضب ڈھا رہی تھی" شاہد کہے جارہا تھا میں گردن جھکائے فائلوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"میں سمجھا وہ تمہاری کوئی رشتہ دار ہے، ورنہ کسی نہ کسی طرح اُسے اپنا سیکشن دکھانے ضرور لے جاتا"

شاہد میرے پاس آبیٹھا، سگریٹ جلایا اور پھر فوراً بجھا کر ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

"اچھا یار۔ اب چل دیئے کام کرنے۔ پھر کبھی وہ آجائے تو مجھے کسی بہانے ضرور بلالینا"

شاہد اٹھ کر اپنے سیکشن میں چلا گیا ـــــ میں نے پھر زور کی سانس لی۔ کچھ شبہ سا ہوا کہ یقیناً ہوا میں کوئی خوشبو ملی ہوئی ہے۔ کیسی تھی وہ، میں نے یاد کیا۔ ابھی میرے سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر مجھ سے نوٹس لیے۔ شاید مجھ سے کچھ کہا بھی تھا، کچھ ایسا خیال ہے کہ اس نے کسی بات پر تعجب کا اظہار بھی کیا تھا، شاید اُسے یقین نہ ہو کر پرنیسر اعظم کے بھائی اتنی بڑی فرم

www.taemeernews.com

کے ڈائرکٹر ہو سکتے ہیں یا پھر اُسے میری صورت پر تعجب ہوا ہوگا۔ بھائی جان کا رنگ بہت صاف ہے نا! اکثر لوگ یقین نہیں کرتے کہ میں اتنا کالا آدمی اعظم کا بھائی کیسے ہو سکتا ہوں ــــ مگر رنگ سے کیا ہوتا ہے۔ اماں کہتی ہیں میرا ناک نقشہ بھائی جان سے بہت اچھا ہے۔

میں جلدی سے اٹھا اور ٹائیلیٹ روم میں جا کھڑا ہوا۔ واقعی میری صورت اچھی خاصی ہے اور پھر اتنا خوب صورت بشرٹ۔ اتنا قیمتی پینٹ ــــ بس ذرا بال کم ہو رہے ہیں۔ جب وہ کھڑکی ہوئی تھی تو میں بیٹھا ہوا تھا۔ یقیناً اس نے میرے سر کے گنجے پن کو محسوس کیا ہوگا۔ ایک اور حماقت ہو گئی مجھے اس وقت کھڑا ہو جانا چاہیئے تھا۔ یوں بھی خواتین کا احترام کرنا تہذیب میں داخل ہے۔ مگر اس وقت مجھے کسی بھی بات کا دھیان کیوں نہ رہا؟ حد ہو گئی کہ اس کی ہرنی جیسی آنکھیں تک نہ دیکھیں۔ اس کی پیلی ساری کی اداسی چاروں طرف پھیلنے لگی۔

میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ساری بات پھر سے دہرائی جائے۔ مسز سم اس کے آنے کی اطلاع دے اور سنتے ہی میں فائلیں ایک طرف پٹک کر اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہو جاؤں۔ شاہد کو اس کے آنے کی اطلاع نہیں دوں گا۔ کتنا آوارہ مزاج ہے یہ شخص ــــ گھر میں خوبصورت بیوی اور دو بچے موجود ہیں، مگر ہر وقت لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔

ڈائرکٹر کی کرسی پر بیٹھے ہوئے مجھے ایک ہیضہ ہوا ہے۔ اس لئے دنیا کی معروف ڈائرکٹر نظر آنے کا مجھے بڑا شوق تھا ــــ لو اور بنو معروف ڈائرکٹر ــــ میں نے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا ــــ بعض وقت خواہ مخواہ کی اکڑ بھی انسان کو کتنا نقصان پہنچاتی ہے۔ اب یہی دیکھو، ایک خوبصورت لڑکی اتنی دیر میرے سامنے کھڑی رہی اور میں نے اُسے دیکھا تک نہیں۔ شاہد کہہ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ ہرنی جیسی، اور رنگ۔۔ رنگ کے بارے میں شاہد نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن وہ یقیناً بہت گوری ہوگی۔ ورنہ شاہد جیسا حُسن پرست اُسے پسند نہ کرتا۔ ممکن ہے رنگ زاہدہ جیسا ہو ــــ مگر زاہدہ کی بھی کوئی شکل و صورت ہے۔ لمبی دبلی۔ اماں صرف گورے رنگ پر پھسل گئیں۔ اب زندگی بھر تو ہمیں بھگتنا ہے اور کپڑوں کے معاملے میں تو زاہدہ نری پھوہڑ ہے۔ آج تک اس نے پیلے رنگ کی ساری نہیں پہنی۔

www.taemeernews.com

فون کی گھنٹی بجی ۔ ناگیشور بات کر رہا تھا ۔ چار بجے میٹنگ ہے اور ساڑھے تین ہو چکے ہیں ۔ نہیں میں میٹنگ میں نہیں آ رہا ہوں ۔ آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کے میں کرسی پر دراز ہو گیا ۔۔۔ سندرم، وقار، اور شاہد بار بار کمرے میں آتے رہے ۔ کبھی کوئی لیٹر لکھنے کبھی کوئی فائل دینے ۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا ۔ اور سامنے رکھے ہوئے کاغذوں کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا ۔ مگر ہر چیز پر پیلے دھبے ناچ رہے تھے ۔ اور میرے دل میں پچھتاوے کا دھواں اٹھ رہا تھا ۔

فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی ۔ زاہدہ کہہ رہی تھی " پکچر جانا ہے جلدی گھر آئیے ۔ (کل میں نے خود ہی ریزرویشن کرایا تھا) مگر اس وقت زاہدہ کی آواز سن کر میں جھنجلا گیا ۔

" وقت ہو گیا ہے تو تم چلی جاؤ ۔۔۔ مجھے آج سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے "۔

" اور آج آپ نے ۔۔۔ " اونہہ ۔۔۔ میں نے رسیور پٹک دیا ۔ بس شروع ہو گئیں شکایتیں ۔ آج آپ نے یہ نہیں کیا اور وہ نہیں کیا ۔۔۔ جان کو روگ لگا بیٹھا ہوں شادی کر کے ۔

سگریٹ سلگا کر میں نے وہ ارجنٹ فائل ڈھونڈی مگر کہیں نہ ملی ۔ کل انکم ٹیکس آفس کو یہ فائل بھیجنا ہے ۔۔۔ آخر کہاں گئی ؟ میں نے چاروں طرف ناک اٹھا کر کچھ سونگھنا چاہا ۔۔۔ فضا میں صرف میرے گندے سانس کی بدبو تھی ۔

چلی گئی ۔۔۔ دکھ کی ایک لہر نے پھر پھن اٹھایا ۔ کیسی حماقت ہو گئی آج مجھ سے ۔۔۔ بھائی جان کی اسٹوڈنٹ آئی تھی تو مجھے بھی اس کی کچھ خاطر تواضع کرنا چاہیئے تھی ۔ اچانک پردہ اٹھا کر مسز ڈلفن اندر آ گئی ۔ ہرانی بل کھاتی ہوئی ۔ " پیرو فیمی " کی خوشبو سارے کمرے میں بکھرتی ہوئی ۔ روزانہ اس کے آتے ہی نہ جانے کہاں سے کمرے میں اجالا آ جاتا ہے اور مسلسل کام کرنے سے جو تھکن ہوتی ہے وہ سب اچانک غائب ۔ وہ جب بھی میرے کمرے میں آتی ہے تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی تنگ جرسی کا کھلا گریبان اور اس میں سے پھوٹتی ہوئی " پیرو فیمی " کی خوشبو میرے سامنے رہے ۔ اس لئے میں بھی اس کی تمام غلطیاں، آئے دن کی غیر حاضریاں اور ناز نخرے برداشت کر لیتا ہوں ۔ پھر وہ آتی ہے تو اور وہ بھی باتیں نکل آتی ہیں ۔ نئی فلموں کی، کچرل پروگراموں کی ۔ آفس کے دوسرے لوگوں کی عشق بازی کی ۔

www.taemeernews.com

مگر آج وہ کاغذ سامنے ڈال کر میری طرف جھکی تو میں نے منہ پھیر کر کہا' " مسز ڈلفن! آپ ٹائپ میں بے شمار غلطیاں کرنے لگی ہیں' لے جائیے اس پوری فائل کو پھر سے ٹائپ کر کے لائیے "!

مسز ڈلفن میرے اس رویے پر سخت حیران تھی کہ آج میں اس سے کس انداز میں بات کر رہا ہوں ــــ

اس کے جاتے ہی میں نے بیل پر ہاتھ مارا ۔ " وقار کو بھیجو "۔

سیکشن کلرک وقار اندر آیا ۔

" انکم ٹیکس کی فائل کہاں ہے ؟ کب سے اس کا انتظار کر رہا ہوں "۔ میں نے اپنے سامنے کے کاغذ پٹک کر بے حد غصہ میں کہا ۔

وقار نے بڑے تعجب سے مجھے دیکھا اور جھک کر وہ کاغذ میرے ہاتھ سے لے لئے' جو میں نے ابھی پٹکے تھے ۔ پھر ان کاغذوں کو اکٹھا کر کے اس نے بڑے ادب سے میرے سامنے پیش کئے ۔

" یہ ہیں "۔

میں نے فائل اس کے ہاتھ سے چھین لی' اور چلا کر کہا " تم جا سکتے ہو "۔

وقار اپنے کیبن میں جا کر آہستہ آہستہ مسز ڈلفن سے کچھ کہہ رہا تھا ۔ اور وہ دونوں چپکے چپکے ہنس رہے تھے ۔

بدمعاش ! میں نے دل میں سوچا' ان سب کا مزاج ٹھیک کرنا ہوگا ۔ کام چور ــــ احمق ــــ آج تو مجھ سے بھی ایک حماقت ہوگئی کہ میں نے اس لڑکی کو دیکھا تک نہیں اور وہ چلی گئی ۔ اس وقت جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ دیکھے جانے کے قابل ہی نہ ہو ۔ انکم ٹیکس کی فائل کو میں نے جگہ جگہ سے پڑھا ۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وقار نے اس میں کیا تفصیل سمجھی ہے ۔ اب کام نہیں ہو سکتا ۔ میں نے بدبو دار ساکس پہنے' کوٹ اٹھایا ۔ کل بھائی جان سے ملنے یونیورسٹی جاؤں گا ۔ پوچھوں گا ان کی وہ کون اسٹوڈنٹ ہے ۔ اور اب ذرا کلب جا کر شاہد سے گپ بازی کی جائے ۔ کم سے کم یہی پوچھ لوں کہ اس کا رنگ کیسا تھا ۔

www.taemeernews.com

کار جب فتح میدان اسٹیڈیم تک چلی گئی تو یاد آیا کہ آج کلب بند ہوگا ۔ سٹیلن خواتین کے سوگ میں ۔

اونہہ ۔۔۔

مجبوراً گھر جانا پڑا ۔

لان میں کرسیاں ڈالے زاہدہ، اماں اور بچے بیٹھے تھے ۔ مجھے دیکھتے ہی زاہدہ نے جھلا کر منہ پھیر لیا ۔ اور اٹھ کر اندر جانے لگی، سب بچے بھی چپ چپ نظر آئے ۔

"کیوں، کیا ہوا ؟"

میں اماں کے قریب بیٹھ گیا ۔

" زاہدہ تم سے بہت خفا ہے ۔ ابھی تمہاری شکایت کر رہی تھی ۔" اماں نے کہا،

"تم اس کے ساتھ پکچر نہیں گئے ۔۔۔ اور وہ آفس گئی تھی کسی لڑکی کے نوٹس لینے تو وہاں بھی بات نہیں کی ۔ کہہ رہی تھی جانے کس لڑکی کے فراق میں کھوئے رہتے ہیں ۔" اماں کہے جا رہی تھیں ۔

میں نے چونک کر زاہدہ کی طرف دیکھا ۔ زاہدہ پیلی ساری پہنے تھی اور اس کی بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے ۔

 www.taemeernews.com

سونا آنگن

دعا کے بعد آنکھیں کھول کر بہو بیگم نے دیکھا کہ دن ڈھل چکا ہے۔

صاف ستھرے سنسان آنگن میں سناٹا گونج رہا تھا۔ پھولوں کی کیاریوں پر بہار چھائی ہوئی تھی اور آنگن میں پکی جامنوں کا مینہ سا برس رہا تھا۔

اچانک انہیں پرانے دن یاد آ گئے جب ان کے شریر بچے کچی پکی جامنیں چبا ڈالتے تھے۔ پھولوں کی کیاریوں میں کوئی کلی سلامت نہ رہتی تھی۔ اور آنگن میں ہر وقت کاغذ کی کترنیں، پھولیوں کے چھلکے اور کیچڑ میں سنی گیندیں لڑھکتی پھرتیں۔

پھر انہوں نے جانماز لپیٹ کر کریمن سے پوچھا کہ دروازے پر کون آیا ہے!— دن میں پچاسوں بار چونک کر پوچھا کرتی ہیں کہ کون ہے؟ شروع میں تو کریمن اور اس کی لڑکی شمی، بہو بیگم کو پاگل سمجھتے تھے مگر اب وہ بھی عادی ہو گئے۔

آنگن میں انہوں نے جو بڑیاں سکھانے کو رکھی تھیں وہ کوّے لے لے کر اڑ رہے تھے، انہوں نے کئی بار ہاتھ ہلا ہلا کر کوؤں کو اڑانا چاہا لیکن کوّے بھی جیسے اس گھر کے بڈھے اور بے سہارا مکینوں سے واقف ہو چکے تھے۔

جانماز تہہ کر کے جب انہوں نے پاندان کھولا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کریں؟ اس لئے انہوں نے خواہ مخواہ شمی کو اٹھایا۔

"شمی بیٹا — ذرا دیکھنا تو دروازے پر ڈاکیہ ہے۔"

www.taemeernews.com

خطوں کا انتظار ان کی زندگی کا واحد کام تھا۔ کیا پتہ کس دن کس بیٹے کو وہ یاد آجائیں!

شمی نے میٹھے میٹھے کہہ دیا "بیگم صاحب ڈاکیہ تو چلا گیا اب وکیل صاحب کے ہاں خط دے رہا ہے"

"اے تو بیٹی، ذرا پوچھ تو لے کہ ہمارا تو کوئی خط نہیں ہے"

شمی جانتی تھی کہ خط ہوتا تو پوسٹ مین لے کر آگے کیوں چلا جاتا۔ مگر ان کا دل رکھنے کے لئے وہ ذرا دیر پھاٹک میں کھڑی ہو کر آگئی۔ اتنی دیر میں بہو بیگم کو یقین ہو گیا کہ خط آیا ہے۔ پندرہ بیس دن ہو گئے کسی نہ کسی کا خط تو آیا ہی ہوگا۔

انہوں نے عینک لگا کر ہاتھ پھیلایا تو شمی بڑی ندامت سے بولی۔

"کوئی خط نہیں آیا"

"اچھا" انہوں نے مایوسی کے ساتھ عینک اتار دی اور دھم سے پلنگ پر لیٹ کر اپنے میاں کا انتظار کرنے لگیں۔ جو ڈاکٹر کے ہاں گئے تھے۔ جوانی میں کبھی بچوں نے اتنی فرصت نہ دی کہ میاں کو ایک کٹورا پانی پلا سکیں۔ مگر بڑھاپے میں وہ اب پل بھر کو کہیں چلے جاتے تو بہو بیگم نئی نویلی دلہنوں کی طرح بے قرار ہو جاتی تھیں۔

لیکن آج انتظار سے پہلے ہی کھانسنے کی آواز آگئی، اور پھر حامد صاحب دواؤں اور انجکشنوں کے ڈبوں سے لدے پھندے اندر آئے۔ دبلے، پتلے، خمیدہ کمر، ہاتھوں میں رعشہ، بلڈ پریشر، دمہ اور اختلاج کے مریض۔ دنیا کے مرد جوانی میں رنگ رلیاں مناتے ہیں اور بڑھاپے میں شعر و شاعری، الیکشن بازی، کلب یا اور کوئی شغل ڈھونڈ لیتے ہیں۔ مگر حامد صاحب کی جوانی بیوی کی فرمائشوں اور بچوں کے تقاضوں میں گذری تھی۔ اس لئے انہیں نہ تو دوست بنانے کی فرصت ملی نہ کسی اور شوق کو پالنے کی۔ اب وہ مجبوراً اپنی ساٹھ برس کی بوڑھی بیوی سے عشق کرنے لگے تھے۔ وہ دونوں دن رات اپنے اپنے پلنگ پر بیٹھے ایک دوسرے کی خاطر تواضع دواؤں سے کئے جاتے تھے۔ اور اپنے بچوں کے تذکرے میں گم رہتے۔

آج بھی آتے ہی حامد صاحب نے پوچھا "کوئی خط آیا۔؟"

بہو بیگم کا جی نہ چاہا کہ انکار کر دیں۔ لیکن مجبوراً کہنا پڑا۔

www.taemeernews.com

انکار سنتے ہی انہوں نے دواؤں کے ڈبے تپائی پر رکھے اور جوتے اتارے بغیر پر لیٹ کر سستانے لگے۔

"کسی سے ادھار لے کر دو جو کو روپے بھیجنا ہی پڑیں گے۔ وہ بہت ناراض ہے۔ اسی لئے تو خط نہیں لکھتا" انہوں نے کروٹ بدل کر اداس لہجے میں کہا۔

"اللہ جانے کیا ضرورت آ پڑی ہوگی۔" بہو بیگم نے بھی آنسو پی کر دیوار پر بیٹھی اس سیٹی بجانے والی چڑیا کو دیکھا جس کی نقل داماد بچپن میں کرتا تھا۔

"اور تم نے بڑی دلہن کے لئے باغ کے آم نہیں بھجوائے۔؟"

"آں ہاں۔ آم تو بھولا نے پارسل کر دیئے تھے۔ مگر صادق میاں نے ٹرانسفر کی فرمائش جو کی ہے۔ داماد کی بات ہے، کیا ٹال دو گے!"

حامد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور بڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد بولے

"اب ہم اور علاج نہیں کروائیں گے۔ تم صادق میاں کی فرمائش پوری کر دو۔"

"میں نے رابعہ کے بچے کے لئے ننھے ننھے سے کرتے اور ٹوپیاں سی ہیں، وہ بھی اسی کے ساتھ بھیج دوں گی۔" کرتے ٹوپیوں کے ذکر ہی سے ان کے چہرے پر اجالا سا پھیل گیا۔

بہو بیگم تو ان عورتوں میں سے تھیں جو شادی کے دن سے بچوں کا انتظار شروع کر دیتی ہیں۔ انہوں نے پہلی بار اپنے دولہا کی صورت دیکھی تو خوشی کے مارے کھل اٹھیں۔ ہائے بچے کتنے خوبصورت ہوں گے۔ باپ کی طرح سرخ و سفید رنگ — یہ بڑی بڑی آنکھیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ درجنوں بچے پیدا کر ڈالتیں۔ مگر جانے کیا خرابی ہوئی کہ وہ ساتویں بچے کے بعد ہی ٹھپ ہو گئیں۔

دن رات مرغی کی طرح سب کو پوٹے تلے دبائے رکھتیں۔ ان بچوں کے لئے انہیں کتنے ہی ناممکن پہاڑ ڈھانا پڑے۔ سب سے پہلے تو انہیں ایک بڑا سا خوبصورت گھر بنانے کا چاؤ تھا — حامد صاحب کے باپ دادا نے تیرے میرے کرائے کے گھروں میں زندگی گذاری تھی۔ انہوں نے تو بیٹے کو گریجویٹ بنا کر ہی اپنی زندگی کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ لیکن بہو بیگم بچوں کو کھیرے ککڑیوں کی طرح بڑھتے دیکھتیں تو انہیں نواسوں پوتوں کو پالنے کی فکر ہونے لگی۔ بہوؤں کو لڑتے دیکھنے

www.taemeernews.com

اور داماردوں کے مزاج سہنے کے لئے ایک بڑے سے گھر کی ضرورت تھی۔ اس کی خاطر وہ میاں سے چھپا کر آنے پائیاں جوڑا کرتیں۔ چار لڑکوں کو ولایت بھیجنا اور تین پڑھے لکھے دامادوں کا حصول کرنا کوئی ہنسی کھیل تو نہ تھا۔ اگر وہ میاں کی تھوڑی سی کمائی پر قناعت کر کے بیٹھ رہتیں تو شاید ان کے میاں بھی بچا شعر و شاعری میں غرق رہتے۔ لیکن بیوی کے تقاضوں سے انہوں نے ترقی کی سیڑھیاں طے نہیں کیں بلکہ پھلانگنا پڑیں۔ اور وہ ڈپٹی کمشنر بن گئے۔ اس پر بھی بہو بیگم کا دمڑی دمڑی پر دم نکلتا تھا۔ وہ ایک بڑی سی کوٹھی بنانے کا ارمان لئے بیٹھی تھیں۔ ہائے کیسی کوٹھی تھی کوتوال صاحب کی۔ چاروں لڑکوں کے علیحدہ علیحدہ حصے۔ بیٹیوں دامادوں کے لئے علیحدہ کمرے۔ نواسوں پوتوں کے لئے بڑا سا باغ اور نوکروں کے لئے کوارٹرز۔

بڑا لڑکا راشد خوبصورت اور تیز مزاج تھا۔ بہو بیگم دل ہی دل میں سوچا کرتیں کہ یہ حرامی ضرور ولایت سے میم لائے گا۔ اسی لئے انہوں نے راشد والا حصہ بالکل انگریزی وضع کا بنوایا تھا۔ منجھلا ماجد ہر وقت ماں کے کولہے سے لگا رہتا تھا۔ ذرا دیر کے لئے وہ کہیں چلی جاتی تھیں تو رو رو کر جان ہلکان کر ڈالتا۔ اسی لئے انہوں نے ماجد کے بیوی بچوں کو بھی اپنے ساتھ رکھنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ساجد پڑھائی کا دیوانہ تھا۔ حامد صاحب کا خیال تھا کہ وہ پروفیسر بنے گا جبھی تو بہو بیگم نے اس کے کمرے میں بہت سی الماریاں اور ایک شیلف بنوائے تھے۔ البتہ واحد ہمیشہ کا روگی تھا۔ نہ پڑھنے لکھنے کا' جوگی۔ ' نہ کھیلنے کودنے کا۔ سال کے بارہ مہینوں وہ کسی نہ کسی خوفناک بیماری میں مبتلا۔ پلنگ پر لیٹا کراہے جاتا تھا۔ بہو بیگم سوچتیں' جانے مٹ گیا کچھ پڑھے گا بھی یا نہیں۔

وہ خود بہتیری قابل تھیں اس لئے انہیں بچوں کو لاٹ صاحب بنانے کا بڑا ارمان تھا۔

لیکن لڑکیوں کے اندیشے مارے ڈالتے تھے۔ شافعہ اور رافعہ تو خیر صورت ہی کی ایسی تھیں کہ باپ ڈپٹی کمشنر نہ ہوتے تب بھی کوئی نہ کوئی راجے کا بیٹا اڑنے والے گھوڑے پر بیٹھ کر ان کے لئے آ ہی جاتا۔ مگر واحدہ کم بخت نہ صورت کی تھی نہ سیرت کی۔ دن بھر بہن بھائیوں سے لڑنا مرنا اور ان کے کھیل بگاڑنا اس کا کام تھا۔ بہو بیگم کانپ کانپ کر سوچتیں کہ جانے منحوس کو پرائے گھر میں چین بھی ملے گا یا نہیں یا کسے کو لیے بیٹھی رہے گی! جیسے ایک بات تو وہ طے کئے بیٹھی تھیں کہ نہ تو کوئی

www.taemeernews.com

لڑکا پردیس میں نوکری کرے اور نہ کوئی لڑکی دور بیاہی جائے گی۔

بچوں کی یہ پلٹن رفتہ رفتہ نہایت عقل مند اور سرکش ہونے لگی۔ شافعہ نے باپ کو بحث میں قائل کر کے میوزک اسکول میں داخلہ لے لیا۔ ہادیہ کو تصویریں بنانے کا شوق تھا اور وہ سڑی دیوانی سی صورت بنائے جانے کیا چڑیا کمنٹے کاغذ پر اتارا کرتی تھی۔ ماجد اور ساجد نے ابا کے لگائے ہوئے آم اور امرود کے درخت کٹوا پھینکے اور باغ میں ٹینس کا لان بن گیا۔

حامد صاحب بہت برہم ہوئے مگر بہو بیگم بیٹوں کی اس خود سری پر دل ہی دل میں کھل اٹھیں "لے کرنے دو منحوسوں کو۔ یہ سارا گھر بار ان ہی کے لئے تو ہے" انہوں نے جیسے بیزار ہو کر پنکھا اٹھالیا تو حامد صاحب بیچارے بھی چپ ہو گئے۔ وہ شوہروں کی اس قوم سے تھے جو بڑھاپے میں بیوی کی بازگشت بن جاتے ہیں، خصوصاً بچوں کے معاملات سلجھانے میں انہیں اپنی نااہلی اور بیوی کی دانشمندی کا پکا یقین ہو جاتا ہے۔

پھر سدا کے روگی واحد کو جانے کونسی دوا راس آگئی کہ وہ بوتل کے جن کی طرح شائیں شائیں بڑھنے لگا۔ اور ایک دن اس نے ضد شروع کی کہ وہ اسکول کی کرکٹ ٹیم کے ساتھ دہلی جائے گا۔ بہو بیگم تو سنتے ہی حواس باختہ ہو گئیں — "اے ہے دلی کوئی یہاں ہے، اللہ میاں کے پچھواڑے"، حامد صاحب بھی ہچکچائے۔ مگر سوچا کہ ابھی سے اتنا گھبرائے تو بیج چکے انہیں یورپ — واحد کا گھر سے پاؤں نکالنا تھا کہ سب ہی کے پر لگ گئے۔ آج کوئی کشمیر جا رہا ہے تو کل مدراس۔ شافعہ کو بھی کیرل جانا پڑا۔ بہو بیگم کے دل کو جیسے پنکھے لگ گئے۔ پہلی بار واحد گھر سے باہر گیا تو انہوں نے دو دن تک کھانا نہیں کھایا۔ دن رات روتی رہیں۔ مصلّے بچھا کر یوں بیٹھ گئیں جیسے واحد دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہو۔ آٹھ دن کے بعد وہ گھر آیا تو ماں کی حالت دیکھ کر اس نے خود توبہ کی اب کبھی کہیں نہیں جائے گا۔ لیکن جب راشد ڈاکٹر بن گیا تو اس کے یورپ جانے کا دن آپہنچا — ایک دو اکٹھے تین برس، بہو بیگم کب تک بھوکی رہتیں، کب تک راتوں کو جاگتیں۔ پھر چھ اور بھی ضدی کام چور شیطان تھے جو انہیں ایک منٹ کا چین نہ لینے دیتے تھے۔ جوان بچوں کی ماں بھی کتنی احمق اور صبر والی ہوتی ہے۔ بچوں میں جوں جوں عقل آتی گئی وہ ثابت کرنے لگے کہ ان کی ماں

www.taemeernews.com

کا ہر کام عافیت ہوتا ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کو تو ماں کی ہر بات مضحکہ خیز لگتی تھی۔ وہ لڑکیوں کی پسند کا کپڑا پہننے لگیں۔ ان کی پسند کا گھر میں کھانا پکتا۔ لیکن جس وقت ساجد نے ابا کو زیادہ حق پیچھے پر ٹوکا تو بہو بیگم کے دل میں چاندنی سی دمک اٹھی۔ اب تو ان کے بچے اتنے سیانے ہو گئے ہیں کہ ماں باپ کو عقل دیں۔

بہو بیگم کی کائنات گھر کے اندر تھی، لیکن دنیا کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ انہیں اس دن ہوا جب شاذیہ کو ان کے دیور بیٹے کے لئے پاکستان لے گئے۔ وہ تو کالے کاسوں اپنی بیٹی کو کبھی نہ بیاہتیں مگر آسمانی نکاح کو کون روک سکتا ہے؟ شاذیہ چلی گئی تو بہو بیگم نے رو رو کر عینک لگالی۔ ان کے بال اچانک سفید ہونے لگے۔ توبہ کی، اب دوسری لڑکیوں کو غیر ملکے میں بھی نہ دیں گی۔ شاذیہ نے بھی پہلے تو رو رو کر ہر روز اماں کو ایک خط لکھا۔ لیکن پہلا بچہ ہوا تو وہ اماں کو اطلاع دینا ہی بھول گئی ـــ دو برس تک راشد کو بھی اماں کے پکائے ہوئے سالن اور ابا کی صورت بہت یاد آئی اور پھر ایک دن بہت اداس ہو کر اس نے وہیں گھر بسالیا۔

اس خبر نے بہو بیگم کے دل پر پتھر دے مارا، اور حامد صاحب کا بلڈ پریشر گرنے لگا۔ بچپن میں انہوں نے جانے کتنی بار راشد کے گلابی گال چوم کر اعلان کیا تھا کہ میرا چاند تو ولایت کی میم لائے گا، مگر جب وہ دن آیا تو بہو بیگم کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ اپنے ہاتھوں سے راشد کے سر سہرا باندھنے اور اس کی سسرال والوں سے جہیز پر لڑنے کا انہیں کتنا ارمان تھا۔

بڑے کی دیکھا دیکھی چھوٹے بھائیوں کے لئے بھی کہیں نہ کہیں جانا ضروری ہو گیا۔ مگر ہادیہ کو انہوں نے سچ مچ پردیس میں دیا۔ لڑکا بچپن سے دیکھا بھالا، اور پھر اتنا قابل ـــ لیکن رواعی کے وقت بہو بیگم یوں کلیجہ پھاڑ کے روئیں جیسے بیٹی سات سمندر پار جا رہی ہو۔ وہ جو کہتے ہیں کہ بری بات منہ سے نکالو تو ہو کر رہتی ہے۔ سو وہی ہوا۔ ہادیہ کے دولہا کو بیٹھے بٹھائے جانے کیا خفقان اٹھا کہ امریکہ جائے گا۔ سب اس بات کو مذاق ہی میں ٹالتے رہے اور وہ امریکہ چلا گیا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا کہ بہو بیگم یوں رو رہی تھیں جیسے ہادیہ سمندر پار جا رہی ہو۔

لوگ انہیں سمجھاتے کہ لڑکیاں شوہروں کے گھر میں اچھی لگتی ہیں اور بھئی لڑکے کا نے

www.taemeernews.com

کمانے یا بیرونِ جائیں تو کیا محض بیٹے ماں باپ کے ٹکڑوں پر پڑے رہیں۔ ان باتوں کو دس برس بیت چکے تھے۔

بہو بیگم نے چڑیاں پالی تھیں کہ موقعہ ملتے ہی سب اڑ گئیں۔ وہ سب کبھی کبھار مہمانوں کی طرح دو چار دن کے لئے آ نکلتے تھے۔ ورنہ زندگی کی تیز رفتاری میں اتنی مہلت نہ ملتی تھی کہ اپنے وطن جا کر بوڑھے ماں باپ کا دل بہلائیں۔

سب اپنی روزی کمانے اپنے اپنے مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے عہدوں پر کام کر رہے تھے اس لئے ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ کسی تعلیم یافتہ بہو کو جاہل اور جھگڑالو ساس کے پاس آنا اچھا نہ لگتا تھا۔ کسی بیٹے کو یہ پرانی وضع کا گھر پسند نہ تھا۔ پھر ابا کے حقے کی بدبو اور کھانسی بلغم کی سڑاند اور اماں کی تیز مزاجی سے وہ دور بھاگ گئے تھے۔

اب اس بھائیں بھائیں کرتے گھر میں وہ اکیلی رہ گئیں۔ ان کا دل تو صرف اپنے میاں کی تنہائی پر کڑھتا تھا جو تنہائی سے گھبرا کے بجھے جا رہے تھے۔ کوئی اتنا بھی تو نہ تھا کہ تھرا میٹر دیکھ کر ان کا ٹمپریچر بتا سکے۔ آئے گئے کی خوشامد کرنی پڑتی۔ کبھی کبھار کوئی بہو کسی بچے کی سالگرہ کا فوٹو بھیج دیتی کہ دادا دادی تحفہ بھیجیں گے۔ بس پھر دونوں بڑھیا بڈھے کو ہفتوں کا شغل مل جاتا ہر آنے والے کو وہ فوٹو دکھاتے۔ پیار کرتے کرتے بہو بیگم تصویر کو پیک سے رنگ ڈالتی تھیں۔

"راشد کتنا شریر تھا' ایک بار یہ ضد تھی کہ میں ہر وقت کھڑی رہوں۔ جہاں میں بیٹھی اور وہ رویا' سارا دن کھڑی رہی تھی۔" بہو بیگم پاندان کھول کر بیٹھتیں کہ پرانے دن سامنے بکھر جاتے۔

"اور ماجد کیسا نڈر دیوار پر سے صحن میں کود جاتا تھا" ــــ حامد صاحب بھی آنکھیں چندھیا کر ماجد کا بچپن دیکھنے لگے۔

"ماجد کی ساس کہہ رہی تھیں کہ ماجد کا تیسرا لڑکا بالکل اسی کی صورت ہے" بہو بیگم نے چھالیہ کاٹتے میں بڑے فخر سے کہا۔

"لیکن تصویر میں دیکھو اس کی ناک بالکل ماجد کی سی نہیں ہے۔" حامد صاحب کو فوراً پرانی تصویریں ڈھونڈ کر دیکھنے کا چانس مل گیا۔

www.taemeernews.com

"مجھے تو راشد کا فرحان شہزادہ لگتا ہے۔ کیسی پیاری صورت ہے۔" بہو بیگم بے ساختہ کہنے لگیں۔

"لیکن کہیں اس کا رنگ اپنی ماں کا سا نہ ہو۔" حامد صاحب نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"ائے واہ ۔ وہ کیوں ہونے لگا کالا ۔ میرے بچے کالے ہو ہی نہیں سکتے۔"

"میرے بچے۔" حامد صاحب نے ترس کھانے والے انداز میں بیوی کی طرف دیکھا۔

"جب ہمارے بچے ہی ہمارے نہ ہوئے تو ان بچوں سے کیا ناتا ۔ ؟" اس حقیقت کو جاننے کے باوجود وہ خود بھی یہی حماقت کرتے تھے۔ ان بچوں کی یادوں اور باتوں کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ رہا تھا۔ کبھی کبھار جب کسی بہو کے طعنوں کے زخم سوکھ جاتے تو ان کے پیروں میں پھر کھجلی اٹھنے لگتی۔ ان کا جی چاہتا اپنے پوتوں سے جا کر کھیلیں۔ انہیں شرارتیں اور گالیاں سکھائیں، پھر وہ کسی سے ادھار قرض لے کر چل کھڑے ہوتے۔ لیکن وہاں ان کے ناک، حلق اور پیٹ بیٹوں کی غذاؤں سے عاجز آ کر بہو انہیں دوسرے تیسرے دن ٹرین میں سوار کرا دیتی تھی۔

وہ دونوں اپنے اپنے پلنگ پر لیٹے اونگھ رہے تھے۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ مگر کون اٹھ کر روشنی کرتا! باہر سڑک پر شام کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا اور اماں نے ہنڈیا چولہے پر ڈالی تھی۔ گوبھی جلنے کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

اتنے میں اذان کی آواز آئی اور دونوں کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

بہو بیگم نماز کی چوکی پر بیٹھی وضو کر رہی تھیں کہ ان کی بھتیجی رضیہ آ گئی۔ اب ان کا زیادہ وقت ان بھانجیوں بھتیجیوں کے مسائل سلجھانے میں گزرتا تھا۔ مگر آج رضیہ آئی تو ہمیشہ کی طرح قہقہے لگانے کی بجائے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آتے ہی ان سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔

معلوم ہوا کہ رضیہ کے میاں نے دوسرا نکاح کر لیا ہے۔ کیونکہ رضیہ کے بچے نہیں تھے۔

یہ خبر سن کر بہو بیگم نے خود بخود اطمینان کی ایک طویل سانس لی جیسے ساتوں بچے بیک وقت ان کے پیٹ میں چیاؤں چیاؤں کر رہے ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے آنسو پونچھ کر رضیہ کو تسلی دی۔

"ائے شیطے نگوڑے مارے کی نیت کو کیا ہو گیا۔ بھلا تم سے زیادہ خوبصورت اور محبت

www.taemeernews.com

کرنے والی کہاں ملے گی حرام خور کو۔"

"مگر پھوپھو ان کا بھی کیا قصور ہے!" رضیہ نے سسکیاں روک کر کہا۔

"میں بانجھ ہوں۔ اللہ نے میرے نصیب ہی کھوٹے کر دیئے ہیں تو وہ کیوں اولاد کے لئے ترسیں۔ گھر کو آباد کرنے والا کوئی تو ہو، بڑھاپے میں تو انسان کو صرف اولاد ہی کا سہارا ہوتا ہے۔"

"بانجھ۔۔!" بہو بیگم کے سینے پر یہ لفظ موسل بن کر گرا اور رگ رگ کو کچل گیا۔ انہوں نے اپنے بھائیں بھائیں کرتے خالی گھر کو دیکھا اور پھر حامد صاحب کو، جو کھانستے کھانستے ڈگمگاتے قدموں سے اٹھ کر پانی پی رہے تھے۔

اچانک بہو بیگم کو ایسا لگا کہ وہ خود بھی بانجھ ہیں۔ ان کی کوکھ سے آج تک کوئی کونپل نہیں پھوٹی۔ انہوں نے اس اندھیرے گھر میں روشنی پیدا کرنے والا کوئی بچہ پیدا نہیں کیا۔۔۔ پھر اپنی بدنصیبی پر وہ رضیہ سے لپٹ کر یوں روئیں جیسے ان آنسوؤں میں ڈوب مریں گی۔

"رضیہ بیٹی۔۔۔ میری گڑیا۔۔۔ صبر کر۔۔" پھر دل ہی دل میں بولیں۔۔۔ "مجھ کو دیکھ وہ خود بانجھ سے بھی بدتر ہے۔ دیکھ، دیکھ۔۔۔۔"

www.taemeernews.com

میں اور میرا خدا

تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔

خدا نے موسیٰ سے کہا تھا تو پوری کائنات لرز اٹھی تھی۔

اس کی تجلی کے سائے سے کوہِ طور سیاہ پڑ گیا تھا۔ دور تک آسمانوں کے سلسلے دہل اٹھے۔

موسیٰ ـــ موسیٰ ـــ موسیٰ کہاں ہے؟

کوئی مجھے دور سے پکار رہا ہے۔ شاید یہ خدا کی آواز ہے۔ ہاں اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے ـــ آج اس نے مجھے یاد کیا ہے۔ کیونکہ میری اور خدا کی دوستی بہت پرانی ہے ـــ وہ میری رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے، وہ میرے چاروں طرف خوشبو کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ میں محسوس کر سکتا ہوں۔ وہ موسیٰ کو پکار رہا ہے۔ تو میری نجات کا دن آ گیا ـــ آج مجھے نروان ملے گا۔

آج جب سات دن کے بعد میرے ہاتھ میں ایک روٹی آگئی ہے تو میں ہر سزا سہنے کو تیار ہوں۔ کیونکہ آج میں نے چوری کی ہے۔ ایک بھوکے بچے سے روٹی چھین کر بھاگا ہوں۔ شاید اسی خوف سے کانپ رہا ہوں یا میرے زخموں سے بہنے والا لہو مجھے دہلائے دے رہا ہے۔ مگر روٹی پانے کے بعد میں بے پروا ہو گیا۔ میں تو اپنی انگلیوں میں الجھی ہوئی اپنی آنتیں بھی دیکھنا بھول گیا ـ جب انسان کے ہاتھ میں روٹی آجائے تو اس کے فرعون بن جانے کا اندیشہ ہے ـــ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے روٹی والوں کو فرعون بنتے ـــ موسیٰ ـــ موسیٰ ـــ کیا تم مجھے دیکھنے کی تاب لا سکو گے۔

"نہیں نہیں ـــ آج مجھے مت پکارو ـــ آج میں خدا کی آواز سے، اس کے سائے سے

www.taemeernews.com

دور بھاگنا چاہتا ہوں ۔ اس روٹی کو کھانے کے لئے ـــ مگر روٹی کھانے سے کیا میرا پیٹ بھر جائیگا۔ میرا پیٹ تو میری آنتوں سے خالی ہو چکا ہے ۔ انہوں نے میرے اوپر ہر طرف سے وار کئے ۔ میں چاہتا تھا' وہ میرے ہاتھ کاٹ دیں' لیکن میرا پیٹ نہ کاٹیں کیونکہ وہ خالی ہے۔ اور یہ میری شدید خواہش تھی کہ میرے پیٹ میں ایک روٹی ہو ۔ مگر وہ نہ مانے ۔ انہوں نے میرے پیٹ پر وار کیا اور میری آنتیں میرے سامنے آگریں ۔ میں نے اس روٹی سے اپنی الجھی ہوئی آنتوں کو لپیٹا اور بھاگنے لگا ۔ اس وقت خدا' جانے کہاں تھا ـــ وہ ہزار آنکھوں والا جو میرے وجود کا ایک حصہ تھا ۔ میں نے ہمیشہ اسے اپنے دل کے قریب محسوس کیا ہے ۔ وہ خدا جو ڈوبتے ہوؤں کی ناؤ تیراتا ہے ۔ جو سمندر کی تہہ میں مچھلی کو غذا پہنچاتا ہے ۔ جانے کیسے مجھ جیسے چھ فٹ کے انسان کو بھول گیا ۔ ضرور اس میں فرشتوں کی غلطی ہوگی ۔ ضرور میرے نیکیوں کے احکام والے کاغذ جو ہے لے گئے ہوں گے' اسی لئے تو میں جب بھی پیاسی نظروں سے آسمان کو دیکھتا ہوں تو وہ مجھ سے کہتا ہے کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے ۔

میں دیکھوں گا' میں دیکھ سکتا ہوں ـــ میں اس کی تلاش میں بھاگتا گیا ـــ خواہشوں' آرزوؤں اور امیدوں کو جھٹک کر بھاگتا گیا ۔ بھوک سے تلملا کر جب بھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے تو لوگوں نے مجھے نفرت سے دیکھا ۔

اونہہ ' اس مخلوق سے کہیں نجات نہیں ملتی ۔

لوگ تم سے پناہ مانگیں تو ان سے دور بھاگو ۔ مہاتما بدھ نے کہا تھا کہ اپنے بدن کی خواہشوں کو تیاگ دو ۔ پھر تم خدا سے قریب ہو جاؤ گے ۔ لیکن خواہشیں نیلان کی ناٹی تو نہیں ہوتیں کہ آسانی سے اتار پھینکیں ـــ مگر میں نے اپنی کھال کی طرح اپنی تمام خواہشوں کو کھینچ ڈالا

ننگا ـــ ننگا ـــ لوگ مجھے سڑکوں پر دیکھ ہنسنے لگے ۔

بے حیا ـــ بے شرم ـــ وہ میرے اوپر پتھر پھینکتے ہیں ۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے ۔ میرا دل دیکھو ' میرے ہاتھ دیکھو ' میرا خالی پیٹ دیکھو ۔ پھر میں انہیں صرف بے شرم ہی کیوں نظر آتا ہوں ۔

www.taemeernews.com

اب میرے سامنے سے لوگوں کا ہجوم وہم کی طرح دھندلانے لگا ہے۔ کیونکہ میں اپنی آنتوں سے روٹی کو دبائے اس جگہ آگیا ہوں۔ پہاڑوں، دریاؤں اور اونچی بلڈنگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ دنیا کی گھومتی ہوئی نارنگی مجھے ایک پتنگ کی طرح نظر آرہی ہے۔ اندھیرا ـــــ خوف اور انتقام سب بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کے باوجود اس روٹی کو چبانے اور نگلنے کی خواہش میرے سارے بدن میں سلگ رہی ہے۔ جانے کیوں خدا نے میرے وجود کو ایک ایسے تشنہ بدن میں اتارا تھا۔ جو ساری زندگی بھوک کی آنچ میں سلگتا رہا، اور روٹی ملی بھی تو کب جب میری آنتیں میری انگلیوں میں الجھ رہی ہیں ـــــ آج اس سیاہ رات نے مجھے تنہا دیکھ کر میرے اوپر وار کر دیا ہے۔ جب تک میں بچتا رہا وہ میرے اوپر وار کرتے رہے۔ اور جب میں زمین پر گر گیا تو مردہ سمجھ کر بھاگ گئے۔ کیونکہ خدا کا سہارا مجھے کبھی جھکنے نہیں دیتا۔ لیکن میں اپنی آنتوں کو سمیٹ کر پھر کھڑا ہو گیا۔ کائنات کے اس اندھیرے کونے میں چھپ گیا ہوں۔ میرے دشمن سارے ارض و سما میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ آج کائنات تہ و بالا ہو رہی ہے۔ لگتا ہے آسمانوں پر ضرور کوئی ایسی بات ہوگی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی۔

میری زبان کتے کی طرح میری ٹھوڑی تک لٹک آئی ہے۔ میرے آگے پیاس کا کربلا پھیلا ہوا ہے۔ اصولوں کی خاطر، سچائی کی خاطر پیاسے رہنے کی کہانی مجھے اس وقت یاد آرہی ہے۔ میرا بدن ان زخموں سے چھدا ہے جو کربلا کے میدان میں شہیدوں کو لگے تھے۔ میرے دل میں وہ شمع جل اٹھی ہے جو صلیب پر چڑھنے کے بعد عیسیٰ کے دل میں جلی تھی اور میرے آگے تنہائی کا بن باس پھیلا ہوا ہے۔ یہ کونسی جگہ ہے؟ میں پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہاں ہواؤں میں خنکی ہے نہ روشنی کی رفاقت۔ رام کے بن باس کی پہلی رات جیسا اندھیرا۔ کربلا میں شہادت کی رات جیسی اداسی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے آج ایک عظیم انسان شہید ہونے والا ہے۔ سات آسمانوں پر اس کی آمد کا شور ہے۔ ہزار آنکھوں والا قہر اور رحم کے جلوے دکھانے والا خدا آج ساری کائنات نگرانی کر رہا ہے۔

میں نے کئی بار سوچا کہ میں موسیٰ ہوں تو ایک بار پھر خدا کے جلوے کی خواہش کروں۔ کیا

www.taemeernews.com

ضروری ہے کہ سب کو ایک سا ہی جواب ملے۔ اس لئے میں نے اسے بار بار پکارا، اور ہزار پردوں میں چھپنے والے بحر و بر کے مالک کہا مجھے بھی اپنے سائے کی روشنی سے سرفراز کر۔ میں بھی موسیٰ ہوں اور ہزاروں برس سے تیری دید کی آس میں کھڑا ہوں۔

"موسیٰ ۔۔ موسیٰ" مجھے راتوں کو کوئی خوابوں کی وادیوں سے پکارتا ہے۔

"تم مجھے دیکھنے کی تاب نہ لا سکو گے"

ہاں ۔۔ آج تو میں کسی بات کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ کیونکہ میرا بدن زخموں سے چور ہے۔ رات میرے تعاقب میں ہے۔ پولیس والے خطرے کی سیٹیاں بجا رہے ہیں۔ ہوائیں چلا رہی ہیں اور کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا ہے۔ اس سے پہلے ایسا غضب ناک اندھیرا میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آج میرے بھاگنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ میرے پاؤں لہو لہان ہو چکے ہیں۔ میری آنکھیں دوست اور دشمن کی پہچان بھول گئی ہیں اور میرا دل خالی ہو چکا ہے۔ جینے کی چاہ سے، محبت کی طلب سے ۔۔ نجات کا احساس میرا قد اونچا کر رہا ہے، جیسے میں اجنتا میں رکھا ہوا مہاتما بدھ کا سب سے بڑا مجسمہ بن گیا ہوں۔ کیونکہ گھر سے چلتے وقت میں نے بھی راج کمار سدھارتھ کی طرح نفیسہ کی چاہت اور سپو کے پیار کو توڑ کے نفیسہ کے سرہانے رکھ دیا تھا۔ لیکن میں نے نفیسہ کے نام کوئی چٹھی نہیں چھوڑی۔ میں لکھنا جو بھول گیا تھا۔ نفیسہ کی طرح الفاظ بھی مجھے دھوکا دینے لگے تھے۔ مجھے یاد ہے پہلی بار جب میں نے نفیسہ کا نام اپنے ہاتھ سے لکھا تھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا تھا کہ کاغذ پر صرف پیار لکھا ہوا ہے۔ نفیسہ کا نام کہاں گیا؟ ۔۔ اور گھر سے چلتے وقت جب میں نے نفیسہ کو خط لکھنا چاہا تو کاغذ پر نفرت کی سیاہی پھیل گئی تھی۔ شاید وہ سوچتی ہو کہ وہ پاگل موسیٰ کہاں گیا۔ وہ پاگل موسیٰ ۔۔ پیغمبروں والی رات کے کنارے کھڑا ہے۔ اور سوچ رہا ہے کہ اس نے نفیسہ اور سپو کے لئے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا۔ اپنا غم بھی نہیں۔ کہتے ہیں ہر انسان کے اندر بھی ایک عدالت ہوتی ہے جہاں سے اسے اپنے گناہوں پر سزا ملتی ہے اور الزاموں سے بری کیا جاتا ہے ۔۔ میں نے بھی سپو کی محبت کو قتل کرنے کے جرم میں عمر قید کی سزا پائی ہے ۔۔ اور

www.taemeernews.com

آج یومِ نجات آگیا ۔ میرے بدن کا سارا خون زمین کی طرف رواں ہے۔ لیکن میں نہیں گروں گا ۔ مجھے ابھی پرائی سوکھی روٹی کھانا ہے ۔ میں اتنا بڑا نہیں تھا ۔ یہ بڑائی تو مجھے روٹی کی جستجو نے سکھائی ہے' مجھے اتنا خودغرض بنادیا ـــ کمینہ ۔ چور ـــ او میرے خدا ۔ میرے وجود میں سمانے والے! مجھے بتا کہ کون بڑا ہے؟ میں یا ساری خدائی ـــ! آ ـــ میرے قریب آ ـــ میں تجھے نہیں دیکھ سکتا ـــ لیکن تو میری ایک جھلک دیکھ لے آج ـــ ہاں آج یہ انہونی ہو کر رہے گی ـــ ساری کائنات تہ و بالا ہو رہی ہے ۔ آسمانوں پر بڑا اہتمام شروع ہو گیا ہے۔ ہوائیں سہم گئی ہیں۔ میرا سارا وجود لرزنے لگا ہے۔ پھر سیاہ پہاڑوں کے بیچ سے روشنی کا ایک واہمہ سا چمکا اور دیکھتے ہی دیکھتے اندھیرے میں چھپ گیا۔

"میں جانتا تھا" ـــ میں نے زمین کی طرف جھکتے ہوئے آسمان کو مخاطب کیا۔ "تم بھی مجھے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکو گے"

www.taemeernews.com

اَدّو

آج اَدّو اچانک بہت بڑا اور سب سے اہم بن گیا تھا۔ جیسے پتھر اپنوں سے کٹ کر خدا بن جاتا ہے۔ اَدّو کو بھی آج دنیا کی ہر چیز حقیر اور قابلِ تسخیر نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ آج وہ اپنے آپ کو صاحب کی طرح اونچا محسوس کر رہا تھا۔ آج اس کی جیب میں ایک روپیہ تھا۔ سچ مچ کا ایک روپیہ۔ اسی لئے تو جیب کی طرف سے وہ ایک طرف کو جھک گیا تھا۔ آج اسے معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز اپنے آپ بغیر کسی ڈور کے سہارے آسمان پر کیسے اڑتا ہے۔ صاحب کی موٹر کیسے زن سے چل نکلتی ہے اور سرکس میں پہلوان کیسے ہاتھی کو اپنے سینے پر کھڑا کر لیتا ہے۔ یہ سب پیسے کا کس بل ہے میاں"۔ اس کا چچا سچ ہی ٹھیک کہتا تھا۔

اسی وجہ سے آج اَدّو بھی بازار میں یوں چل رہا تھا جیسے اس کی ٹانگیں دو بانس اوپر ہو گئی ہوں اور وہ نیچے کی غریب مخلوق کو روندتا ہوا گذر رہا ہو۔

فٹ پاتھ کے ہر خوانچہ فروش سے اس نے پوچھا۔

"گاجریں کتنے میں کیلو دو گے! سیتا پھل روپے کے کتنے دو گے؟ ایک روپے والی آئس کریم ہے؟"

ان سب چیزوں کے نام پوچھ کر اس کے دل میں ایسی ٹھنڈک ہو گئی جیسے اس نے ایک روپے والی آئس کریم کا پورا گلاس کھا لیا ہو ـــــ اکثر جب وہ بیگم صاحب کے ساتھ بازار جاتا تھا تو اسے سخت تعجب ہوتا کہ اتنے سنترے، آئس کریم، چاٹ اور مٹھائیاں بک رہی ہیں مگر پرس میں روپے رکھنے کے باوجود بیگم صاحبہ کا دل کیوں نہیں چاہتا کہ یہ سب چیزیں کھا لیں۔ وہ بھی ایک روپے میں دنیا کا ہر ذائقہ چکھ سکتا ہے۔ ہر چیز خرید سکتا ہے پھر بے صبرا پن کیوں کرے۔؟

www.taemeernews.com

پہلے وہ بھی تمام غریبے بچوں کی طرح سوچا کرتا تھا کہ کہیں سے ایک روپیہ مل جائے تو منٹ بھر میں کھا پی ڈالے گا۔

مگر دولت انسان کو بردباری بھی سکھا دیتی ہے۔ اس نے روپیہ جیب میں رکھا تھا تو بڑا مطمئن سا ہو گیا تھا۔

روز کی طرح آج بھی بیگم صاب نے لات مار کر اسے اٹھایا تو اوّو کو کیا معلوم تھا کہ آج کا سورج اس کی قسمت بدلنے والا ہے۔ یہ سب جھوٹ نہ بولنے کا نتیجہ تھا۔ مولوی صاحب کے کہنے پر اس نے کبھی جھوٹ نہ بولنے کی قسم کھائی تھی۔ اپنے دل سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی چوری نہ کرے گا۔ جب کبھی اس کا دل کسی چیز کے لئے مچلتا تو وہ دھڑکتے دل سے الف' لام' میم کا سپارہ اٹھا کر چوم لیتا' بس فوراً سکون مل جاتا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جنت کے دروازے چوری نہ کرنے والوں کے لئے کھلیں رہیں گے۔ وہ جنھوں نے چوری نہیں کی۔ جھوٹ نہیں بولے ۔ اوّو کے پسینے اور میلے میں ڈوبے ہوئے کپڑوں سے اچانک جنت الفردوس کے عطر کی خوشبو بھنا بھنا آنے لگتی۔ یہ دنیا تو سرائے فانی ہے۔ جو بھی تکلیفیں ہیں پل بھر ختم ہو جائیں گی۔ اور پھر نیک دل انسانوں کے لئے فرشتے جنت کے دروازے کھول دیں گے۔ جب صدیق اور شفیق مولوی صاحب سے قرآن شریف پڑھتے تھے تو اوّو دور بیٹھا مولوی صاحب کی ساری باتیں اپنے دل میں اتار لیتا تھا۔ حالانکہ صدیق اور شفیق کو مولوی صاحب کی ساری باتیں یاد رہتیں نہ سبق۔ کتنی بار خانچے میں رکھے ہوئے پھلوں نے اسے اشارہ کیا' میز پر رکھی ہوئی مٹھائیوں نے اسے بلایا۔ بیگم صاحب کے پاندان سے اٹھنی چونی گر گئی تو اس نے جھاڑو دیتے وقت یوں اٹھائی جیسے جلتا ہوا انگارہ چھو لیا ہو۔ بھلا ایک چونی کی خاطر دوزخ کا عذاب کون مول لے گا۔!

رات کو جب تھکن کے مارے نیند نہ آتی تھی تو وہ سوچتا ــــ عید کب آئے گی! عید کے دن صاحب ایک اٹھنی ضرور دے دیں گے۔ بیگم صاحبہ تو چونی سے زیادہ کبھی نہیں دیتیں۔ شاید چھوٹے میاں بھی ایک چونی دے دیں یا ایک روپیہ ہو جائے گا۔ آٹھ کی آئس کریم' دس پیسے کے چنے' چار آنے کا شربت ــــ اسے نہیں اتنا چٹورپن ٹھیک نہیں ہے۔ وہ روپیہ میں آپا کی منی کو دے آؤں گا۔

www.taemeernews.com

آپا بے چاری سسرال میں کتنی دبلی ہوگئی ہے۔ ایک بار وہ پانچ میل چل کر آپا کے گھر گیا تھا تو آپا اُسے دیکھ کر بالکل خوش نہ ہوئی۔ ایک کونے میں لے جا کر بولی،

"اَدّو، تو یہاں مت آیا کر۔ میری ساس طعنے دیتی ہے کہ ماموں کیا لایا ہے منّی کیلئے"

"بس تو اب کی عید پہ منّی کو ایک روپیہ دے آؤں گا۔ آپا خوش ہو جائے گی ــــ مگر روپے کی بھنک کان میں پڑتے ہی اماں سر پہ کھڑی ہو جاتی ہے، بہت رونے دھونے پر شاید دس پیسے دے دے۔

بہت دن ہوگئے صاحب نے کہا تھا کہ اَدّو کو ایک چونّی دیں گے کیونکہ وہ روز صبح ان کی کار کو آدھا میل تک دھکا دیتا تھا۔ پھر کار کے اسٹارٹ ہوتے ہی وہ زن سے چلے جاتے اور چونّی کی بات دوسرے دن پر ٹل جاتی تھی۔

آج بھی جب وہ صاحب کی کار ڈھکیلتے ہوئے ہانپ رہا تھا تو سوچا کہ آج چونّی کی بات کیا صاحب کو یاد دلا دوں! مگر صاحب کو شاید خود ہی یاد آگیا۔ انھوں نے پرس نکالا اور ایک چونّی ڈھونڈی، نہ ملی تو پرس بند کر کے پھر جیب میں رکھا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ اپنے میلے ہاتھوں کو دباتے ہوئے اَدّو ہانپنے لگا۔ روز کار ڈھکیلنے سے اس کے سینے میں درد ہونے لگا تھا۔ گیٹ کی طرف مڑتے ہی اس کی نظر زمین پر گئی اور وہ تیزی سے اُدھر جھپٹا۔ اس کی مٹھی میں ایک روپیہ کا کرارا نوٹ تھا۔ سچ مچ کا نوٹ۔ خوف اور خوشی کے مارے وہ کانپنے لگا۔ روپے کا نوٹ اتنا وزنی تھا کہ وہ روپے سمیت ایک قدم بھی نہ اٹھا سکا۔ جن کے پاس بہت سے روپے ہوتے ہیں وہ جانے کیسے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اَدّو نے بڑے دکھ سے سوچا۔ اب صاحب کی کار چوراہے سے مڑ چکی تھی اور کھلے ہوئے گیٹ کے باہر کوئی نہیں تھا۔

روپیہ ہاتھ میں آتے ہی اَدّو اندیشوں اور خطروں میں گھر گیا۔ وہ ایک روپے کی دولت سمیٹے اکیلا تھا۔ اور ساری دنیا لٹیروں سے بھری ہوئی تھی۔ بوجھل پیروں کو گھسیٹتا ہوا وہ آہستہ آہستہ بازار کی سمت جانے لگا اور پھر فٹ پاتھ پہ بیٹھ کر غور سے روپے کو دیکھنے لگا۔ اُسے دبا دبا کر تہہ کیا، ایک کاغذ میں لپیٹا اور احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔ اب اس میں ایک دولت مند انسان کی

www.taemeernews.com

سوجھ بوجھ آچکی تھی ۔ اب اس کے منہ میں نہ جانے کتنی چیزوں کا ذائقہ گھل رہا تھا ۔ اور خوف کی دھند چاروں طرف پھیل رہی تھی ۔

چاؤش کی دکان پر ایک لڑکی ناریل خرید رہی تھی ۔

"مجھے بھی ایک روپیہ کا ناریل دینا" ۔ گرگابیوں کی بھیڑ میں چاؤش نے اس کی بات نہیں سنی ۔ اچھا ہی ہوا ۔ اگر وہ اس روپے کا ناریل کھا لیتا تو قیامت کے روز اللہ میاں اس کے ہاتھوں پر انگارے رکھیں گے ۔ انگارے کی جلن سے گھبرا کے اس نے ہاتھ کھینچا تو روپیہ نیچے گر گیا ۔ جلدی سے اٹھا کر اس نے پھر ایک بار نوٹ کو غور سے دیکھا ۔ روپے پر تین شیروں کی تصویر بنی تھی جیسے وہ شیر پہرہ دے رہے ہوں کہ اس روپے کو کوئی بے ایمانی سے چرا نہ لے ۔

پاس سے ایک آدمی گذرا تو اس نے بڑے غور سے اڈو کو دیکھا ۔ جیسے پہچان لیا ہو کہ وہ چور ہے ۔ کہیں پولیس کو اطلاع نہ دے دے ! ہتھکڑی پہن کر تھانے جانا پڑے گا ـــــ وہ خوف سے لرزنے لگا ۔

اللہ میاں مجھے بچا لے ـــــ میرے مولا بلا لو مدینے مجھے ـــــ مگر چوری کر کے مدینے جائے گا بے شرم ـــــ لعنت ہے تجھ پر ـــــ اڈو کے بچے ۔ یہ لو ـــــ یہ تو گھر والی گلی آگئی ۔ اماں پوچھے گی روپیہ کہاں سے آیا ؟ جھوٹ بولنا پڑے گا ـــــ چوری اور جھوٹ ـــــ ؟ خوف کے مارے وہ لرزنے لگا ۔

لو ـــــ گیارہ بج گئے ـــــ بیگم صاحب چلا رہی ہوں گی کہ آج اڈو کہاں مر گیا ـــــ گوشت ترکاری کون لائے گا ؟ جھاڑو کون دے گا ؟ کپڑے کون دھوئے گا ؟ بچوں کا ٹفن لے کر اسکول کون جائے گا ؟ وہ یوں سرپٹ بھاگا جیسے بیگم صاحبہ کی آواز سن لی ہو ۔ لے کر اچھا خاصا نام بگاڑ دیا ۔ اس کا نام تو آدم علی خاں تھا مگر انسانوں نے آدم کے نام کی جس طرح تذلیل کی ہے اڈو بھی اس سے نہ بچ سکا ۔ اس کے نام کے بھی سارے پھول پتے جھڑ گئے اور وہ بڑا ٹھنڈ اڈو رہ گیا ۔ اب میں یہ روپیہ آپا کی منی کو دے آؤں گا ـــــ آپا خوش ہو جائے گی ۔ ممکن ہے دال چاول بھی کھلا دے ۔ اب تو بھوک لگ رہی ہے ۔ آدھا دن گذر گیا ، آج ناشتہ بھی نہیں کیا ۔ مگر آپا کی سسرال پانچ میل

www.taemeernews.com

دور سے ہی پاؤں دکھ جائیں گے۔

پھر بھی وہ چلتا رہا۔ منی کو روپیہ دینے کی خوشی میں۔ گرم سڑک پر پاؤں جل رہے تھے۔ اس روپے کی چپل خرید لوں؟ پرانی چپلیں موچی ایک روپے میں دے دیتا ہے۔ مگر پھر آئسکریم کیسے کھاؤں گا۔ ؟

ایک ٹھیلے میں پکے پکے موزبک رہے تھے۔ بہت دنوں سے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ کھانے کو۔ جلدی سے اس نے ایک موز خرید لیا۔ پھر جب ٹھیلے والے نے ایک اٹھنی اور ایک چونی واپس کی تو ادّو کا دل دھک سے ہوگیا ۔۔۔ لو۔ روپیہ ختم ۔۔۔ صرف ایک اٹھنی اور ایک چونی رہ گئی۔ "نہیں چاہیئے مجھے موز"۔ اس نے جلدی سے موز ٹھیلے میں رکھ دیا اور اپنا روپیہ مٹھی میں دبا لیا۔ اللہ تیرا شکر ہے۔ میرا ایمان بچ گیا۔ اگر موز کھا لیتا تو اٹھنی اماں چھین لیتی اور قیامت کے دن کوئی ماں اپنے بچوں کو نہیں پہچانے گی۔ ہر شخص کے گناہوں کا بوجھ اس کی گردن پر ہوگا۔ اماں بھی اٹھنی کے چاول لا کر پکائے گی اور دوزخ کے سانپ بچھو مجھے کاٹیں گے۔

اب آپا کا گھر سامنے نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھی منّی کے سر میں جوئیں دیکھ رہی تھی۔

منّی کو سامنے دیکھ کر وہ خوشی کے مارے دوڑنے لگا۔

گر روپیہ منّی کو دے کر بھی تو دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔

وہ ٹھہر گیا، پیاس اور بھوک کے مارے حلق خشک ہورہا تھا ۔۔۔ سامنے ہوٹل کے اوپر بہت بڑی فینٹا کی بوتل بنی تھی جس سے میٹھے ٹھنڈے شربت کی دھار ٹپک رہی تھی۔ کتنا مزہ آئیگا یہ شربت پی کر ۔۔۔ ادّو نے مٹھی میں دبا ہوا روپیہ غور سے دیکھا۔ گر وہ روپیہ آئینہ بن گیا۔ جس میں دوزخ کے شعلے اس کی طرف لپک رہے تھے۔

نڈھال تھکا ہوا، دوزخ کی آنچ میں سلگتا ہوا بھوکا پیاسا ادّو آہستہ آہستہ لوٹنے لگا ۔۔۔ آپا اور منّی سے ملے بغیر ۔۔۔

"ابے او، ادّو کے بچے۔ آج صبح سے کہاں غائب ہے تو ۔۔۔ تیری بیگم صاحب خفا ہورہی

www.taemeernews.com

تھا۔ جوں ہی ہیں تو پڑوس کی ماما نے اُسے دیکھ کر پکارا۔ گھبرا کے اُدّو روپیہ جیب میں ڈالنے لگا تو وہ قریب آئی۔ "کیا تو بنگلے سے کچھ چرا کے بھاگا ہے آج؟" ماما تشویش بھرے انداز میں اُسے دیکھنے لگی۔

"نہیں تو — میں چوری کیوں کروں گا؟" اس نے ماما کو ٹال دیا۔ مگر آج لنسوب کر سکنے کو تیار نہیں ہوئے۔ کہیں بیگم صاحب کو بھی معلوم ہو گیا کہ وہ روپیہ چرا کے بھاگا ہے تو وہ پولیس کو بلائیں گی۔ لوگ اُسے چور چور پکاریں گے۔ وہ ابھی جا کر روپیہ بیگم صاحب کو دے دے گا۔ بیگم صاحب خوش ہو جائیں گی۔ سارے محلے میں اس کی ایمانداری کے چرچے ہوں گے۔ محلے کے دوسرے نوکروں کو اس کی مثالیں دی جائیں گی۔ اور پھر جنت کے دروازے اس کے سامنے کھلتے گئے۔ مَرے مَرے قدموں سے وہ پھاٹک میں داخل ہوا۔ اس کی آمد اطلاع پہلے ہی پہنچا دی گئی اور سارے محلے کی لونڈیاں بیگم صاحب کی عدالت میں اس کے مقدمے کا فیصلہ سننے کو اکٹھی ہو چکی تھی۔

"میرے گیٹ کے پاس پڑا ملا تھا۔" مَیل اور پسینے میں بھیگا ہوا روپیہ اُس نے بیگم صاحب کے سامنے رکھا۔ وہ برانڈے میں کرسی پر لیٹی اخبار دیکھ رہی تھیں۔ اخبار رکھ کر انہوں نے اُدّو کو گھورا اور دھم سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار کے بولیں،

"چوٹٹے، سچ سچ بتا — تو نے آج اور کتنے روپے چرائے ہیں، جن سے سارا دن گلچھرے اڑا تا رہا ہے —؟"

www.taemeernews.com

تماشہ

"روٹی دے دو، روٹی دے دو"

تیز دھوپ اور سخت زمین والے آنگن میں وہ کھڑی تھی۔ اس کے بدن کے کسی جوڑ پر گوشت نہ تھا۔ اس لئے انسانی بدن کی بناوٹ کے سارے بھید اسے دیکھتے ہی کھل جاتے تھے۔

"اماں، اماں، اس لڑکی کو ایک روٹی دے دیجئے۔ یہ کل دوپہر سے بھوک کے مارے سارے محلے میں روتی پھر رہی ہے۔" عادل اماں سے کہہ رہا تھا۔

"چل بھاگ یہاں سے۔" اماں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "بہت تو دیکھو چڑیل کی! روٹی لینے آنگن میں آکھڑی ہوئی۔ جیسے اس کے باپ کے قرض دار ہیں ہم۔"

"ڈھائی روپے کیلو گیہوں ہو گیا ہے۔ فقیروں کو روٹیاں کون بانٹے گا!" دادی اماں نے مصلے کے نیچے تسبیح ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

"روٹی دے دو۔" وہ پھر بلبلائی۔

"اب جاتی ہے حرام خور کہ اٹھاؤں جوتی؟" دادی اماں کو وظیفہ توڑنا پڑا۔

"اسے روٹی کھلا دیجئے اماں، اور اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بے چاری بہت بھوکی ہے۔" عادل کو اس کے پچکے ہوئے پیٹ پر بہت ترس آرہا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے اسے نوکر رکھ لیں۔" اماں اس تجویز پر خوش ہو گئیں۔ مولا علی مشکل کشا نے میری مشکل آسان کر دی۔ سن او چھوکری! نوکری کرے گی؟"

"نوکری کیا——؟" اس نے بھاڑ سا مونہہ کھول کر پوچھا۔ لمحہ بھر کو چپ رہنے کے بعد وہ پھر سسکنے لگی۔ "روٹی دے دو۔"

www.taemeernews.com

"آں ہاں روٹی دیں گے۔ مگر اس کے بدلے کام کرنا پڑے گا"۔ اتنے میں اماں کو وہ خراب چاول یاد آ گئے جنھیں پھینکنے کو کل سے ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کیوں کہ وہ اس فکر میں تھیں کہ کوئی فقیر آئے تو اسے دے کر ثواب کمائیں۔

"اللہ کا شکر ہے ایک نوکر تو ملا"۔ عذرا نے اطمینان کی سانس لی، امتحان سر پہ آ گیا تھا۔ مگر سارا وقت روٹی پکانے اور جھاڑو لگانے میں ہی صرف ہو رہا تھا۔ بے چارہ پپو ایک میل دور اکیلا اسکول جا رہا تھا۔ کپڑے دھوتے دھوتے کمر ٹوٹ گئی۔

"اے چھوکری، تجھے روٹی پکانا آتا ہے؟" (یعنی نوکر رکھیں تو پورا آرام ملے، ورنہ مفت کی تنخواہ اور کھانا کون دے گا)

چھوکری نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اماں کی طرف دیکھا۔ جیسے وہ اماں کے ان حماقت بھرے سوالوں کا جواب دینا فضول سمجھتی ہو۔ روٹی پکانے کے لئے تو ایک چولہا چاہیئے جو بس کسی کسی گھر میں سلگتا ہے۔

"تجھے گوشت بگھارنا آتا ہے؟" اب کی بار دادی اماں نے سوال کیا کیونکہ اس انٹرویو بورڈ کی چیرمین وہ اپنے آپ کو مان چکی تھیں۔

"ارے دادی اس کے سامنے گوشت کا ذکر نہ کیجئے یہ ہندو ہوگی" عادل نے آواز دبا کر کہا۔

"ایں! ہندو؟" اماں چونک پڑیں۔ "کم بخت، بے حیا صرف ایک لنگوٹ کسے ہوئے تھی ورنہ لباس سے انسان اکثر پہچان لیا جاتا ہے کہ ہندو ہے یا مسلمان۔۔۔ اچھا ہوا عادل نے بتا دیا، ورنہ کہیں امام باڑہ پلید کر دیتی مردار۔۔۔۔

"اری تو ہندو ہے؟"

"ہندو کیا؟" اس نے بڑی مشکل سے کمزور آواز میں پوچھا

"تیرا ستیاناس ہو"۔ اماں کو ہنسی آ گئی۔ "بالکل بے ہوش ہے نامراد۔ میرا تو دماغ خالی کر دیگی"۔

ایک لڑکی کی آمد کا شور سن کر بھائی جان نے جاسوسی ناول تکیے پر پٹخا اور برآمدے میں چلے

www.taemeernews.com

آئے — اتنی دبلی! اونہہ — اور پھر ابھی تو بہت چھوٹی ہے۔

"تیری کوئی بڑی بہن ہو تو بلا کر لے آ۔" انہوں نے اس سے کہا، پھر اماں سے مخاطب ہوئے،

"اماں، یہ تو بہت چھوٹی ہے، کسی کام کی نہیں" (انہوں نے سوچا، یہ لڑکی ایک روٹی کے بدلے ہر کام کی حامی بھر رہی ہے، بڑی بہن اور سستی پڑے گی)

"بہن کیا؟" وہ اب دھوپ سے بچتے ہوئے آنگن میں سونے کی تیاری کرنے لگی تھی۔

"یہ لیجئے، یہ محترمہ تو مستقل قیام و طعام کے ارادے سے آئی ہیں۔" عذرا کو پڑھتے پڑھتے ہنسی آگئی۔

"روٹی دے دو۔" اس نے اپنے اوپر ہونے والے تمام ریمارکس کا مختصر سا جواب دیا۔

"دیکھا کیسی بدمعاش ہے! کام کے نام پر انجان بن رہی ہے، روٹی ملتے ہی بھاگنے کا ارادہ ہے چڑیل کا۔"

"اری تو نے پہلے کہیں کام کیا ہے؟" دادی اماں نے پولیس والوں کے انداز میں تفتیش شروع کی۔ اماں کی طرف جھک کر انہوں نے سرگوشی میں کہا "دلہن، کہیں کسی چور کی سکھائی ہوئی نہ ہو۔ رات کو دروازہ کھول کر سب کو اندر بلا لے گی۔"

وہ سچ مچ چوروں کی طرح اس کالی کوٹھری کو گھور رہی تھی جہاں شیطانوں کے دیدوں جیسے سرخ چولہے دہک رہے تھے اور سارے آنگن میں کھچڑی کی بھوک لگا دینے والی خوشبو پھیلی تھی۔

"مجھے تو پکی چور لگتی ہے۔ ہر طرف کیسی للچائی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔" عذرا سائیکلوجی میں ایم اے کر رہی تھی۔ اس لئے انسان کی نظروں میں چھپے ہوئے ارادوں سے خوب واقف تھی۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"رو — رو رو۔ ٹی ی ی ی۔"

"گونگی ہے کم بخت! جانے کیا بک رہی ہے!"

"یہ تو اور بھی اچھا ہے" — بھائی جان نے سوچا — وہ نعیمن بدمعاش، بڑی زبان کی تیز تھی، خواہ مخواہ میرے قصے سارے محلے میں پھیلا گئی۔

"دیکھ تجھے صاف۔ دو پیسے تنخواہ دوں گی۔ مگر رات دن کام کرنا ہوگا۔" اماں نے کہا۔

www.taemeernews.com

"اے دلہن پاگل ہوئی ہو! اکٹھے سات روپلے۔ اتنی سی لونڈیا کو کون دے گا! پانچ روپے دوں گی۔ جی میں آئے تو رہو، ورنہ اپنا راستہ ناپو۔" اس نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کر دی۔

اس کے رضامند ہوتے ہی بھائی جان کی دلہن فوراً کمرے سے برآمد ہوئیں۔

"تو اٹھ کام شروع کر دے۔ سب سے پہلے بابا کی پھالیاں دھو دے۔ پھر سلیفچی صاف کر کے کمرے میں رکھ دینا... اور دودھ کی بوتلیں گرم پانی سے دھونا..." دلہن بیگم نے سوچا پہلے اپنا کام سمجھا دو، تاکہ روز اسی طرح کام کیا کرے۔

مگر وہ گھٹنوں کے درمیان گردن دبائے دھوپ میں سوکھتی رہی۔

"اماں اس سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ صحن کے پودوں کو پانی دیا کرے، اب میرا امتحان ہے" عذرا نے کتاب سے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

"تم لوگ اپنا کام کرا لو تو ذرا دیر کے لئے ادھر بھی بھیج دینا"۔ اچانک دادی اماں کو اپنے جوڑ جوڑ کا درد آ گیا۔ "پنڈلیاں درد سے پھٹی جا رہی ہیں۔ ذرا دبا دے گی تو شاید رات کو نیند آ جائے"۔

"میں تو اس کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بڑی گندی ہے"۔ بھائی جان نے ایک بار پھر اس کے سوکھے چمرخ بدن کو اپنی نظروں سے ٹٹولا، "اس سے کہئے کہ اس کی کوئی بڑی بہن ہو تو...."

"تو کہاں رہتی ہے! تیرا گھر کہاں ہے؟"

"چل اٹھ جلدی سے آنگن میں جھاڑو لگا"۔

"بڑی مکار ہے بدمعاش"۔ عذرا نے سائیکلوجی کی کتاب سے نظریں اٹھائیں۔

"اماں اسے روٹی دے دینا"۔ عادل نے باہر جاتے جاتے کہا۔

"مگر پہلے ایک بات سن لے" دادی اماں نے وظیفہ ختم کر کے پاندان کھولا "اس محلے میں تجھے کوئی پہچانتا ہو تو اسے بلا کے لے آ۔ ہماری کوئی چیز چلی گئی تو تیری ذمہ داری کون لے گا؟"

"اگر تو کانچ کا کوئی برتن توڑ دیا تو تیری تنخواہ میں سے پیسے کاٹ لوں گی"۔ اماں نے ایک اور دار منگ دی۔

www.taemeernews.com

"دیکھا؟ کام کی بات پر کیسی انجان بنی بیٹھی ہے۔" عذرا نے پڑھتے پڑھتے پھر ادھر دیکھا

"اسے سچ مچ نوکری تھوڑا ہی کرنا ہے۔ آپ اس کا پیٹ بھر دیجئے۔ ابھی بھاگ جائے گی فتنہ کہیں"

"چل اٹھ جھاڑو لگا۔"

"پہلے گندی پیالیاں دھو دے"

"خبردار جو پوچھے بغیر کوئی چیز اٹھا کر مونہہ میں ڈالی۔"

"دیکھا؟ کام کے نام پر کیسا دم نکل رہا ہے! اچھا، اب آپ سب اس کا تماشہ دیکھئے۔"

عذرا سائیکلوجی کی کتاب پٹک کر اٹھی اور اندر سے ایک روٹی لاکر لڑکی کے سر پر نچانے لگی۔

"لے روٹی کھائے گی؟"

یہ کہہ کر عذرا نے اس کی ڈھلکی ہوئی گردن اوپر اٹھانا چاہی اور اگلے ہی لمحہ بے حد شرمندہ ہوئی کہ وہ کوئی تماشہ نہ دکھا سکی۔

www.taemeernews.com

میں

"آدھی رات کو کسی نے خبر سنائی کہ عامر مل گیا ہے۔ میں اندھے بادلوں کی طرح اٹھی۔ جانے کتنا تیز بھاگی۔ عامر کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا ــــ کبھی سوچتی کہ یہ عامر ہی ہے یا کوئی اور ــــ"

اماں نے ہزاروں بار یہ قصہ سنایا تھا اور ہر بار میں گھبرا کے اماں سے پوچھتا،

"اماں، اماں! آپ کو یہ شک کیوں ہوا کہ میں عامر نہیں ہوں ــــ؟"

"بس یوں ہی ــــ میرے دل میں شک تھا کہ کہیں کھوئے ہوئے بچے بھی ملے ہیں۔ کسی نے میرا دل بہلانے کے لئے کوئی اور بچہ نہ تھما دیا ہو۔"

اور ہر بار اماں کی اس بات پر میں لرز اٹھتا تھا۔

کہیں سچ مچ اماں کو کسی نے دوسرا بچہ نہ تھما دیا ہو۔ دل بہلانے کے لئے۔ اور وہ کھویا ہوا "میں" جانے کہاں بھٹک رہا ہوگا۔ جانے کونسی ماں اس "میں" کو تھام کر بہلالی گئی ہوگی۔ پھر میں کون ہوں۔ مجھے اماں کا دل بہلانے کے لئے رات کے اندھیرے میں کہاں سے لائے تھے؟

میرے چاروں طرف سوالوں کے پھندے بڑھتے گئے۔ جیسے کوئی الجھی رسیوں میں پھنستا جا رہا ہو۔ اپنے وجود پر سے میرا یقین اٹھتا جا رہا تھا۔

اور پھر جب میں ذرا بڑا ہو گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اس کھوئے ہوئے عامر کو ڈھونڈوں گا جسے اماں ریل گاڑی میں سوتا چھوڑ کر اتر گئی تھیں۔ اور وہ ریل آگے بڑھ گئی۔ ایک بار میں نے ریل کی پٹریاں دیکھی تھیں۔ اتنی لمبی ــ یا اللہ ــــ یہ پٹریاں کہاں ختم ہوتی ہوں گی! آخر ان کا آخری اسٹیشن کونسا ہے!

میں نے جب بھی ابا سے یہ بات پوچھی۔ وہ ہنسنے لگتے۔

"احمق! پٹریاں کہیں ختم نہیں ہوتی ہیں۔ ان کا جال تو سارے ہندوستان میں بچھا ہوا ہے۔"

www.taemeernews.com

ایک بچے کو اس کی ماں سے دور رکھنے کے لیے سارے ہندوستان میں جال بچھایا گیا ہے
میں حیران ہو کر سوچتا ــــ وہ بیچارا عامر کب تک ریلوں میں گھومے جائے گا ــ ؟
اماں بھی کیسی بھولی ہیں ــ مجھ سے بہل گئیں ۔ مگر کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اماں کو بھی
میرے وجود پر شک ہے۔
یوں میرے کھوئے کھوئے رہنے پر سب مجھے تشویش بھری نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ کوئی
مجھے پکارتا مگر میں جواب ہی نہیں دیتا ۔ جیسے عامر تو کسی اور کا نام تھا۔ میں کیوں جواب دوں!
میری ایسی حرکتوں پر بڑی آپا کو بڑی ہنسی آتی تھی۔ وہ میری گردن ہلا کر پوچھتیں ــ ابھی
تم کہاں تھے؟
"ریل میں ــ" میرے جواب پر سب ہی ہنس پڑتے۔
ایک بار اماں بیمار پڑ گئیں۔ جانے کیا ہوا ــ روٹی پکاتے پکاتے اٹھیں اور دھڑام سے آنگن
میں گر پڑیں ۔ ذرا سی دیر میں بڑی آپا کی چیخوں سے ہمارا آنگن پڑوسنوں سے بھر گیا۔ بڑی آپا نے
اماں کو دودھ میں گھول کر خمیرہ مروارید پلایا۔ صابرہ کہتی تھی کہ اس خمیرے میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ
مُردے کو دے دو تو کھڑا ہو جائے۔ مگر اماں نے صرف آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور کروٹ بدل کر
سو گئیں۔ کئی دن ہو گئے ۔ روز رات کو اماں کے پاس سونے کو جی چاہتا۔ مگر ان کی بلائے ہائے سے
گھبرا کر میلے کپڑوں کے ڈھیر پر سو گیا ۔ اور پھر سوتے وقت مجھے اس بات پر رونا آتا تھا کہ اماں مجھے
اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتیں اور پھر ایک دن اماں نے میری طرف غصہ سے دیکھ کر کہا'
"اسے دیکھو۔ جب سے میں بیمار ہوئی ہوں ایک بار بھی میرے پاس نہیں آیا۔ جیسے میرا
بیٹا ہی نہیں ہے"
اماں کی اس بات پر میں دن بھر سوچتا رہا ــ کہیں سچ مچ اندھیری رات میں لوگوں نے اماں
کو دھوکا تو نہیں دیا تھا! جبھی تو اماں کی بیماری سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ۔ بڑی آپا' صابرہ
اور بھیا پریشان صورتیں لئے سارے گھر میں بھاگے بھاگے چلاتے تھے ۔ اماں کو زبردستی دوائیں کھلائی
جاتیں۔ لیکن مجھے الٹا غصہ آتا تھا کہ یہ کب تک نخرے کیے لیٹی رہیں گی!

www.taemeernews.com

کئی بار اماں میری آوارہ گردی پر جھنجلا جاتی تھیں ۔

"تو ہر وقت باہر کیوں گھومتا ہے ۔ اپنے گھر میں جی نہیں لگتا ۔ باہر تیرا کون سگا بیٹھا ہے؟"

اماں کی بات سن کر کرکٹ بیٹ میرے ہاتھ سے گر گیا ۔ ڈر کے مارے دل دھک دھک کرنے لگا ۔ اماں نے یہ بات کیوں کہی آج ! کیا انھیں بھی ڈر ہے کہ میں کہیں اپنے سگوں میں نہ چلا جاؤں!

دو دن ہو گئے ۔ میں نے کھانا نہیں کھایا ۔ سارا دن پلنگ پر لیٹا رہا ۔ کروٹیں بدل بدل کر سوچے جاتا کہ کیا سوچوں! اب اماں سمجھتیں مجھے کوئی روگ لگ گیا ہے ۔ "باہر جاؤ ۔ اٹھ کر بیٹھو ۔ ہوم ورک کرو" ہر شخص پاس سے گزرتے وقت مجھے ایک حکم سنا دیتا ۔

"کوئی سوال سمجھ میں نہ آئے تو اسے پھیلا کر حل کرو" ۔ ابا پڑھاتے وقت مشورہ دیتے تھے تو کیا اس سوال کو بھی پھیلا دوں ــــ؟

مگر وہ تو میرے پھیلانے سے پہلے ہی ہر طرف پھیل چکا تھا ۔ دن رات میرے دماغ میں ایک کلکولیٹر اس سوال کو سلجھائے جاتا ۔ جانے کیوں بعض وقت دماغ میں وہی باتیں بھر جاتیں جن کے تصور سے ہی وحشت ہوتی ہو ۔

آخر سب نے یہ بات طے کر لی کہ میرا دماغ اپنی جگہ سے ہٹ چکا ہے ۔ اور ایک دن بڑی آپا نے ابا سے شکایت کی ۔

"ابا" عامر اسکول کا ہوم ورک نہیں کرتے ۔ ہر وقت کتاب بند کر کے جانے کیا سوچتے رہتے ہیں"

"بھئی ہمارے خاندان میں تو کوئی جاہل نہیں رہا ہے ۔ اگر عامر بڑے ہو کر رکشا چلانا چاہتے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں" ــ ابا بے حد غصہ میں کہہ رہے تھے ۔

ہمارے خاندان میں ــــ یعنی ابا کا خاندان، جو میرا خاندان نہیں ہے ــــ ؟ میں نے بڑے دکھ سے سوچا ــــ میرا رنگ بھی تو ابا سے بہت گورا ہے ۔ ابا تو نرے کالے ہیں ۔

جب میں بہت چھوٹا سا تھا اور ابا مجھے گود میں اٹھائے اٹھائے پھرتے تھے تو چھوٹی جان ہنس کر کہتی تھیں،

"اللہ قسم بھیا، اتنا گورا بٹیا تمہاری گود میں نہیں سجتا ۔ سب یہی سمجھتے ہیں کہ کسی اور کا بچہ اٹھا لیا ہے"

www.taemeernews.com

اور میں ابا کی گود سے اتر جاتا تھا ۔ یوں جیسے کسی غیر کی گود میں چلا گیا تھا ۔ سب بہن بھائی مجھے اپنے سے دور رکھتے ۔ مجھے چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر صابرہ اور پپو سرگوشیاں کرتے ۔۔۔ غالباً انھیں بھی یہ کہانی معلوم ہو چکی ہے ۔

رات کو کبھی کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا تھا تو میں گھبرا کے اٹھ بیٹھتا' جیسے مجھے لے جانے آیا ہو۔ مل گیا ۔۔۔ مل گیا ۔۔۔ اور میں کسی ممتا بھرے سینے سے لگ جاتا اماں کے پسینے میں بھیگے میلے کرتے سے ناک رگڑ کے رونے لگتا ۔

"کوئی روشنی کرو ۔۔۔ یہ عامر ہی ہے نا ۔۔۔؟"

پھر روشنی ہو جاتی ۔ پل بھر میں اماں دور ہٹ جاتیں ۔ میری کھلی ہوئی باہوں کو ڈھکیل کر وہ غور سے دیکھتیں ۔۔۔ نہیں نہیں ۔ کہیں کھوئے ہوئے بچے بھی ملے ہیں ! اور پھر اماں میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہتیں ۔۔۔ "بیچارا" ۔۔۔

"کیا ہوا تجھے ۔۔۔؟ کیوں کانپ رہا ہے ۔۔۔" اماں آنکھیں ملتی ہوئی سوتے سے اٹھ کر میرے پاس آ بیٹھتی تھیں ۔

"اماں عامر کو بہت ڈر لگ رہا ہے ۔ جیسے کوئی اسے لے بھاگے گا ۔۔۔" صابرہ مجھے تشویش بھری نظروں سے دیکھ کر کہتی ۔۔۔

"میں جو ہوں ۔۔۔ کسی کو کیوں لے جانے دوں گی ۔۔۔" اماں مجھے اپنے سینے سے لگا کر تھپکنے لگیں ۔

"نہیں نہیں میں جاؤں گا ۔۔۔" اماں کا ہاتھ جھٹک کر میں ضد کرنے لگا ۔

"کہاں ۔۔۔؟ کس کے ساتھ ۔۔۔؟" اماں نے تعجب سے پوچھا ۔

کہاں ۔۔۔؟ کس کے ساتھ ۔۔۔؟ کہاں ۔۔۔؟ کس کے ساتھ ۔۔۔؟ ساری رات یہ سوال میرے کانوں میں گونجتے تھے ۔ کسی کھوئے ہوئے بچے کو کسی کی مدد کے بغیر ڈھونڈنا کتنا کٹھن کام ہے ۔ پھر میں اپنے آپ کو کیسے ڈھونڈوں ! کھیلتے ہوئے بچوں میں ۔۔۔ دوڑتی ہوئی بسوں میں ۔۔۔ بھاگتی ہوئی ریلوں میں ۔۔۔ ایک دن سڑک پر ایک عورت چھوٹے سے بچے کو گھسیٹتی ہوئی مار مار کے کہیں لے جا رہی تھی ۔

راہ چلتی کسی عورت نے غصہ سے کہا'

www.taemeernews.com

"امی کیوں اتنی بے دردی سے مار رہی ہے۔ کیا بچہ تیرا نہیں ہے؟"

کہیں وہ بچہ بھی پٹ رہا ہوگا جو میری بجائے کسی اور ماں کے حوالے کر دیا گیا ہے — یہ مائیں دوسروں کے بچوں کو اتنا کیوں مارتی ہیں! اماں کو بھی جب مجھ پر غصہ آتا ہے تو پھر وہ پاگل سی ہو جاتی ہیں۔ شاید انہیں غصہ آتا ہے کہ میں ان کے گھر میں کیوں آگیا! میں جو اپنی ماں سے بچھڑ گیا۔ جو کبھی ایک تھا اور پھر دو ہو گیا — ایک حصہ جو ماں کا ہے اور ایک حصہ جو کسی ٹرین کی برتھ پر بیٹھا اپنے پیچھے بھاگنے والی دنیا کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ نظروں کے سامنے تیزی سے گزرنے والے چہروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ "میں" کب ملے گا! کب میں ایک ہو سکوں گا!

ادھر باکنی پر گھنٹوں ٹہل ٹہل کر میں سوچتا ہوں کہ اچانک کوئی دوڑتا ہوا آئے گا — تم یہاں کیسے آگئے! جاؤ اپنے سگوں میں مل جاؤ — اور وہ دوڑتا ہوا بیولا میں ہوں گا۔ اور پھر میں — لیکن کیا میں اکیلا ہی انتظار کا یہ دکھ برداشت کر رہا ہوں۔ اور کوئی مجھے اس عذاب سے چھڑانے نہیں آئیگا، مگر وہ بھی تو کھو گیا ہے۔ اپنے گھر سے دور کہیں کسی چلتی ٹرین کے ڈبے میں سویا تھا — سوتا رہے گا۔ اس ٹرین کی پٹریوں کا انت کہیں نہیں ہے۔ وہ زندگی بھر گھومتا رہے گا۔ پٹریاں بدلتی رہیں گی۔ سیاہ انجن اسے خوفناک غاروں میں اندھیرے جنگلوں میں اور ہیبت ناک پہاڑوں پر لیجائیگا۔

میں اکثر خواب دیکھتا کہ میں نے ریل کی تمام پٹریوں کا سلسلہ کاٹ دیا ہے۔ تمام دنیا کی ریلیں رکی کھڑی ہیں۔ مگر وہ بے وقوف سو رہا ہے۔ کوئی اسے اٹھاتا کیوں نہیں — چل بھاگ اپنے گھر۔

ایک دن اخبار میں ایک خبر دیکھی میں نے —

"اظہر! تم کہاں ہو — ؟ جہاں بھی ہو فوراً چلے آؤ تمہاری ماں تمہارے لئے سخت بے چین ہے۔ تم سے کوئی شکایت نہیں کی جائیگی۔"

اچھا! تو یہ اشتہار میرے لئے ہے۔ میں نے کئی بار اشتہار پڑھ کر فیصلہ کیا اور چپکے سے پتے کی سمت روانہ ہو گیا

"کیا یہاں کوئی کھو گیا تھا!" میں نے دروازے پر دستک دے کر پوچھا۔ مگر وہ سب میرے پھٹے کپڑے، خون ٹپکتے پاؤں اور گرد آلود چہرے کو دیکھ سہم گئے۔

 www.taemeernews.com

پاگل ہے پاگل ہے۔ اندر آجاؤ نہیں تو مارے گا۔" ایک بچی نے کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا۔

میں مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

سامنے سے ایک لڑکا آرہا تھا۔ میرے ہی جتنا۔ میری طرح وحشت زدہ، زخم خوردہ، سہما سہما سا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا ۔۔ جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ٹھہرو ۔۔"

وہ ٹھہر گیا۔

کیا اس سامنے والے گھر میں لوگ میرا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دیکھو میرے کھو جانے کا اشتہار اخبار میں چھپا ہے"۔

"تم کون ہو ۔۔؟" اس نے اخبار مجھے لوٹاتے ہوئے کہا۔

ہر شخص مجھے پہچاننے سے انکار کر چکا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے میرے سگے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ مجھے پہچان لیں گے"۔

"جھوٹ مت بولو"۔ وہ غصہ میں بپھر گیا۔ "یہ اشتہار تو میرے لئے تھا۔ میں اپنے گھر واپس آگیا ہوں"۔ اس نے مجھے شک بھری نظروں سے دیکھا۔

"اچھا تو تم نے ریل کی پٹریوں کو کاٹ ڈالا۔ نیند سے جاگ اٹھے۔؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"تم کون ہو۔؟" وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔

"لو ۔ پھر وہی چکر شروع ہو گیا"۔ میں نے بڑی دیر تک اس بات پر غور کیا اور پھر خوشی سے اچھل پڑا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں میں ہوں اور تم تم ہو۔ ہم دونوں اپنے اپنے گھر میں آگئے ہیں"۔

اور پھر میں خوشی کے مارے بھاگنے لگا۔ میں نے راہ کے تمام پتھروں کو ٹھوکروں سے اڑا دیا ۔۔ سائیکلوں اور کاروں کی زد سے نکل گیا۔ شریر بچوں کی طرف سے آنے والے پتھروں کو ہاتھوں پر سہا۔ آج مجھے بڑی خوشی تھی کہ وہ سب ظالم بچے مجھے پہچان گئے۔ جبھی تو آج انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پتھر پھینکے۔ اپنے محلے میں لوگ مجھے دیکھتے ہی چلانے لگے۔

www.taemeernews.com

"پاگل — پاگل پھر آگیا"

ہاں، آج سب نے مجھے پہچان لیا۔ اب اماں بھی مجھے پہچان لیں گی۔ تو آج "میں" مل گیا۔

یہ کتنا لمبا سفر تھا" اپنی پہچان کے لئے جو میں نے طے کیا۔ تھکن سے چور ہو کر میں سوچا۔

میں دور سے دیکھ رہا تھا۔ بہت سے لوگ میرے منتظر تھے۔ میں جو اپنے پہچان کے سفر سے لوٹا تھا تو لوگ مجھے حیران حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان آنکھوں میں میرے لئے رحم بھی تھا اور تشویش بھی۔

پھر سب نے میرے گرتے ہوئے بدن کو تھام لیا۔

"لو بھئی تمہارا بیٹا آگیا — ذرا دیکھو تو اس نے کیا حال بنا رکھا ہے اپنا"

لوگوں نے مجھے اماں کی گود میں دھکیل دیا۔

"یا اللہ یہ — یہ عامر ہے — ؟ اماں نے پریشان نظروں سے دونوں ہاتھوں سے میرا چہرہ تھام کر غور سے دیکھا تو اچانک میرا دل بجھ گیا۔ میں نے اماں کو دور دھکیل دیا اور نڈھال ہو کر سوچا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی "میں" نہیں ملا ہوں — ؟

[redacted]